اللہ جل جلالہ
خطبات فقیر
جلد پنجم
شکر الٰہی
صبر کی برکات
اسلام اور مغربی معاشرہ
تہجد کی پابندی
مجاذیب کی پراسرار دنیا
شرم وحیاء
تین بڑی نعمتیں
حقوق العباد
نصائح دلپذیر
علم، عمل اور اخلاص
پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ، فیصل آباد
+92-041-2618003

از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب: محمد حنیف نقشبندی مجددی

نام کتاب	خطبات فقیر جلد پنجم
از افادات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مرتب	محمد حنیف نقشبندی مجددی
ناشر	مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
اشاعت اول	نومبر 2000ء
اشاعت دوم	2001ء
اشاعت سوم	2002ء
اشاعت چہارم	مارچ 2003ء
اشاعت پنجم	اپریل 2004ء
اشاعت ششم	اپریل 2005ء
اشاعت ہفتم	نومبر 2005ء
اشاعت ہشتم	نومبر 2006ء
اشاعت نہم	اکتوبر 2007ء
اشاعت دہم	جون 2008ء
اشاعت گیارہ	مارچ 2009ء
اشاعت تیرہ	فروری 2010ء
تعداد	1100
کمپیوٹر کمپوزنگ	فقیر شاہ مسعود نقشبندی

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

☆☆☆

پیش لفظ

الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید و الایقان و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد و علیٰ اله اصحابه اجمعین . اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام ﷺ صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں ہر سپاہی اصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے، جس کی روشنی میں چلنے والے اھتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد وہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعدازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحہ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغہ عصر شخصیت شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصہ خاصان نقشبند، دامت برکاتہم العالی مادامت النہار واللیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لئے بہت مفید ثابت

ہوں گے۔ چنانچہ عاجز نے تمام خطبات صفحہ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لئے پیش کئے۔ الحمد للہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہوسکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد و ثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔ (انشاءاللہ)

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثم آمین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ

ایم اے۔ بی ایڈ

موضع باغ، جھنگ

شکر الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَ لَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۔ وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّار ۔ وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخر لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِھِمْ اٰیَۃٌ ۔ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۔ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَ اشْکُرُوْا لَہٗ ۔ بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۔ وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۔ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

تخلیق الٰہی کا شاہکار:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ رب کریم کی ہم پر کتنی مہربانی ہے کہ اس پروردگار عالم نے ہمیں انسان بنایا۔ اگر وہ کوئی جانور بنا دیتا تو اس کو اختیار تھا۔ بالفرض اگر وہ بندر پیدا کر دیتا تو کسی نے ناک میں نکیل ڈالی ہوتی اور ہم گلیوں کے اندر ناچتے پھرتے۔ وہ گدھے کی شکل میں پیدا کر دیتا تو کسی نے پیٹھ پہ بوجھ لادا ہوتا اور ہم ڈنڈوں پہ ڈنڈے کھا رہے ہوتے اور پھر اس

کے باوجود بھی زبان سے شکوہ کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ الحمدللہ پروردگار عالم نے ہمیں انسان بنایا، ہم نے اس کے لیے کوئی درخواست تو نہ دی تھی۔

ایمان کی دولت ..... ایک نعمت عظمیٰ:

دوسرا احسان یہ ہوا کہ رب العزت نے ہمیں نبی علیہ السلام کی امت میں ایمان کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ اللہ رب العزت کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے۔ دنیا میں وہ بھی لوگ ہیں جو اس امت میں پیدا ہوئے مگر ان کو کفر کا ماحول ملا، ان کے ماں باپ نے انہیں یہود و نصاریٰ اور کافر بنا دیا، ہمیں اللہ رب العزت نے ایسے ماں باپ کے گھر پیدا کیا کہ جب ہم چھوٹے تھے اور والدہ دودھ کا فیڈر لگاتی تھی تو بسم اللہ پڑھا کرتی تھی، وہ ہمیں سلاتی تھی تو لا الہ الا اللہ کے ترانے سنایا کرتی تھی، وہ پنگھوڑا ہلاتی تھی تو حسبی ربی جل اللہ کے گیت سنایا کرتی تھی۔ ابھی ہم چھوٹے اور ناسمجھ تھے کہ وہ ہم سے اللہ اللہ کے لفظ کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ ابھی ہم چھوٹے تھے کہ اسی ماں اور اسی باپ نے ہمارے ایک کان میں اذان دلوائی اور دوسرے کان میں اقامت، اس چھوٹی عمر میں جب ہمیں سمجھ بھی نہ تھی، جب ہم اپنے مالک و خالق کو پہچانتے بھی نہ تھے ان ماں باپ کی برکت سے ہمارے کانوں میں اس وقت اپنے پروردگار کا نام پہنچا۔ یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ پھر جب ہم چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ابھی بچپن تھا، دوست دشمن کی تمیز نہ تھی، نفع نقصان کا اندازہ نہ تھا، ہمارے والد ہماری انگلی پکڑ کر مسجد کی طرف لے کر جاتے تھے۔ یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم جو آج مسلمان بن کر بیٹھے ہیں معلوم نہیں کہ کتنے لوگوں کی محنت کا اس میں دخل ہے۔ کتنی اللہ رب العزت کی رحمتیں ہم پر ہیں کہ آج اللہ رب العزت نے ایمان کی دولت سے مالا

مال فرمایا۔ جسمانی نعمتیں تو بے شمار ہیں۔ پروردگار عالم نے ہمیں صحیح سلامت جسم کے ساتھ پیدا کر دیا، وہ پروردگار اگر چاہتا تو ہمیں کسی عذر کے ساتھ پیدا کر سکتا تھا، کسی مرض کے ساتھ پیدا کر سکتا تھا۔ ہمیں جو صحیح سلامت جسم نصیب ہوا یہ پروردگار کی ہم پر کتنی بڑی مہربانی ہے۔

احساس شکر:

ایک صاحب نے ظہر کی نماز پڑھی، تنگدستی اتنی تھی کہ جوتا بھی ٹوٹ گیا۔ گرمی کا موسم تھا گرم زمین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے یہ مسجد سے گھر کی طرف لوٹنے لگے تو دل میں خیال آیا، پروردگار! میں تو آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں، مسجد کی طرف آتا ہوں، مجھے تو آپ نے جوتا بھی عطا نہ کیا۔ ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک لنگڑے آدمی کو آتے دیکھا، وہ بیساکھیوں کے بل چل کے آرہا تھا۔ فوراً دل پر چوٹ لگی کہ اوہو! میں تو جوتے کے نہ ہونے کا شکوہ کرتا رہا، یہ بھی تو انسان ہے جسے پروردگار نے ٹانگیں بھی عطا نہ کیں، یہ لکڑیوں کے سہارے چلتا ہوا آرہا ہے۔ تو جب اپنے سے نیچے والے کو دیکھا تو دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوئی۔

ایک بہت بڑی ابتلاء:

ایک اصول یاد رکھیں کہ دین کے معاملہ میں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھیں تاکہ عمل کا شوق اور زیادہ ہو۔ آج معاملہ الٹ ہے، ہم دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھتے ہیں، گھر میں آپ بیوی سے کہیں کہ نماز پڑھو۔ وہ کہے گی کہ تمہاری بہن کونسی نماز پڑھتی ہے؟ وہ کہے گی کہ فلاں کی بخشش ہوگئی تو بس میری بھی ہو جائے گی۔ اپنے سے نیچے والوں کی مثالیں دے گی۔ دنیا کی باتیں کرو تو اس کو پتہ ہوگا کہ

میرا گھر اتنا خوبصورت بنا ہوا ہے مگر فوراً کہے گی فلاں کے گھر میں جو ڈیزائن دیکھا تھا وہ ہمارے گھر میں تو نہیں ہے۔ تو آج بدقسمتی سے دنیا کے معاملے میں ہم اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتے ہیں تو دنیا کی حرص اور طمع بڑھ جاتا ہے اور دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے دینی معاملات میں سستی پیدا ہوتی ہے اور یہ بہت بڑی ابتلاء ہے۔

پلکوں کی نعمت:

دیکھیں یہ ہماری آنکھوں کے اوپر پلکیں ہیں۔ یہ جسم کا کتنا چھوٹا سا حصہ ہیں۔ ایک صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوا اور آنکھوں کی پلکیں کسی وجہ سے کٹ گئیں، آنکھیں محفوظ رہیں مگر وہ آنکھ ہی کیا جس کے اوپر کوئی پردہ نہ رہے۔ جب کچھ وقت کے بعد اس پر گرد اور مٹی پڑ جاتی تو اسے دھندلا نظر آنے لگتا۔ اب ان کو دھونی پڑتی۔ چند دن تو گزرے لیکن بار بار آنکھ دھونے سے اب پانی نے بھی اثر کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ کیفیت ہوئی کہ دو مہینوں کے بعد وہ اپنے چہرے پر پانی لگا ہی نہیں سکتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے زخم بن گیا ہو اور اس کے اوپر کوئی تیزاب ڈالا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس جاتے تو وہ کہتے کہ بس اسے دھونا پڑے گا۔ ہوا کے اندر مٹی کے چھوٹے چھوٹے اتنے ذرات ہوتے ہیں کہ ہمیں نظر تو نہیں آتے مگر موجود ہوتے ہیں۔ آپ گھر کے فرنیچر کو دیکھیں اس پر مٹی کی ایک پتلی سی تہہ آپ کو نظر آئے گی، کوئی شیشہ ہو اس کے اوپر تہہ نظر آئے گی، وہ اصل میں ہوا کے اندر سے مٹی کے ذرات وہاں جا کر گرتے ہیں اور مٹی کی تہہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح مٹی کی تہہ ان کی آنکھ پر بھی بنتی اور ان کو آنکھ دھونی پڑتی۔ جب بار بار دھوتے تو پانی کے بار بار لگنے سے جسم کا وہ حصہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی گلنے والا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ذرا پانچ چھ گھنٹے اپنے

ہاتھ پانی میں ڈال کر دیکھ لیجئے کہ ہاتھوں کی انگلیاں کیسے ہو جاتی ہیں، ان کے چہرے کی یہ حالت ہوگئی۔ بالآخر ڈاکٹر سے جا کر پوچھا، وہ کہنے لگا، ہمارے بس میں کچھ نہیں۔ پھر ایک ڈاکٹر نے انہیں سمجھایا کہ حقیقت میں انسان کی آنکھوں کا پردہ وائپر کی مانند ہوتا ہے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک آٹومیٹک سسٹم بنایا ہے جہاں سے پانی آتا ہے اور وقفے وقفے سے یہ پردہ وائپر کی طرح چلتا رہتا ہے اور آنکھ کے ڈھیلے کو صاف رکھتا ہے۔ اس وقت احساس ہوا کہ رب کریم! یہ پلک کا جھپکنا ایک چھوٹا سا عمل ہے مگر حقیقت میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے لئے اپنی آنکھ کو صاف رکھنا مشکل ہو گیا۔ تو جب اتنی چھوٹی سی چیز بھی اتنی بڑی نعمت ہے تو پھر بڑی چیزیں کتنی بڑی نعمتیں ہوں گی۔

بیکٹیریا سے حفاظت:

بیکٹیریا ایک چھوٹا سا جرثومہ ہوتا ہے۔ ہوا کے اندر اربوں کھربوں کی تعداد میں بیکٹیریا ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کوئی بیکٹیریا ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ انسانی جسم کے اندر جا کر فعال بن جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جی انفیکشن سے بخار ہو گیا۔ اتنا بڑا چھ فٹ کا انسان چارپائی کے اوپر پڑا ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے سے بیکٹیریا نے اس پر عمل کر کے اس کو بیمار کر دیا ہوتا ہے۔ اب وہ پروردگار جو اربوں کھربوں بیکٹیریا سے روزانہ ہمیں بچا دیتا ہے یہ اس پروردگار کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

وائرس سے حفاظت:

بیکٹریا کی بات تو کیا کرنی آج کل تو وائرس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ یہ بیکٹریا سے

بھی زیادہ چھوٹا ہوتا ہے۔ بیکٹریا کو دیکھنے کے لئے آپ کو عام مائیکروسکوپ کی ضرورت پڑتی ہے لیکن وائرس کو دیکھنے کے لئے مائیکروسکوپ کی بجائے الیکٹران مائیکروسکوپ کی ضرورت ہوتی ہے، تب جا کر وائرس نظر آتا ہے اور یہ وائرس ہے بھی ایسا عجیب تماشا کہ اگر اس کا عمل شروع ہو جائے تو آج کے انسان کے پاس اس کا علاج بھی نہیں ہے۔ کہتے ہیں جی کہ آپ کو وائرس کی وجہ سے فلو ہو گیا، اب چند دنوں میں خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ چھ فٹ کا اتنا بڑا انسان مگر وائرس نے اس کو چارپائی پہ لٹا دیا۔ اگر ایک آدمی کو اللہ رب العزت نے صحت دی ہوتی ہے تو سوچنا چاہئے کہ اللہ رب العزت نے کتنی نقصان دہ چیزوں سے اس کی حفاظت فرمائی ہوگی۔ تو ان چیزوں پر غور کرنے سے ہمارے دل میں اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر پیدا ہوگا۔ ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے۔

شکوے ہی شکوے:

آج اکثر جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ اقتصادی اور معاشی مسائل کی وجہ سے ہر مرد اور ہر عورت کی زبان سے شکوے سننے میں آتے ہیں۔ کسی کو اولاد کا شکوہ، کسی کو مال کا شکوہ، کسی کو کاروبار کا شکوہ، الا ماشاء اللہ۔ کوئی بندہ سینکڑوں میں نظر آتا ہوگا کہ جو کہے کہ اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا ہوا ہے میں راضی ہوں۔ ہر ایک کہے گا کہ میں بڑا پریشان ہوں باقی ساری دنیا سکھی زندگی گزار رہی ہے۔ اگر وہ جس کو یہ سکھی سمجھتا ہے اُس کے غم لے کر اس کو دے دیئے جائیں تو یہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہو جائے۔ تو اللہ رب العزت نے جس کو جس حال میں رکھا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں۔

حالات کی زنجیریں:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ اگر اس کو میں نے ضرورت سے زیادہ رزق دے دیا تو یہ عجب میں مبتلا ہو جائے گا، یہ تکبر کے بول بولے گا اور ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، اس لئے رب کریم انہیں تنگدستی کے حال میں رکھتے ہیں کہ میرا یہ بندہ مجھے مشکل کے حال میں پکارتا رہے گا، اس کا ایمان سلامت رہے گا۔ کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ضرورت کے بقدر رزق ملتا رہے گا تو نمازیں بھی پڑھتے رہیں گے، کاروبار بھی چلتا رہے گا، تسبیحات بھی چلتی رہیں گی اور اگر ذرا کاروبار پہ زد پڑی یا ذرا کوئی اور واقعہ پیش آیا تو سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ رب کریم چونکہ مہربان ہیں اس لئے بندے کی ضرورت کے مطابق دیتے رہتے ہیں تاکہ یہ میرا بندہ میرے سامنے جھکتا رہے، یوں حالات کی زنجیروں میں جکڑ کر اللہ تعالٰی اسے اپنے در پہ جھکاتے ہیں۔

رزق کی تقسیم:

رب کریم نے رزق کو تقسیم کیا ہوا ہے۔ فرمایا **نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ** ہم نے انسانوں کے درمیان رزق تقسیم کیا ہے۔ اب کون ہے جو پروردگار کی تقسیم پر راضی ہو۔ تقدیر پر راضی رہنے والے لوگ تھوڑے نظر آتے ہیں۔ ہر بندے کو شکوہ ہے۔ ارے! اگر ایک باپ دو بیٹوں کے درمیان کوئی چیز تقسیم کر دے تو وہ توقع کرتا ہے کہ باپ ہونے کے ناطے یہ بچے میری تقسیم جیسے بھی ہے اس کو قبول کریں گے۔ کیا ہم اپنے خالق و مالک کی تقسیم کو قبول نہیں کر پاتے، کیا ہم اس کی تقسیم پر راضی نہیں ہو

پاتے، ہمیں چاہئے کہ پروردگار نے جس حال میں رکھا ہم اسی حال پر راضی ہو جائیں۔

احساسِ شکر پیدا کرنے کا طریقہ:

سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے ہمیں ہزاروں سے بہتر رکھا ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے۔ آپ تھوڑا سا اپنے حالات پہ غور کریں آپ کو کتنی چیزیں ایسی ملتی چلی جائیں گی، آپ کا دل گواہی دے گا کہ رب کریم نے کتنوں سے ہمیں اس حال میں بہتر رکھا ہوا ہے۔ یہ چیزیں انسان کے اندر پھر شکر کی کیفیت کو پیدا کر دیتی ہیں۔

نعمتوں میں اضافہ اور کمی کے اصول وضوابط:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتوں کو تم پر اور زیادہ کر دیں گے۔ تو ہم جتنا اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں گے اتنا ہی رب کریم کی نعمتیں اور زیادہ ہوں گی۔ اور آگے فرمایا وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ اور اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو یاد رکھو کہ پھر میری پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔

لسانی اور جسمانی شکر:

اب شکر ادا کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو انسان اپنی زبان سے الحمدللہ کہے، سبحان اللہ کہے، یہ بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کر رہا ہے اور ایک اپنے جسم سے پروردگار کے حکموں کی پابندی کرے، گویا یہ بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کر رہا ہے۔ لسانی شکر بھی ادا کرے اور اپنے جسم سے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بندہ ہے۔ اگر اس میں کمی کوتاہی ہو گئی تو پھر

اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنی نعمتوں کو واپس لے لیتے ہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے

دو طرح کی نعمتیں:

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ نعمتیں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وجودی دوسری عدمی۔ اللہ رب العزت نے وجودی ہمیں عطا کیں جو آج ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور عدمی نعمتیں وہ ہیں جو ہمیں آخرت میں ملیں گی۔

آنکھوں کی نعمت:

غور کیجئے ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں۔ اور تو اور آنکھوں کو ذرا دیکھئے یہ رب کریم کی کتنی بڑی نعمت ہیں۔ اگر اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو معلوم کرنا ہے تو اس اندھے سے جا کر پوچھئے جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوا، وہ اپنی ماں کو بھی پوری زندگی نہیں دیکھ سکتا، اپنے باپ کے چہرے کو بھی نہیں دیکھ سکتا، میرے دوستو! اس کے دل میں کتنی حسرت ہوگی کہ کاش! مجھے ایک لمحے کے لئے نگاہ مل جاتی تاکہ میں اپنی ماں کو دیکھتا، اپنے باپ کو دیکھتا، قرآن کو دیکھتا، میں اللہ رب العزت کے گھر کو دیکھتا، اور ان نعمتوں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا مگر اس کے پاس یہ نعمت نہیں ہے۔ میرے دوستو! ہمارے لئے تو رات میں اندھیرا ہوتا ہے اس کے لئے تو دن میں بھی اندھیرا ہوا کرتا ہے۔ ذرا غور تو کیا کریں اس کی زندگی کیسی ہوتی ہوگی۔ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، کبھی ادھر گرا کبھی ادھر گرا۔ کسی نے چاہا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے گزار دیا نہیں تو ہاتھ پاؤں ادھر ادھر مارتا پھرتا ہے، کیا زندگی ہوئی۔ ہم پر اللہ رب العزت کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ رب کریم نے ہمیں صحیح سالم دیکھنے والی آنکھیں عطا

فرمائیں۔غور کرتے چلے جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر کتنی بڑی رحمتیں ہیں۔

قوت گویائی کی قدر:

سوچئے کہ رب کریم نے ہمیں قوت گویائی عطا فرمائی۔اب اس کی قدر و قیمت کا اندازہ گونگے سے پوچھئے کہ جو اپنے دل کی کیفیات اور جذبات کو کسی کے سامنے بیان ہی نہیں کرسکتا۔ہمیں تو کسی سے محبت ہو تو معلوم نہیں کیسے کیسے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ ہم اپنا مدعا اس کے سامنے بیان کرر ہے ہوتے ہیں۔کبھی بچوں کے سامنے محبت کا اظہار،کبھی بیوی کے سامنے محبت کا اظہار،کبھی ماں باپ کے سامنے محبت کا اظہار، کبھی پیر استاد کے سامنے محبت کا اظہار ہم تو دل کے جذبات کو الفاظ کا روپ پہنا دیتے ہیں۔لیکن جو آدمی گونگا ہے وہ اپنے دل کے جذبات کو کسی کے سامنے کھول تو نہیں سکتا،وہ بھلے کسی سے محبت کرتا ہو اسے بتا نہیں سکتا،اس کو کسی کی ذات سے پیار ہو تو وہ اسے بتا نہیں سکتا،اپنے اندر جتنا درد محسوس کرر ہا ہے،جتنا دکھ محسوس کرر ہا ہے وہ اپنا رنج وغم دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔جیسے جانور خاموش ہوتا ہے اسی طرح یہ انسان بن کے بھی خاموش ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے گونگا پیدا کر دیا۔

قوت سماعت کی قدر:

جن کانوں سے ہم سنتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں۔کتنے وہ لوگ ہیں جو دیکھنے میں بڑے خوبصورت ہوتے ہیں مگر ان کو کانوں کی سماعت نصیب نہیں ہوتی۔وہ سنتے بھی نہیں اور بولتے بھی نہیں۔کئی بچے بچپن میں جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کے کانوں میں کوئی نقص ہوتا ہے کانوں کی سماعت ٹھیک کام نہیں کرتی۔جس کی وجہ سے ان کا بولنا بھی بند ہوتا ہے چونکہ انہوں نے کبھی کوئی الفاظ سنے نہیں ہوتے اس

لئے ان کے دماغ میں الفاظ کا ذخیرہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ان کو بولنے کا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ اس لئے نہیں بول سکتے کہ ان کے سننے کا نظام خراب ہوتا ہے۔ اب بتایئے سننے کا نظام خراب ہے مگر بولنے کی نعمت ہونے کے باوجود بول نہیں سکتے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں جس کا سننا ٹھیک ہوگیا تو اس کا بولنا خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ تو پروردگار نے ہمیں سننے کی توفیق نصیب فرمائی۔ سوچئے کہ جب اذان کی آواز آتی ہے تو اللہ اکبر کی صدا ہمارے کانوں میں سنائی دے رہی ہوتی ہے، کبھی کوئی قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے تو کانوں میں آواز آتی ہے، کوئی نعت پڑھتا ہے تو کانوں میں آواز آتی ہے۔ سبحان اللہ ہم کتنی پیاری پیاری آوازیں کانوں کے ساتھ سنتے ہیں۔ کبھی بیوی کی آواز، کبھی بچوں کی آوازی، کبھی ماں نے آواز دی، کبھی کسی نے پکارا، کبھی استاد سے بیٹھ کر درس لیا۔ یہ اللہ رب العزت کی ہم پر کتنی بڑی نعمت ہے۔

نظام انہضام کی نعمت:

سوچئے تو سہی یہ جو کچھ ہم کھاتے ہیں وہ سب کچھ آرام سے اندر چلے جانا اور ہضم ہو جانا اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جن کا ہاضمہ ٹھیک کام نہیں کرتا، کچھ کھا پی نہیں سکتے۔

اس عاجز کے پاس ایک مرتبہ کسی شہر سے ایک خاتون نقش لینے کے لئے آئی۔ پردہ میں بیٹھ کر اپنا حال بیان کرنے لگی، کہنے لگی، پچھلے سات سال گزر گئے ہیں سوائے پانی یا سیون اپ وغیرہ کے میں نے کچھ بھی پیٹ میں نہیں ڈالا۔ گھر میں مختلف قسم کے کھانے میں خود پکاتی ہوں مگر میں اس کو دیکھ تو سکتی ہوں کھا نہیں سکتی۔ اتنا عجیب احساس ہوا۔ رب کریم! یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ وہ عورت روزانہ کھانے پکا رہی ہوتی ہے مگر اس کے نصیب میں نہ روٹی ہے نہ سالن ہے فقط سیون اپ کی بوتل پی لی یا

کبھی جوس لے لیا مزید وہ کوئی ٹھوس چیز کھانے کے قابل نہ تھی۔ اگر کوئی چیز کھا لیتی تھی تو ابکائی آتی تھی اور فوراً ساری چیزیں باہر نکل آتی تھیں، لہٰذا پریشان تھی۔ وہ کہنے لگی کوئی ایسی دعا کردیں یا بتا دیں کہ میں پڑھائی کرلوں کہ میں پورے دن میں چپاتی تو کھا لیا کروں، اتنی حسرت سے وہ بات کر رہی تھی کہ میں پورے چوبیس گھنٹے میں ایک چپاتی تو کھا لیا کروں۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ بندے! تو ذرا اپنے پر غور کر، تو ہر وقت کے کھانے میں کتنی چپاتیاں کھا جاتا ہے اور تجھے اپنے پروردگار کی اس نعمت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ تو جو کچھ ہم کھا لیتے ہیں اس کا ہضم ہونا اور اس کا آرام سے جسم سے خارج ہو جانا بھی اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم اس نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے اگر وہ چیز جسم کے اندر ہی رک جاتی اور باہر نہ نکلتی تو ہمیں ڈاکٹروں کے پاس جانا پڑتا۔ کیسے مشکل وقت گزرتا، پیٹ پھٹنے کو آتا، نجاست جمع ہو جاتی اور اپنے وقت پر نہ نکلتی۔

سانس کی نعمت:

ہم چوبیس گھنٹوں میں کتنے ہزار مرتبہ سانس لیا کرتے ہیں، اس سانس کا آنا اور جانا اللہ رب العزت کی کتنی بڑی رحمت ہے۔ کبھی دمہ کے مریض کو دیکھا کریں کہ جب سانس اکھڑتا ہے تو اس کی کیفیت ایسی ہوتی جیسے جان نکل رہی ہو، آدھا سانس باہر اور آدھا اندر ہوتا ہے۔ حالت دگرگوں ہو جاتی ہے، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور موت وحیات کی عجیب کشمکش میں ہوتا ہے۔ تو ہم اگر غور کرتے چلے جائیں تو رب کریم کی کتنی ہی نعمتیں ہمارے اوپر کھلتی چلی جائیں گے۔ رب کریم نے ہم پر بڑا اکرم کیا ہمیں ایسا جسم عطا کیا کہ جو صحت مند جسم ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی زندگی کتنے آرام سے گزار رہے ہوتے ہیں۔

مکان کی نعمت:

یہ تو وجودی نعمتیں تھیں اب ذرا باہر کی نعمتوں پر غور کریں۔ میرے دوستو! رب کریم نے ہمیں مکان عطا کیا، یہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ذرا ان لوگوں سے پوچھئے جو سڑکوں کے فٹ پاتھ پر اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے بھی تو دل کی تمنائیں ہوا کرتی ہیں ان کے دل کے اندر بھی کچھ حسرتیں ہوتی ہیں۔ ان کا بھی جی چاہتا ہوگا کہ کاش! کوئی ہمارے لئے بھی سر چھپانے کی جگہ ہوتی، وہ تو خیمے لگا کر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ذرا سی ہوا چلتی ہے تو ان کے خیمے گرنے لگتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے تو ان کے نیچے جل تھل ہو جاتا ہے۔ دسمبر اور جنوری کی سخت سردیاں وہ انہی خیموں میں گزارتے ہیں جب کہ رب کریم ہمیں عزتوں کے ساتھ گھر میں رہنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہمیں اس نے گھروں کے اندر رہنے کی توفیق نصیب فرمائی، ہمارے اوپر نیلی چھت کے ساتھ ایک گھر کی چھت بھی عطا فرما دی۔

میٹھی میٹھی تنبیہ:

(دوران بیان جب لوگ اٹھنے لگے تو حضرت جی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا) آپ حضرات اطمینان سے بیٹھئے، یہ عاجز اپنا مضمون اس وقت اٹھائے گا جب صرف طلب والے باقی رہ جائیں گے۔ جو مصروف لوگ ہیں وہ جا رہے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی چلے جائیں اور پیچھے دیوانے رہ جائیں، پیچھے مجنوں رہ جائیں، پیچھے کوئی طلب والے رہ جائیں۔ جو کچھ دامن پھیلا کر بیٹھیں گے تو رب کریم پھر ان کی ضرورت کے مطابق کچھ باتیں کہلوا بھی دے گا۔ اس لئے اس عاجز کا آج شروع

سے ارادہ یہی تھا کہ آرام واطمینان سے بات کریں گے، ذرا چند منٹ دیکھیں گے کہ طلب والے باقی رہیں۔ یادرکھیں کہ سُر والی تقریریں اور راگ والی تقریریں انسان کوسلاتی ہیں اور یہ جو ہم روکھی سوکھی باتیں کرر ہے ہیں یہ انسان کو جگاتی ہیں۔ یہ جب احساس پیدا کردیتی ہیں تو بندہ جاگتا ہے۔ لہذا ہمیں اس سے کوئی فکر نہیں کہ کوئی اٹھ کے جارہا ہے یا نہیں جارہا۔ ان کو یقیناً کوئی تقاضا ہوگا اس لئے انہیں جانے کی اجازت ہے اور جو کوئی سننے کے لئے بیٹھے ہیں رب کریم ان کی طلب کے مطابق ان کو عطا فرمادیں گے۔ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ یہ عاجز کوئی خطیب واعظ تو ہے نہیں جو کوئی خطبہ دے اور وعظ کرے۔ چند سادہ سی باتیں ہیں جو اپنے مشائخ سے سیکھی ہوئی ہیں وہی سبق آپ حضرات کے سامنے دہراتا ہوں۔ جو لوگ طلب صادق لے کر بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دامن کو مراد سے بھر دیا کرتے ہیں۔ تو میرے دوستو! ذرا اپنی باہر کی نعمتوں پر غور کیجئے کہ رب کریم کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں اور مکان تو بڑا نہ سہی کچا سہی مگر پروردگار کی یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم سارا دن کسی کام کے لئے نکلیں بالآخر لوٹ کر گھر آتے ہیں۔ کتنی تسلی ہوتی ہے۔

ہاتھ پھیلانے سے نجات:

ذرا غور کیجئے اگر آپ باہر چلتے ہوئے دیکھیں کہ کوئی فقیر مانگ رہا ہے، مرد ہو یا عورت آخر وہ بھی تو ایک انسان ہے مگر رب کریم نے اسے ایسے حال میں رکھ دیا کہ اسے دوسرے سے مانگنے کی ضرورت پڑگئی۔ ان کے پھٹے ہوئے کپڑے ہوتے ہیں جوان العمر بچیاں ہوتی ہیں جن کے سر پر دوپٹہ بھی پورا نہیں ہوتا، وہ غیر مردوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتی پھرتی ہیں۔ وہ بھی کسی کی بہن ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی ماں ہوگی، میرے دوستو! ہماری بہو بیٹیاں اپنے گھروں میں عزتوں کی روٹی کھالیتی ہیں۔

جب کہ یہ عورتیں تو مانگ کر کھاتی ہیں، کبھی کوئی ٹکڑا ملا کبھی کوئی ٹکڑا ملا، ہمارے گھر کی عورتیں اپنی پسند کے کھانے دستر خوان پر لگا کر کھالیتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ ہماری عزتوں کو غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا، ان کو کسی غیر کی محتاجی نہیں کرنا پڑتی ان کو کسی غیر کا احسان نہیں لینا پڑتا۔ رب کریم نے ہمیں کاروبار عطا کر دیا جس کی وجہ سے گھر کے اندر روزانہ کھانا بن جاتا ہے۔

اولاد کی نعمت:

اس سے ایک قدم اور آگے بڑھایئے کہ رب کریم نے اولاد کی نعمت عطا فرمائی۔ اس کی قدر و قیمت ذرا ان سے پوچھئے جو بے اولاد ہوتے ہیں۔ اس عورت سے پوچھئے جس کی شادی کو کئی سال گزر گئے اور اس کو اولاد کی نعمت نہیں ملی، اس کے دل میں کتنی تمنا ہوتی ہوگی کہ اللہ رب العزت مجھے بھی اولاد عطا کرتا، میں بھی صاحب اولاد ہو جاتی، میرے گھر میں بھی کوئی کھیلنے والا بچہ ہوتا، میرا گھر بھی آباد ہوتا، میرا گھر بھی مجھے باغ کی طرح لگتا، مگر اس کے دل کی تمنا پوری نہیں ہوتی۔ کتنی عورتوں کو دیکھا جنہیں خاوند کا پیار بھی نصیب ہے، گھر میں مال و دولت بھی نصیب ہے، بڑی کوٹھی بھی ہے، مگر ان کے پاس اولاد نہیں۔ کہتی ہیں جی ہمیں یہ گھر کھانے کو آتا ہے۔ اتنا بڑا گھر کس کام کا جب اس میں کھیلنے کے لئے اللہ نے کوئی بیٹا ہی نہیں دیا، اس ماں کے دل میں کتنی حسرت ہوتی ہے ذرا پوچھئے تو سہی۔ اس ماں کی حسرت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ یہ اگر رات کو تہجد کے لئے اٹھتی ہے تو یہ اللہ کے سامنے سربسجود ہو کر اولاد مانگتی ہے، جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی ہے تو اس کی سب سے پہلی دعا اولاد کے متعلق ہوتی ہے۔ لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں اور یہ تہجد کی نماز پڑھ کر اللہ سے ایک نعمت مانگتی ہے جو اسے حاصل نہیں، کبھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہے تو تلاوت کرنے

کے بعد یہ اللہ رب العزت سے دعا مانگتی ہے، رب کریم! مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما، کبھی کسی اچھی محفل یا مجلس کا پتہ چلا، یہ وہاں پہنچتی ہے اور دعا مانگتی ہے کہ اے اللہ! یہ تیرے نیک لوگوں کی محفل ہے، اپنے نیک بندوں کی برکت سے مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما۔ یہ عورت حج پر گئی اس نے غلاف کعبہ کو پکڑ کے یہ دعا مانگی رب کریم! مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما، اس نے مقام ابراہیم پر نفل پڑھے اس نے دعا مانگی رب کریم! اولاد کی نعمت عطا فرما۔ جہاں اسے قبولیت کے آثار نظر آتے ہیں وہ اپنے وہی دکھ اللہ کے سامنے روتی ہے، ہر وقت وہ فریادیں کرتی ہیں۔ اس کو کوئی پڑھنے کو تسبیح بتائے، اسے کوئی راتوں کو جاگ کر وظیفہ کرنا بتائے، یہ راتوں کو جاگ کر وظیفہ کرنے کے لئے تیار، بے چاری وضو کر کے گھنٹوں مصلے پر بیٹھی پڑھتی رہے گی۔ اسے گھر میں کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی۔ اتنا بڑا گھر اسے ویران لگتا ہے، اس کے دل کی حسرت کا اندازہ لگائیے اس کے پاس مال بھی ہے، حسن و جمال بھی ہے، خاوند کا پیار بھی ہے، دنیا کی عزت بھی ہے، مگر یہ سب چیزیں اس کو معمولی نظر آتی ہیں کیونکہ اللہ نے اسے اولاد کی نعمت عطا نہیں کی ہوتی۔ اگر یہ مال دے کر اولاد خرید سکتی تو بھلا یہ اپنا سب کچھ لٹا نہ دیتی، اگر محنت کر کے اولاد کہیں سے لاسکتی تو یہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی جانے سے پیچھے نہ ہٹتی۔ مگر یہ نعمت وہ ہے کہ رب کریم جسے چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں اور جب وہ نہیں عطا کرتا تو دنیا کے ڈاکٹروں کی ڈاکٹری دھری کی دھری رہ جاتی ہے، سب حکیموں کی حکمت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ کہتے ہیں میاں بیوی میں کوئی نقص بھی نہیں مگر میرے مولا کی مرضی نہیں، سالوں گزر جاتے ہیں مگر سالوں کے بعد بھی اولاد نہیں ہوتی حتی کہ جوانی گزرنے کے قریب ہو جاتی ہے مگر دلوں کی حسرتیں دل میں رہ جاتی ہیں، پھر بھی دعائیں مانگ رہی ہوتی ہیں۔ ارے! میرے اور آپ کی تو بات کیا کرنی یہ وہ

نعمت ہے جس کے لئے انبیائے کرامؑ نے بھی دعائیں مانگیں۔قرآن گواہی دیتا ہے اللہ کے نبیؑ ہیں اوراس کے مقبول بندے ہیں، مگر اللہ نے ان کو اولاد عطا نہیں کی۔ان کے دل میں بھی اللہ نے یہ محبت ڈال دی۔حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ہے بال سفید ہو گئے، ہڈیاں بوسیدہ ہو چکیں اور کھال لٹک چکی، مگر اللہ نے اولاد کے بارے میں دل میں ایک تمنا پیدا کر دی تھی لہذا اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعائیں مانگتے ہیں۔وقت کے نبیؑ ہیں ان کی کیسی مقبول دعائیں ہوتی ہوں گی مگر عمر گزر گئی دعائیں مانگتے ہوئے۔جوانی بڑھاپے میں بدل گئی آخر دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں رَبِّ اِنِّی وَھَنَ الْعَظْمُ منی پروردگار اب تو میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو گئیں وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا پروردگار میرے کالے بال سفید ہو گئے، اے میرے مولا! تو میری اس دعا کو قبول فرماوَ لَمْ اَکُنْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا اللہ میں نے ساری زندگی تیرا دروازہ کھٹکھٹایا، پروردگار! مایوس اب بھی نہیں ہوں، اس بڑھاپے میں بھی دل میں یہ امید ضرور ہے۔رب کریم! تیرا در کبھی نہ کبھی کھلے گا اور تو مجھے نعمت عطا فرمائے گا، اتنی دعائیں مانگتے ہیں۔رب کریم نے دعا کو قبول فرمالیا اور اس بڑھاپے میں اولاد کی نعمت عطا فرمادی۔چنانچہ وہ نعمت جس کے لئے وقت کے انبیاء بھی دعائیں کرتے رہے تب اللہ کریم نے انہیں یہ نعمت عطا فرمائی۔میرے دوستو! ہم میں سے کتنے نوجوان ہیں جن کی شادی ہوتی ہے اور دو چار سال کے اندر اللہ ان کو بیٹے بھی عطا کر دیتے ہیں، بیٹیاں بھی عطا کر دیتے ہیں، ایک سے زیادہ اولاد ہوتی ہے، یہ رب کریم کی ہم پر کتنی رحمت ہے، گھروں کے اندر یہ بچے کھیلتے نظر آتے ہیں۔یہ کتنا پیار ہم سے کررہے ہوتے ہیں۔کبھی بیٹی پیار کرتی ہے، کبھی بیٹا پیار کرتا ہے، کوئی ہمیں ابو کہہ رہا ہوتا ہے، کبھی کوئی ضد کرتا ہے، کبھی کوئی پاس آ کے کھانا کھا رہا ہوتا ہے، میرے دوستو! یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی

نعمت ہے جو رب کریم نے ہمیں عطا فرما دی ہے۔ ہم تو دنیا کا سارا مال خرچ کر دیتے تو بھی یہ نعمت نہیں مل سکتی تھی ہمیں اللہ تعالیٰ کا کتنا شکر ادا کرنا چاہئے۔

بیوی جیسی نعمت:

اسی طرح ضروری ہے کہ جب کبھی بیوی پر نظر پڑے اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ رب العزت نے ایک ایسی عورت سے شادی کروادی کہ جو ایمان والی عورت ہے، ایسی عورت کے ساتھ شادی کروادی جو خاوند کے ساتھ اپنا وقت گزارتی ہے غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی، جس کے چہرے پر اللہ نے شرم وحیا دیا، جس کو اللہ نے نمازوں کی توفیق عطا فرمائی، جو انسان کے لئے عزت و پاکدامنی کا ذریعہ بن جاتی ہے، گناہوں سے بچنے کا سبب بن جاتی ہے، جو اولاد کی تربیت کا ذریعہ بن جاتی ہے، جو انسان کے پیچھے اس کے گھر بار کی خیر خبر کرنے والی ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ گھر کو دیکھیں تو شکر ادا کریں اولاد کو دیکھیں تو شکر ادا کریں، اپنی صحت کو دیکھیں تو شکر ادا کریں، اپنی اچھی شکل کو دیکھیں تو شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنی مہربانی فرمائی۔

ہماری حالت:

حالت تو ہماری ایسی ہے کہ طرح طرح کے کھانے تو کھا لیتے ہیں لیکن بسم اللہ پڑھنا ہمیں یاد نہیں ہوتی، ہم کھانا کھا کے اٹھ جاتے ہیں لیکن کبھی اختتامی دعا پڑھنا یاد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ لذیذ مشروب پینے کو عطا فرما دیتے ہیں ہم ان کو پیتے ہوئے بسم اللہ نہیں پڑھ پاتے۔ سوچئے تو سہی یہ گندم کی روٹی جو ہمارے سامنے آئی، یہ تو گندم کا

ایک دانہ تھا۔ کسی کسان نے اسے کھیت میں ڈالا۔ کسی نے زمین کو تیار کیا، پھر زمین سے اس کو نمی ملی، پھر اوپر سے سورج نے اسے حرارت پہنچائی، پھر چاند نے اس کو روشنی دی اور کبھی ہوا نے اس کی نشو ونما میں اضافہ کیا، اتنی چیزیں اس پر عمل درآمد کرتی رہیں بالآخر یہ فصل بنی۔ کسی نے اسے کاٹا ہوگا، کسی نے اسے صاف کیا ہوگا، کسی نے اسے پیسا ہوگا، کسی نے گوندھا ہوگا، ارے کسی نے پکایا ہوگا، اتنے مراحل سے نکل کر جب وہ روٹی ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں کاش! ہمیں اللہ رب العزت کی اس نعمت کا اتنا خیال ہوتا کہ ہم کھاتے ہوئے بسم اللہ ہی پڑھ لیتے، ہم کھاتے ہوئے اپنے پروردگار کا شکر ہی ادا کر لیتے کہ رب کریم! تیری کتنی نعمتیں ہیں جن کو کھا کر ہم دنیا میں زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار:

رب کریم فرماتے ہیں **وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا** اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ بتاؤ! تم بارش کے پانی کے قطروں کو گن سکتے ہو، تو آپ گن نہیں سکتے، کوئی آپ سے پوچھے کہ آسمان کے ستاروں کو گن سکتے ہو تو آپ گن نہیں سکتے، کوئی آپ سے کہے ساری دنیا کے ریت کے ذرات کو گن سکتے ہو آپ نہیں گن سکتے، کوئی آپ سے کہے ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن سکتے ہو آپ نہیں گن سکتے، لیکن میرے دوستو! یہ عاجز پھر بھی عرض کرتا ہے بارش کے پانی کے قطروں کا گننا ممکن ہے، آسمان کے ستاروں کا گننا ممکن ہے، ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کا گننا ممکن ہے، ساری دنیا کی ریت کے ذرات کا گننا ممکن ہے لیکن مولا کریم کے ہم پر کتنے احسانات ہیں ان احسانات کا گننا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے

۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اللہ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتے ،میرے پروردگار! جب تیری اتنی نعمتیں ہمارے اوپر ہیں تو ہم تیری کس کس نعمت کا شکرادا کریں۔

نعمتوں کی ناقدری کا وبال:

قرآن پاک کی ایک آیت ہے اس کو ذرا غور سے سنئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا اور اللہ مثال بیان کرتا فرماتا ہے قَرْيَةً ایک بستی والوں کی كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً جس میں امن بھی تھا اور اطمینان بھی تھا۔ دو لفظ استعمال کیے کہ اس بستی والوں کو امن بھی نصیب تھا اور اطمینان بھی تھا۔ امن کا کیا مطلب؟ کہ ان کو باہر کے دشمن کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اطمینان کا کیا مطلب؟ کہ کوئی اندر کا غم بھی نہیں تھا، اطمینان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی زندگی دی تھی کہ ان کے اوپر نہ کوئی غم تھا اور نہ کوئی خوف۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ان کو چاروں طرف سے رزق کی بہتات نصیب تھی۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ پھر کیا ہوا؟ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیا بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ کیونکہ وہ کام ہی ایسے کیا کرتے تھے۔

بھوک ننگ اور خوف کا لباس:

اگر غور کریں تو ہم میں سے کتنے ایسے ہوں گے جن کو پہلے سب کچھ نصیب تھا بالآخر اللہ نے بھوک ننگ کا لباس پہنا دیا۔ خود آ کے کہتے ہیں، حضرت! پتہ نہیں کیا ہو گیا پہلے تو یہ حال تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے تو وہ سونا بن جاتی تھی اور اب سونے کو

ہاتھ لگاتے ہیں تو وہ بھی مٹی ہو جاتا ہے۔ خود کہتے ہیں کہ حضرت! پتہ نہیں ایک خوف سا رہتا ہے، کبھی ہم بیمار، کبھی بیٹی بیمار، کبھی بیٹا بیمار، کبھی خاوند بیمار، کبھی بیوی بیمار، کسی نہ کسی کی بوتل ڈاکٹر کی طرف جاتی ہی رہتی ہے۔ ہر وقت خوف سا رہتا ہے کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ یہ باتیں آپ کیوں سن رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ بندہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ آج اللہ تعالیٰ نے اس کو خوف اور افلاس کا لباس پہنا دیا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی آج اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور وہ روتا پھرتا ہے کہ دل خوف سے بھر گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی جائے تو اللہ تعالیٰ بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پسند:

رب کریم چاہتے ہیں کہ میرے بندوں پر میری نعمتوں کے اثرات ظاہر ہوں۔ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ** بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر دیکھے۔ تو اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ جن بندوں کو میں نے نعمتیں دیں وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں۔ مگر یہ بھی چاہتے ہیں کہ جو میرا کھائے وہ میرے گیت بھی گائے۔ اس لئے کہ ہر دینے والا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب کسی کو دیا جائے تو وہ بندہ احسان تو تسلیم کرے کہ ہاں میرے اوپر احسان کیا گیا ہے۔ رب کریم تو بڑی عظمتوں والے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اتنا دیا اور بن مانگے دیا۔ اب ہمیں چاہئے کہ ہم رب کریم کا احسان مانیں اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کریں۔

ہمارے شکووں کی اصل وجہ:

آج ہم اکثر و بیشتر شکوے کرتے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعا تو سنتا ہی

نہیں، دعائیں قبول نہیں ہوتی، ہم تو دعائیں مانگ مانگ کر تھک گئے ہیں، او جی کیا کریں کہ ہم نے تو بڑا کچھ پڑھا بھی ہے۔ یہ سارے شکوے کس لئے ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان چڑھا دیا ہے۔ ہمارے شکووں کی اصل وجہ یہی ہے۔

احسانات خداوندی:

میرے دوستو! یاد رکھنا،

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت ازو شناس کہ در خدمت گزاشتت

(اے خادم! تو بادشاہ پر احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے ارے! بادشاہ کی خدمت کرنے والے تو لاکھوں ہیں لیکن یہ بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے خدمت کے لئے قبول کر لیا ہے۔)

کیا احسان جتلاتے پھرتے ہیں کہ ہم عبادتیں کرتے ہیں۔ کیا عبادتیں کرنے والوں کی کوئی کمی ہے؟ نہیں یہ تو پروردگار کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے آنے کی توفیق عطا فرما دی، اس نے اپنے گھر میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرما دی۔ تو ہم اللہ رب العزت کا احسان مانیں کہ پروردگار! یہ تیرا کرم ہے۔

شکر ہے تیرا خدایا میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا میں تو اس قابل نہ تھا
میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
گرد کعبے کے پھرایا میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا

جام زمزم کا پلایا میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک مرے سینے میں تو نے ساقیا
اپنے سینے سے لگایا میں تو اس قابل نہ تھا
تیری رحمت تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبد خضریٰ کا سایہ میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہ سید الکونین میں آ کر نفیس
سوچتا ہوں کیسے آیا میں تو اس قابل نہ تھا

شکر کی کمی کا وبال:

میرے دوستو! ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبان سے اپنے جسم سے اور اپنی عبادات سے اپنے پروردگار کا جتنا شکر ادا کریں اتنا تھوڑا ہے۔ آج یہ عمل امت میں گھٹتا چلا جارہا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں واپس لیتے چلے جارہے ہیں۔

قوم سبا پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں:

اللہ تعالیٰ نے ایک قوم سے کہا لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ تمہارے لئے قوم سبا کے اندر نشانیاں ہیں۔ یہ وہ قوم تھی جس کے پاس اتنے باغات تھے کہ جس راستے پہ چلتے تھے جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ان کے دائیں طرف بھی باغ ہوتا تھا، بائیں طرف بھی باغ ہوتا تھا اور پھر پروردگار کا ان پر کیا حکم تھا فرمایا، كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ تم اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ واشکروا لہ اور اس کا شکر ادا کرو۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ یہ کتنا پاکیزہ شہر ہے۔ وَرَبٌّ غَفُورٌ اور ان کا پروردگار ان کے گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ میرا دیا ہوا کھاؤ اور میرا شکر ادا کرو تا کہ میں تمہیں ظاہر

میں بھی عزتیں دوں گا اور تمہارے گناہوں کو بھی دھو کر رکھ دوں گا اور تمہیں روز محشر کی عزتیں بھی نصیب ہو جائیں۔ لیکن ہم پوری طرح شکر ادا نہیں کرتے۔

شکر کرنے کے طریقے:

ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ سناؤ جی کام کیسا ہے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ بس جی گزارہ ہے۔ حالانکہ یہ وہ آدمی بات کر رہا ہوتا ہے جس کی کئی دکانیں ہیں، کئی مکانات ہیں، جو اگر خود کھا پی لیتا ہے مگر اس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں وافر مال پڑا ہوتا ہے، لاکھوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ او خدا کے بندے! تیری زبان کیوں چھوٹی ہوگئی، تیری زبان سے کیوں تیرے رب کی تعریفیں ادا نہیں ہوتیں، اگر کوئی وزیر تیرے بچے کی نوکری لگوا دے تو جگہ جگہ اس کی تعریفیں کرتا پھرتا ہے کہ فلاں نے میرے بیٹے کی نوکری لگوادی۔ ارے! اس بندے نے تجھ پر چھوٹا سا احسان کیا تو اتنا احسان مند ہوتا ہے، تیرے پروردگار کے تجھ پر کتنے احسانات ہیں تو اس کے احسانات کی تعریف نہیں کرتا۔ پوچھا بھی جاتا ہے سناؤ، کاروبار کیسا؟ او جی بس گزارہ ہے، تجھے چاہئے تو یہ تھا کہ یوں کہتا کہ میرے مولا کا کرم ہے، میری اوقات اتنی نہیں تھی جتنا رب کریم نے مجھے عطا کر دیا، میں تو اس قابل نہ تھا، میں پروردگار کا کن الفاظ سے شکر ادا کروں۔ میرے دوستو! ہم اپنے رب کے گن گایا کریں، کہا کریں کہ پروردگار نے مجھ پر اتنا کرم کیا کہ یقیناً میں اس قابل نہ تھا، میں تو ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں تو بھی اس مالک کا شکر ادا نہیں کر سکتا، میں تو ساری زندگی اگر اس کی عبادت میں گزار دوں تو پھر بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس قسم کا جواب دیں جس سے پروردگار کی عظمتیں ظاہر ہوں، اس کی تعریفیں ہوں کہ پروردگار نے ہم پر کتنے احسانات

کیے ، ہمیں اس کے شکر ادا کرنے کا سبق پھر سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنے گرد کتنی ہی نعمتیں ایسی نظر آئیں گی کہ آپ خود ہی کہیں گے کہ رب کریم کے مجھ پر کتنے احسانات ہیں، میں تو اس کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا۔

عیبوں کی پردہ پوشی:

ارے! اور تو اور، رب کریم نے ہم پر اتنی نعمتیں کیں کہ آج ہم دنیا کے اندر عزت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ رب کریم نے ہمیں چھپائے رکھا ہے۔ یہ پروردگار کا کتنا بڑا کرم ہے۔ جو ہم عزتوں کی زندگی گزارتے پھرتے ہیں یہ مولا کی صفت ستاری کا صدقہ ہے۔ اگر پروردگار اپنی ستاری کی چادر ہم پر نہ پھیلاتا، وہ اگر اپنے پردۂ رحمت کی چادر ہمارے اوپر نہ ڈال دیتا تو ہمارے عیب لوگوں کے اوپر کھل جاتے اور ہمارے اندر کے جذبات کو اگر مجسم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جاتا تو ہم ندامت سے چہرہ دکھا نہ سکتے اور سوچئے کہ ہمارے اندر کی کیفیتیں کیا ہیں اور اوپر سے لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ یہ جو عزتوں کی زندگی گزارتے پھرتے ہیں یہ بھی تو مولا کا کرم ہے کہ پروردگار نے ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دیا اور ہماری اچھی باتوں کو لوگوں کے سامنے پھیلا دیا، آج لوگ تعریفیں کر رہے ہوتے ہیں۔

مولا کی تعریف:

جس نے ہماری تعریف کی اس نے درحقیقت پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔ سچی بات بھی یہی ہے کہ اگر مخلوق مخلوق کی تعریف کرے تو یہ بھی مولا کی تعریف ہے، اگر مخلوق خالق کی تعریف کرے تو یہ بھی مولا کی تعریف ہے، اگر

خالق مخلوق کی تعریف کرے تو یہ بھی مولا کی تعریف ہے اور اگر خالق اپنی تعریف آپ کرے تو یہ بھی مولا کی تعریف ہے۔ ساری تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں۔ سب تعریفوں کی شان اسی کو زیبا ہے۔ اللہ رب العزت کو یہی بات جچتی ہے۔ سب تعریفیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان نعمتوں کو غور سے دیکھیں اور پروردگار کا شکر ادا کیا کریں۔

بھکاری کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا طریقہ:

اگر کوئی سائل آ کر سوال کرے تو تم اس کی صحت کو نہ دیکھا کرو، اس کو جھڑک نہ دیا کرو بلکہ کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا کرو۔ اگر معذور دیکھو تو زیادہ دے دیا کرو مگر خالی نہ بھیجا کرو، پروردگار کا حکم بھی تو یہی ہے وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اور تم سوال کرنے والے کو انکار نہ کرو، اس کے حالات کیسے ہیں؟ یہ تو وہی جانتا ہے جو سوال کی ذلت کو برداشت کر چکا ہے۔ آپ تو اس لئے اس کو دے دیں کیونکہ پروردگار نے تمہیں دینے والا بنایا ہے مانگنے والا نہیں بنایا۔ اگر وہ چاہتا تو تمہیں اس کی جگہ پہ کھڑا کر دیتا اور اسے تمہاری جگہ پہ لے آتا مگر پروردگار نے تمہیں آج دینے والا بنایا اس لئے جب کوئی مانگنے آیا کرے تو کانپا کریں اور رب کا شکر ادا کیا کریں کہ رب کریم! تیرا کتنا کرم ہے، میرے ہاتھ بھی دوسروں کے سامنے پھیل سکتے تھے، میری بیٹی کے ہاتھ بھی پھیل سکتے تھے، میری بیوی کے ہاتھ بھی پھیل سکتے تھے، تیرا کتنا کرم کہ تو نے ہمیں عزت کی حالت میں رکھا، ہمیں لینے کی بجائے دینے والا بنا دیا۔

الحمد للہ کہنے کی عادت:

آپ اکثر دیکھیں گے کہ ہم اپنی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے الحمد للہ کا لفظ اکثر نہیں بولتے۔ کوئی آ کے پوچھتا ہے، سناؤ جی! کیا حال ہے؟ ہم نے کبھی نہیں کہا،

الحمد للہ، میری صحت ٹھیک ہے، الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے خوبصورت گھر دیا، الحمد للہ، اللہ نے بیٹا دیا، الحمد للہ، میں نے کھانا کھایا، ہماری گفتگو میں الحمد للہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ ارے! پروردگار کو خود فرمانا پڑا وَ قَلِيْلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ میرے بندوں میں سے تھوڑے شکر گزار بندے ہیں۔ سوچئے تو سہی کہ اس پروردگار کو یہ کہنا پڑا جس پروردگار کی نعمتیں تمام انسانوں پر ہیں، جو اپنوں کو بھی دیتا ہے اور پرایوں کو بھی دیتا ہے، وہ جو ایمان والوں کو بھی دیتا ہے اور کافروں کو بھی دیتا ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

لمحہ فکریہ:

ایک کتا جس کو مالک خشک ٹکڑا ڈالتا ہے وہ اپنے مالک کا اتنا وفادار بنتا ہے کہ مالک کے گھر کا ساری رات جاگ کر پہرہ دیتا ہے۔ مالک کھانا کھا رہا ہوتا ہے تو یہ جوتوں میں بیٹھ کر مالک کو دیکھ رہا ہوتا ہے، مالک ہڈی پھینک دے تو خوشی سے کھا لیتا ہے، اگر کچھ نہ پھینکے تو صبر کے ساتھ وہیں وقت گزارتا ہے، اس کی زبان پر شکوے کے کلمات نہیں آتے۔ او بندے! تیرے پروردگار نے تجھے صبح، دوپہر، شام کھانے کو عطا کیا، تو من مرضی کی غذائیں کھاتا ہے، پھر کوئی چھوٹی موٹی ناگوار بات پیش آجاتی ہے تو فوراً شکوے کرتا ہے کہ او جی ہم نے تو بڑی دعائیں مانگی ہیں سنتا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے اندر تکبر اتنا بھر چکا ہے کہ ہم جب کہہ رہے ہوتے کہ اللہ ہماری سنتا نہیں تو دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ رہے ہوتے ہیں اے اللہ! ہم نے (Planing) تو کر لی، پروگرام تو بنا لیا اب اے اللہ! اس پر عمل درآمد آپ

جلدی جلدی کر لیجیے۔ ارے وہ پروردگار ہے، اس پروردگار کو ہم نے معاذ اللہ ملازم کی طرح سمجھا ہوا ہے کہ اب وہ اس پر عمل درآمد کر دے گا۔ اس پروردگار کی شان ہے کہ وہ چاہے تو بندوں کی دعاؤں کو قبول کر لے اور اگر وہ نہ چاہے تو اپنے انبیاء کی دعاؤں کو بھی رد کر دے، اسے کوئی روکنے والا نہیں، اگر وہ چاہے تو فاسق و فاجر کی دعاؤں کو قبول کر لے، وہ بے نیاز ذات ہے۔

میرے دوستو! اس کی شان بے نیازی کا اظہار ہوتا ہے تو بلعم باعور کی 500 سال کی عبادت کے باوجود اس کو پھٹکار کے رکھ دیتے ہیں اور جب اس کی رحمت کی ہوا چلتی ہے تو فضیل بن عیاض جو ڈاکوؤں کے سردار تھے، رب کریم اس کو وہاں سے اٹھا کر ولیوں کا سردار بنا کے رکھ دیتے ہیں، پروردگار بے نیاز ذات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کبھی اس کی بے نیازی کا مظاہرہ ہو، پھر تو ہم ننگی کا ناچ ناچتے پھریں گے۔ یاد رکھنا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو پگڑیاں اچھل جاتی ہیں، دوپٹے اتر جاتے ہیں، پھر انسان گھر بیٹھے بٹھائے ذلیل ہو جاتا ہے، بڑی بڑی عزتوں والے لوگوں کو چہرہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ پروردگار ناراض نہ ہو، اگر ناراض ہو جائے تو چلتے پھرتے بھی وہ بندہ مرا پھرتا ہے اس کے اندر کا انسان زندہ نہیں ہوتا۔ لوگ خود کہتے ہیں کہ اب تو ہم اتنے ذلیل ہو گئے کہ مرے پھرتے ہیں، ہماری زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

میرے دوستو! پروردگار کبھی ناراض نہ ہو، یہ دعائیں مانگا کرو، رب کریم! راضی رہنا، ہم پر مہربانی فرماتے رہنا، ہماری ان کوتاہیوں کی وجہ سے کہیں ہم سے ناراض نہ ہو جانا۔ جب رب کریم کی رحمت کی نظر ہٹ جاتی ہے تو پھر بندے کی کشتی ہچکولے کھانے لگ جاتی ہے۔ پھر تو ایمان کی حفاظت مشکل ہوتی ہے۔ پھر تو انسان کو اپنی

عزت کی حفاظت مشکل ہوتی۔ ہمیں چاہئے کہ جو نعمتیں اس نے دیں ان کا شکر ادا کریں اور جو ہمارے اوپر نعمتیں نہیں ہیں ہم ان کو اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں، اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ رب کریم اس دروازے کو کھولے گا اور ہمیں وہ نعمتیں بھی عطا فرما دے گا۔ لہذا اس سبق کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے جب ہم شکر ادا کرنا سیکھ لیں گے تو اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کو اور زیادہ کر دیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیں روحانی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمائیں گے۔

تین آدمیوں کی آزمائش:

حضرت مولانا بدر عالمؒ نے ترجمان السنہ میں اس حدیث کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے ان میں سے ایک آدمی کے چہرے پر برص کے داغ تھے دوسرے کے سر پر بال نہیں تھے اور تیسرا آنکھوں سے اندھا تھا۔ ان تینوں کے ساتھ عجیب معاملہ پیش آیا۔ ان میں سے ایک آدمی ایسا تھا جس کے چہرے پر برص کے داغ تھے، شکل بھی اچھی نہ تھی، لوگ اسے دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے، محفل میں بیٹھ کر وہ اپنے آپ کو مجرم کی طرح محسوس کرتا تھا۔ اس لئے بڑا پریشان پھرتا تھا۔ اس کا کاروبار بھی نہیں چلتا تھا۔

اس کے پاس ایک آدمی آیا اور آ کر اس آدمی نے کہا کہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی پریشانی ہے۔ یہ کہنے لگا، ہاں بڑی پریشانی ہے۔ پوچھا، کونسی پریشانی ہے؟ وہ کہنے لگا، اللہ تعالیٰ میرے برص کے داغ ٹھیک کر دے، میرا چہرہ اس قابل ہو کہ میں لوگوں میں عزت کے ساتھ بیٹھ سکوں اور اللہ تعالیٰ میرا کاروبار ٹھیک کر دے تا کہ میں عزت کی روزی کھا سکوں، میرے لئے یہی کافی ہے۔ چنانچہ اس آدمی نے دعا کی۔ اللہ

تعالیٰ نے اس بندے کی برص کی بیماری کو دور کر دیا اور اسے ایک اونٹنی عطا کی۔ اونٹنی کی نسل اتنی بڑھی کہ ہزاروں اونٹوں اور اونٹنیوں کا وہ مالک بن گیا۔ اس کا شمار امیر آدمیوں میں ہونے لگا۔

پھر وہ آدمی دوسرے کے پاس گیا۔ جس کے سر پر بال نہیں تھے۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے رہتے تھے اور اسے گنجا کہتے تھے۔ کاروبار بھی اچھا نہیں تھا لہٰذا پریشان بھی رہتا تھا۔ اس آدمی نے پوچھا، سناؤ بھئی تمہارا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا، بس ایک تو سر پر بال نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں اور دوسرا کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس آدمی نے کہا، اچھا اللہ تعالیٰ تمہارے سر پر خوبصورت بال اگا دے کہ تم دیکھنے میں خوبصورت نظر آؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا کاروبار عطا کرے۔ چنانچہ اس کے سر پر خوبصورت بال آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک گائے عطا کی۔ گائے کی نسل اتنی بڑھی کہ ہزاروں گائیوں کا وہ مالک بن گیا اور وقت کے بڑے امیر آدمیوں میں اس کا شمار ہونے لگ گیا۔

پھر وہ آدمی تیسرے کے پاس گیا اور پوچھا کہ سناؤ تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا، میں تو آنکھوں سے اندھا ہوں، میں تو ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوں، میں تو لوگوں سے بھیک مانگتا پھرتا ہوں، میری بھی کیا زندگی ہے؟ دعا کرو اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرما دے اور اللہ تعالیٰ مجھے اچھا رزق عطا کرے اور غیر کی محتاجی سے بچا لے۔ چنانچہ اس آدمی نے دعا دی۔ اللہ تعالیٰ نے بینائی بھی عطا فرما دی اور اس کو ایک بکری عطا کی۔ اس بکری کا ریوڑ اتنا بڑھا کہ وہ ہزاروں بکریوں کا مالک بن گیا۔ اس کا شمار بھی امیر کبیر آدمیوں میں ہونے لگا۔

کئی سال ان نعمتوں میں گزر گئے۔ لوگوں میں بڑے چرچے، بڑی عزتیں کہ

فلاں تو چوہدری صاحب ہیں، فلاں تو نواب صاحب ہیں، فلاں تو رانا صاحب ہیں۔ ان کا رہن سہن امیرانہ بن گیا۔ بڑے نوکر چاکر ہو گئے۔ دنیا کے مکان اور محل بنا لئے تھے، بڑی عزتوں کی زندگی گزارنے لگے اور وقت کے ساتھ ساتھ غفلت کا شکار ہو گئے۔

جب کافی عرصہ گزر گیا تو وہی آدمی پہلے کے پاس آیا اور کہنے لگا، میں محتاج ہوں، میں غریب ہوں، میں آپ کے پاس آیا ہوں، ایک وقت تھا جب آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا کر دیا۔ آپ مجھے اسی اللہ کے نام پر کچھ دے دیں۔ یہ سن کر اس آدمی کو بڑا غصہ آیا۔ کہنے لگا تم نے یہ کیوں کہا کہ ایک وقت تھا جب تمہارے پاس کچھ نہیں تھا، میرا دادا امیر، میرا باپ امیر، اور میں خود امیر، میں نے بچپن میں فلاں جگہ زندگی گزاری، میں تو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوا تھا، میں نے تو بچپن سے دولت دیکھی ہے، ارے! میں تو خاندانی امیر ہوں، تم کیسی باتیں کرتے ہو، تم نے لوگوں کے سامنے یہ بات کر کے میری بے عزتی کر دی۔ اس نے کہا، اچھا پھر جیسے تم پہلے تھے اللہ تعالیٰ تمہیں ویسا ہی کر دے۔ یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا۔ مشیت خداوندی سے اس کو پھر برص کا مرض ہو گیا، ایسی بیماری پھیلی کہ ساری کی ساری اونٹنیاں مر گئیں، جائیداد بھی ختم ہو گئی اور یہ اسی پہلی والی حالت میں دوبارہ آ گیا۔

پھر وہ آدمی دوسرے کے پاس گیا۔ اس کو کہنے لگا کہ میں بڑا ہی غریب ہوں، محتاج ہوں، مجھے اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔ اسی اللہ کے نام پر جس نے آپ کو سب کچھ دیا حالانکہ آپ کے پاس تو اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا تم نے کیسی بات کی؟ ارے! میں بڑا عقلمند آدمی ہوں، دنیا مجھے بڑا بزنس مین کہتی ہے، دنیا

میرے فیصلے تسلیم کرتی ہے، میں نے فلاں کاروبار کیا ایسا سودا کیا کہ مجھے اتنی بچت ہوئی، فلاں سودا کیا اتنی بچت ہوئی، میاں! محنت سے کمایا ہے، بغیر محنت کے کچھ نہیں ملتا، تم ویسے ہی چل کے آ گئے ہو بھوکے ننگے بن کر، تمہیں کیسے مل سکتا ہے، ہم نے یہ محنت کی کمائی کی ہے کوئی آسمان سے ویسے نہیں گر گیا، ہم نے دن رات اس کے پیچھے محنت کی تب ہمیں یہ ملا ہے۔ جب اس نے اس قسم کی باتیں کیں تو یہ آدمی کہنے لگا، اچھا جیسے تم پہلے تھے پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ویسا ہی کر دے۔ جب اس نے بددعا کر دی تو اس کی گائیں سب کی سب مر گئیں، جائیدادیں نقصان کا شکار ہو کر ہاتھوں سے نکل گئیں، اس کے سر کے بال بھی گر گئے، جس حالت میں پہلے تھا اسی حالت میں وہ دوبارہ ہو گیا۔

پھر وہ تیسرے آدمی کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا کہ میاں! میں محتاج ہوں، میں غریب ہوں، مجھے کچھ دے دو اسی اللہ کے نام پر جس نے آپ کو سب کچھ دیا حالانکہ آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ جیسے ہی اس نے یہ بات کہی اس آدمی پر عجیب سی کیفیت طاری ہوئی۔ آنکھوں سے آنسو آنے لگے اور وہ کہنے لگا کہ بھائی! تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، میں تو اندھا تھا، میں تو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا، میں تو در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا، میری دنیا ویران تھی، میں بھیک مانگتا تھا، لوگوں کے سامنے کشکول پکڑ کے جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کوئی خدا کا بندہ آیا اس نے دعا کر دی، میرے رب نے مجھے آنکھوں کی بینائی بھی عطا کر دی اور ایک بکری ایسی دی جو اتنی برکت والی تھی آج دیکھو کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان جتنا ریوڑ نظر آتا ہے یہ سب میرے مولا کا کرم ہے۔ یہ سب میرے مولا کی دین ہے، میرے پاس اپنا کچھ نہیں تھا یہ کسی کی دعا لگ گئی۔ میرے دوست! تم اس اللہ کے نام پر مانگنے کے لئے آئے ہو

میرا ریوڑ تمہارے سامنے ہے تم جتنا چاہو ان بکریوں میں سے لے سکتے ہو۔ میرے مال میں سے جتنا چاہو تم لے سکتے ہو۔ میں اپنی اوقات کو کیوں بھولوں، میں تو وہی اندھا ہوں، میرے مولا نے مجھ پر کرم کیا۔ اس اجنبی شخص نے کہا تمہیں مبارک ہو، میں تو اللہ کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بندوں کے پاس امتحان کے لئے بھیجا تھا دو بندے اپنی اوقات کو بھول گئے اور ان سے پروردگار نے نعمتوں کو واپس لے لیا مگر تم نے اپنی اوقات کو یاد رکھا، جا اللہ تیری عزت میں اور مال میں اضافہ فرما دے۔ چنانچہ یہ آدمی بنی اسرائیل کے بڑے باعزت مال والوں میں سے بن گیا۔

اللہ کی تعریفیں کریں:

میرے دوستو! ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنی اوقات کو یاد رکھیں، ہم دنیا میں آئے تھے تو کیا کچھ لے کے آئے تھے، جسم پر لباس بھی نہ تھا، دوسری چیزیں تو بعد کی باتیں ہوتی ہیں، جو کچھ ملا پروردگار نے دیا ہم اس پروردگار کا دیا ہوا کھائیں اور اسی کے گیت گائیں، اس کی تعریف کرتے ہوئے نہ تھکیں، ہر وقت زبان پر اس کی تعریفیں ہوں، ہر وقت اسی پروردگار کی شان بیان کریں، اتنی تعریفیں کریں حتیٰ کہ لوگ ہمیں دیوانہ کہنے لگ جائیں۔ اگر دیوانوں کی طرح ہم پروردگار کی رحمتوں کا شکر ادا کریں تو ہم اس کی رحمت کا شکر پھر بھی ادا نہیں کر سکتے۔ میرے دوستو! سچی بات کہتا ہوں اس وقت منبر رسول پر بیٹھا ہوں۔ وہ پروردگار اگر ہمیں آنکھیں نہ دیتا تو ہم اندھے ہوتے، وہ ہمیں گویائی نہ دیتا تو ہم گونگے ہوتے، وہ ہمیں سماعت نہ دیتا تو ہم بہرے ہوتے، وہ ہمیں عقل نہ دیتا تو ہم پاگل ہوتے، وہ ہمیں صحت نہ دیتا تو ہم بیمار ہوتے، وہ اولاد نہ دیتا تو ہم لاولد ہوتے، وہ ہمیں مال نہ دیتا تو ہم بھک منگے غریب ہوتے، یہ جتنی نعمتیں ہیں یہ سب میرے پروردگار کا کرم ہے۔

اللہ کی قدر کریں:

او کیوں نہیں دامن پھیلاتے اور مالک کا شکر ادا کرتے کہ رب کریم! قربان جائیں تو نے نعمتوں کی انتہا کر دی۔ مگر ہم اس کا شکر ادا نہیں کر سکے۔ اللہ! جواب تک غلطی کر چکے، ناشکری والی، اتنے کریم آقا کو قرآن میں کہنا پڑا وَ قَلِیْلٌ مِنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرِ میرے بندوں میں سے تھوڑے میرا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ ایسے کریم آقا کو کہنا پڑا وَ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ارے! ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے کرنی چاہئے تھی۔ واقعی ہم ناقدرے نکلے، ناشکرے نکلے، پروردگار! ہمارے اس گناہ کو معاف فرما دے۔ اور آئندہ ہمیں اپنی قدر دانی کی اور اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

چھوٹی موٹی پریشانیاں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ جب مالک کی طرف سے لاکھوں خوشیاں اور نعمتیں ملیں تو شکر کیا کریں اور، چھوٹی موٹی پریشانیوں پر صبر کیا کریں۔ رب کریم صبر کرنے والے کو بھی جنت عطا کرے گا، شکر کرنے والے کو بھی جنت عطا کرے گا۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

صبر کی برکات

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ .
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ
الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

حالات کا تغیر:

انسانی زندگی کے حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی خوشی کی گھڑیاں ہوتی ہیں اور کبھی غم کی کیفیت ہوتی ہے، کبھی انسان کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور کبھی قرضوں کے بوجھ نیچے دبا ہوتا ہے، کبھی جوانی اور صحت کا عالم ہوتا ہے اور کبھی بیماری کی وجہ سے چار پائی کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ زندگی غم اور خوشی کے درمیان گزرتی چلی جا رہی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے مگر موت کے وقت پتہ چلتا ہے کہ وقت کیا گزرنا تھا میں ہی اس دنیا سے گزر گیا۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
رہ گئی بات رنج و راحت کی
یہ فقط وقت کا گزرنا ہے

سب کے لئے ایک ہی کام ہے کہ جینا ہے اور مرنا ہے۔ یعنی عمل کرنے ہیں اور حساب دینا ہے۔ رہ گئی خوشی اور غم کی بات تو یہ زندگی کی ترتیب ہے۔

خوشی اور غم کے اسباب:

جب انسان پر اللہ رب العزت کے جمال کی تجلیات وارد ہوتی ہیں تو اسے خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ایسے میں اگر وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو سونا بنتی ہے، الٹے کام کو بھی اللہ تعالیٰ سیدھا کر دیتے ہیں، فصلوں میں برکت ڈال دیتے ہیں، دنیا میں ہر طرف سے ایسے انسان کیلئے واہ واہ کی صدائیں آتی ہیں۔ اور جب کبھی انسان پر جلال کی تجلیات پڑتی ہیں تو پھر انسان کے لئے دنیا میں مشکلات ہی مشکلات ہوتی ہیں، ہر طرف سے پریشانیاں، دایاں قدم اٹھائے تو پریشانی، بایاں قدم اٹھائے تو پریشانی، سونے کو ہاتھ لگائے تو وہ بھی مٹی بن جاتا ہے، چلتے کام کو ہاتھ لگائے تو وہ اٹک جاتا ہے، سوچ سمجھ کر عزت کے حصول کے لئے قدم اٹھاتا ہے مگر بدنامی اور ذلت مل جاتی ہے، ہر طرف سے بری خبریں، پریشانیاں، مصیبتیں اور بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی تجلیات ہوتی ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْسُطُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اللہ تعالیٰ ہی قبض کرنے والا اور کھولنے والا ہے۔ تو قابض اور باسط اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں۔ قابض کا مطلب ہوتا ہے قبضے میں لینے والا، چھین لینے والا، اور باسط کہتے ہیں کھول دینے والے کو۔ لہذا جب انسان اللہ تعالیٰ کے اسم قابض کا مظہر بنتا ہے تو پھر اس کے اوپر غم اور اندوہ ہوتا ہے اور جب اسم باسط کا مظہر بنتا ہے تو پھر اس کے اوپر خوشی اور فراخی کا معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی خوشی اور کبھی غم ہوتا ہے۔ کبھی خزاں اور کبھی بہار ہوتی ہے۔

کبھی جوش جنوں ایسا کہ چھا جاتے ہیں صحرا پر
کبھی ذرے میں گم ہو کر اسے صحرا سمجھتے ہیں

شیطان کا ورغلانا:

شیطان ان دونوں حالات میں بندے کو ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ خوشی

کے حالات ہوں تو غفلت میں ڈال دیتا ہے اور غم کے حالات ہوں تو ناامید بنا دیتا ہے۔ غفلت میں پڑنے والا بھی راستے سے ہٹ گیا اور ناامید ہونے والا بھی راستے سے ہٹ گیا۔ ان مجالس کا بنیادی مقصد اسی بات کو سمجھانا ہوتا ہے۔ اپنی تقریر کا جادو جگانا نہیں ہوتا۔ بلکہ بات سمجھا کر زندگیوں میں کوئی تبدیلی پیدا کرنی ہوتی ہے۔

داخلہء جنت:

اس عاجز کو یاد ہے کہ پچھلی محفل میں اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا مضمون آپ کی خدمت میں بیان کیا تھا اور آج مصیبتوں پر صبر کرنے کے بارے میں کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ شکر ادا کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔ گویا شکر اور صبر دونوں داخلہء جنت کے اسباب ہیں۔ انسان خوشی کے حالات میں ہو تو شکر ادا کرے اور غم اور پریشانی کے حالات میں ہو تو صبر کرے۔

چراغ بجھ جانے پر اجر و ثواب:

مومن کو اس دنیا میں جو بھی پریشانی آتی ہے چھوٹی یا بڑی، اللہ رب العزت کی طرف سے اس کا اجر اور بدلہ ملتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ رات کو چراغ جل رہا ہے، ہوا کا جھونکا آیا اور چراغ بجھ گیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فوراً پڑھا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ بڑی حیران ہوئیں۔ عرض کیا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! یہ آیت تو بڑے غم اور مصیبت کے آ جانے پر پڑھی جاتی ہے۔ فرمایا، عائشہ! مومن کے لئے اس کا چراغ بجھ جانا بھی ایک مصیبت ہے اور اس چراغ کے بجھ جانے پر جو یہ آیت پڑھے گا اللہ رب العزت کی طرف سے اس پر بھی اجر ملے گا۔ جب گھر کا چراغ بجھ جائے اس پر صبر کرنے والے کو اجر ملتا ہے

تو جس کے بیٹے کی زندگی کا چراغ بجھ جائے اگر اس پر کوئی صبر کرے گا تو اس کو کتنا اجر عطا کیا جائے گا۔

مریض کے لئے اجر وثواب:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ اس مریض کے منہ سے کراہنے کی جو آواز نکل رہی ہے یعنی ''ہوں ہوں'' ہر ہر مرتبہ کراہنے پر سبحان اللہ کہنے کا اجر لکھا جائے۔ اور اگر درد کی وجہ سے وہ مریض چیخنے لگے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھو۔ جب وہ مریض سانس لیتا ہے تو ہر ہر سانس کے بدلے اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ جب وہ مریض بستر پر سوتا ہے تو بستر پر لیٹنے سے اس کو اس طرح اجر دیا جاتا ہے جس طرح کہ مصلے کے اوپر کھڑے ہو کر تہجد پڑھنے والے کو اجر دیا جاتا ہے اور جب وہ آدمی اپنی بیماری اور تکلیف کی وجہ سے کروٹ بدلتا ہے تو اس کو اللہ رب العزت کے راستے میں دشمن پر پلٹ پلٹ کر حملے کرنے کا اجر دیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ کی فضیلت:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ یہ پڑھ لے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اسے آیت کریمہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیماری میں اس کو چالیس مرتبہ پڑھ لے تو اگر صحت ملی تو اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک فرما دیں گے اور اگر اس بیماری میں اس کی موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شہداء کی قطار میں کھڑا فرما دیں گے۔

مریض مستجاب الدعوات ہوتا ہے:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب تم عیادت کرنے کے لئے کسی مریض کے پاس

جاؤ تو اس سے اپنے لئے دعا کرواؤ اس لئے کہ مرض کی حالت میں اللہ رب العزت بندے کی دعا کو اس طرح قبول کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے فرشتوں کی دعا کو قبول کر لیا کرتے ہیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کا صبر:

سیدنا ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو مال دیا، اولاد دی، حتیٰ کہ ہر طرح کی نعمتیں دی تھیں۔ شیطان کہنے لگا کہ ان کی ساری عبادتیں اس لئے ہیں کہ ان کو دنیا کا مال و متاع ملا ہوا ہے، ذرا لے کے دیکھیں تو پھر پتہ چلے۔ اللہ رب العزت کے اذن سے ان کا جتنا مال تھا وہ سارا کا سارا کسی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ کہنے لگا، اولاد تو ہے۔ ایسی بیماری آئی کہ ان کی جتنی اولاد تھی وہ ساری کی ساری ان کی آنکھوں کے سامنے فوت ہو گئی۔ شیطان کہنے لگا، صحت تو ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کے جسم پر چیچک کے دانوں کی طرح کے دانے نکال دیئے۔ حتیٰ کہ ان کی زبان اور آنکھوں کے سوا پورا جسم ان دانوں سے بھر گیا۔ وہ دانے اتنے بڑے زخم بن گئے کہ اس میں کیڑے بھی پڑ گئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس بیماری میں اٹھارہ سال گزر گئے۔ اور ہر دن اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے صبر کی وجہ سے ان کے درجات بلند ہوتے، زبان سے شکوہ اور شکایت کی کوئی بات نہ نکلتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی کیڑا جسم کے زخم سے گرتا تھا تو وہ اس کو بھی اٹھا کر واپس رکھ دیتے تھے کہ جب میرے جسم کو اللہ تعالیٰ نے تیری غذا بنایا تو نیچے کیوں گر رہا ہے۔

اٹھارہ سال کے بعد شیطان بہت پریشان ہوا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب بندے ہیں کہ اتنی آزمائشوں میں بھی اپنی زبان سے کوئی بے صبری یا ناشکری کا لفظ نہیں نکالا۔ شیطان کو پریشان دیکھ کر اس کے چیلوں نے اسے کہا کہ میاں! تم نے

جس طرح ان کے جد امجد کو بھول میں ڈالا تھا، کیوں نہ ہم ان پر وہی گر آزمائیں۔ کہنے لگا، ہاں۔ چنانچہ وہ ان کی بیوی کے پاس ایک حکیم اور طبیب کی شکل میں گیا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں تمہیں ایک بات بتانے کے لئے آیا ہوں تاکہ تمہارے میاں کو صحت حاصل ہو جائے۔ وہ خوش ہوئیں، ہر بیوی چاہتی ہے کہ خاوند کو صحت ملے۔ کہنے لگا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے مگر ہمارے ہاں دستور یہ ہے کہ جیسے تم عرش کے خدا کو سجدہ کرتے ہو، ایک دفعہ مجھے بھی سجدہ کرلو تو میں ایک ایسا علاج آزماؤں گا کہ تمہارا خاوند صحت مند ہو جائے گا۔ بیوی نے سنا تو خاموش ہو گئیں۔ کہنے لگیں کہ میں ان کے پاس جاؤں گی اور ان سے پوچھوں گی۔ چنانچہ تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ آپ کے پاس آئیں اور اس نے آ کر پوچھا، حضرت ایوب علیہ السلام کو بڑا غصہ آیا اور فرمایا، تو نے اسی وقت اس مردود کو کیوں نہ کہا کہ تو شیطان ہے، یہ کیوں کہا کہ میں پوچھ کر بتاؤں گی؟ اگر اللہ نے مجھے صحت دی تو میں تجھے سو کوڑے لگاؤں گا کہ تو نے ایمانی غیرت کا مظاہرہ کیوں نہ کیا اور ایسے شیطان مردود کو اسی وقت منہ پر جواب کیوں نہ دے مارا۔ آپ کا جواب سن کر شیطان اور نا امید ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ دو چار سال اور اسی طرح گزریں تو ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری سے پریشان ہو جائیں۔

ایک دن اس نے کیا سنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! میری زندگی کا جو وقت گزرا وہ تو گزر گیا، جب یہ بیماری اور غم تیری ہی طرف سے ہے تو اگر آپ مجھے سو سال کی زندگی بھی دیں گے تو میں سو سال بھی اس حال میں آپ کو فراموش نہیں کروں گا۔ جب شیطان نے یہ سنا تو وہ کہنے لگا کہ واقعی یہ اللہ رب العزت کے وہ مقرب بندے ہیں کہ جن کے اوپر میرا کوئی داؤ نہیں چل سکتا۔

اللہ رب العزت نے پھر اپنے اس پیارے نبی علیہ السلام کو صحت دی۔ بیماری کی حالت میں بیوی کو کہا تھا کہ سو کوڑے لگاؤں گا۔ لہٰذا اب بات بھی پوری کرنی تھی۔

اب اللہ رب العزت نے ان کی بیوی کے اوپر رحم کھایا اور حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا کہ تم درخت کی چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی ٹہنیاں مسواک کے برابر اکٹھی کر لو اور ایک سو کو باندھ کر اس کے جسم پر ایک مرتبہ مارو گے تو ایک سو کوڑے سمجھے جائیں گے۔ یہاں سے ایک بات نکلی کہ جب پروردگار عالم کسی بندے کی غلطی اور کوتاہی کو معاف کرنا چاہتے ہیں تو رب کریم اس کا راستہ خود بتا دیا کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت جب کسی بندے کی بخشش کرنا چاہتے ہیں تو اس کے کراماً کاتبین یعنی جو فرشتے روزانہ بدل رہے ہوتے ہیں نیکی اور برائی لکھنے والے، ان میں سے نیکی کے فرشتے کو تو روزانہ بدلتے رہتے ہیں مگر گناہ کے فرشتے کو نہیں بدلتے۔ وہ وہی فرشتہ رہتا ہے۔ چنانچہ اس کی زندگی میں نیکی کا فرشتہ روزانہ آ کے بدل رہا ہوتا ہے اور گناہوں والا فرشتہ ایک ہی رہتا ہے۔ قیامت کے دن اس بندے کے نامۂ اعمال میں گناہ تو لکھے ہوں گے اور ان گناہوں پہ گواہی دینے کے لئے ایک فرشتہ ہوگا۔ جب کہ اس کی نیکیوں کی گواہی دینے کے لئے جتنے اس کی زندگی کے دن تھے اتنے ہی فرشتے کھڑے ہوں گے۔ رب کریم فرمائیں گے میرے بندے کی نیکیوں پر جب اتنے گواہ ہیں تو میں اس کے گناہوں والے ایک گواہ کو کیسے قبول کر لوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ میں نے بندے کو معاف فرما دیا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کے تین انعامات:

اللہ رب العزت نے سیدنا ایوب علیہ السلام کو فرمایا اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا نِعْمَ الْعَبْدُ میرا کیسا اچھا بندہ تھا اِنَّهٗ اَوَّابٌ وہ میری ہی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ تین باتیں کہیں اور ان کے 18 سال کی تکلیف کا حق ادا کر دیا۔ قیامت تک ان صفات کے ساتھ حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیمار پرسی:

کسی بزرگ کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے ان کی بیماری کے ایام کے بعد پوچھا گیا کہ حضرت! یہ صحت کا زمانہ اچھا ہے یا وہ بیماری کا زمانہ اچھا تھا۔ فرمانے لگے کہ صحت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن ایک بات عجیب ہے کہ جب میں بیمار تھا اور صبح ہوتی تھی تو اللہ رب العزت پوچھتے تھے کہ ایوب تیرا کیا حال ہے؟ مجھے اس بات سے اتنی لذت ملتی تھی کہ پورا دن مجھے تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ جب شام ہوتی تو اللہ تعالیٰ پھر عیادت فرماتے کہ ایوب! تیرا کیا حال ہے؟ اس سے ساری رات مجھے تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بیماری تو چلی گئی لیکن اللہ رب العزت کی عیادت کرنے کا لطف اور مزہ مجھے آج بھی یاد آتا ہے

صبر کسے کہتے ہیں؟

صبر کہتے ہیں کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو انسان زبان سے کوئی خلاف شرع بات نہ نکالے نہ جسم کے دوسرے اعضاء سے کوئی خلاف شرع کام کرے، اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ نہ زبان سے پروردگار کے شکوے کرے، نہ اعمال سے اس کی نافرمانی ہو۔ اگر غم، مصیبت، بیماری اور پریشانی کے باوجود بھی یہ کیفیت ہے تو یہ آدمی صبر کرنے والا کہلائے گا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب ہمیں کوئی اس قسم کی صورتحال پیش آتی ہے تو ہم دوسرے لوگوں سے اس بات کا بدلہ لینے کے لئے خود تل جاتے ہیں۔

بہترین حکمت عملی:

مثال کے طور پر کسی نے کچھ الفاظ کہہ دیئے جو ہمیں ناگوار گزرے، ہم سوچتے

ہیں کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔رشتہ داروں میں کوئی جھگڑے کی بات ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک کی تھی ہم دو کریں گے۔ایسی صورتحال میں اللہ رب العزت ہمیں ہمارے مخالفین کے ساتھ کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ تم جانو تمہارا کام جانے ،اگر تم صبر کرتے تو تمہاری طرف سے بدلہ لینے والا میں ہوتا،اب چونکہ تم نے خود قدم اٹھالیا،اس لئے میں تمہارا معاملہ تمہارے اوپر چھوڑ دیتا ہوں۔اس لئے بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ جب بھی کوئی ایسی بات انسان کو پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

محبوبہ اور محبوب کا بدلہ:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک بزرگ اللہ والے جارہے تھے۔سردی کا موسم تھا، بارش بھی تھی۔سامنے سے میاں بیوی آرہے تھے۔ان بزرگوں کے جوتے سے ایک دو چھینٹیں اڑیں اور عورت کے کپڑوں پر جا گریں۔خاوند نے جب دیکھا تو اسے بڑا غصہ آیا۔کہنے لگا،تو اندھا ہے،تجھے نظر نہیں آتا،تو نے میری بیوی کے کپڑے خراب کرڈالے۔غصے میں آکر اس نے اس اللہ والے کو ایک تھپڑ لگا دیا۔بیوی بڑی خوش ہوئی کہ تم نے میری طرف سے خوب بدلہ لیا۔پھر خوشی خوشی دونوں گھر چلے گئے۔یہ اللہ والے آگے چلے گئے۔تھوڑی دور آگے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حلوائی کی دکان ہے۔حلوائی نے سوچا تھا کہ آج سردی ہے لہذا آج مجھے اللہ کا جو بھی بندہ سب سے پہلا نظر آیا میں اس کو اللہ کے لئے گرم دودھ کا ایک پیالہ ضرور پلاؤں گا۔اب وہ انتظار میں تھا۔یہ بزرگ جب اس کے قریب سے گزرے تو اس نے بلایا،بٹھایا اور گرم گرم دودھ کا پیالہ پیش کیا۔سردی تو تھی ہی سہی۔انہوں نے وہ گرم دودھ کا پیالہ پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔دکان سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا واہ اللہ! تیری شان بھی کتنی عجیب ہے،کہیں تو مجھے تھپڑ لگواتا ہے اور کہیں مجھے گرم دودھ کے پیالے پلواتا ہے۔اتنے میں وہ میاں بیوی اپنے گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔خاوند

سیڑھیوں پہ چڑھ رہا تھا کہ اس کا پاؤں اٹکا، وہ گردن کے بل گرا اور وہیں اس کی موت واقع ہوگئی۔ بیوی نے کہا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ اس بوڑھے نے کہیں اس کے لئے بددعا تو نہیں کر دی۔ لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس نے ایک تھپڑ ہی مارا تھا آپ معاف کر دیتے، آپ نے اس کے لئے بددعا کر دی۔ انہوں نے کہا نہیں میں نے کوئی بددعا نہیں کی۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ اس کو بیوی سے محبت تھی، جب بیوی کو تکلیف پہنچی تو اس نے بدلہ لیا، مجھ سے میرے پروردگار کو محبت تھی جب مجھے تکلیف پہنچی تو میرے پروردگار نے بدلہ لے لیا۔ تو جب انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بدلہ لے لیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے جنگ...... معاذ اللہ!!!

اسی لئے فرمایا مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتَهٗ بِالْحَرْبِ جو میرے ولی سے دشمنی کرے گا میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ ایسا شخص ولی سے دشمنی نہیں کر رہا ہوتا بلکہ اللہ سے جنگ کر رہا ہوتا ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کی پھر اللہ رب العزت اس بندے کی گردن مروڑ دیا کرتے ہیں اور اسے تگنی کا ناچ نچا دیا کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے حاسدین:

یہ سادہ سا اصول ہے کہ دنیا میں جتنے بڑے لوگ گزرے ان کے مخالفین اور حاسدین اتنے ہی زیادہ، نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حاسدین اور مخالفین سب سے زیادہ تھے۔ اسی لئے حاسدین کے حسد سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمائی وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔ سیدہ فاطمۃ الزھراؓ فرماتی تھیں کہ میرے والد گرامی پر اتنی مصیبتیں آئیں کہ اگر وہ مصیبتیں دن کے اوپر آ پڑتیں تو دن بھی رات میں تبدیل ہو جاتا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا صبر:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مخالف تھا۔ اس کو پتہ چلا کہ آپ کے والد کی وفات ہو گئی۔ والدہ بوڑھی تھیں، نوے سال کے قریب عمر ہو گی۔ وہ ایک دن آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ شرع شریف میں حکم ہے کہ تم بیواؤں کا نکاح کر دو۔ تمہاری والدہ چونکہ بیوہ ہو چکی ہیں، میں نے سنا ہے کہ بڑی خوبصورت ہیں، حسینہ و جمیلہ ہیں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ نکاح کروں۔ حضرتؒ نے سنا تو بھانپ گئے۔ فرمانے لگے، بھئی! میری والدہ عاقلہ بالغہ ہیں اور اس عمر کی عورت کو شرعی طور پر اپنا فیصلہ خود کرنے کا اختیار ہوتا ہے، میں ان کے سامنے جا کر بات کر دیتا ہوں۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ حضرتؒ نے اپنے گھر کی طرف جانے کے لئے دو قدم اٹھائے تو کیا دیکھا کہ اس آدمی کے پیٹ کے اندر کوئی درد اٹھا۔ اسی درد کے اندر وہ بندہ گرا اور وہیں پر اس کی موت آ گئی۔ امام اعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ کے صبر نے ایک بندے کی جان لے لی۔

معزز سامعین! صبر کے تین درجات ہیں۔

تائبین کا صبر:

پہلا درجہ تائبین کا ہے۔ اس کا کیا مطلب کہ انسان اپنا غم اور پریشانی دوسروں کو بتانا چھوڑ دے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بیوی خاوند کو نہ بتائے، بیٹا باپ کو نہ بتائے، مریض حکیم کو نہ بتائے۔ نہیں، یہ ضروریات ہیں، ایک ہوتا ہے تذکرۂ احوال

کے لیے بتانا وہ نہیں بتانا چاہیے۔ اس کو بتایا اس کو بتایا، یہ جو ہوتا ہے ناں حالات سنانے کی خاطر بتانا، اس سے منع کیا گیا ہے۔ ورنہ کوئی تکلیف ہے تو ڈاکٹر کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بیٹا باپ کو بتائے کوئی حرج نہیں، بیوی خاوند کو بتائے تو کوئی حرج نہیں۔ آخر بیوی کس کو سنائے گی، اگر اپنے خاوند کو نہ بتائے۔ لیکن جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی زبان پر بات ہی یہی رہتی ہے، جہاں بیٹھے بس جی کیا کریں عجیب مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں، اس قسم کی گفتگو ہمیشہ شکوے میں شامل ہوتی ہے۔ ایسا کہنے والے گویا یوں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

زاہدین کا صبر:

دوسرا درجہ زاہدین کا ہے۔ وہ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس کے اوپر راضی رہے۔ جب بندہ ہر حال میں راضی ہوتا ہے، اچھے حالات ہوں تو بھی راضی ہے، برے حالات ہوں تو بھی راضی، تو وہ زاہدین کا صبر کہلاتا ہے۔ شاعر نے کہا

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
ایں بھی سجن واہ واہ اوں بھی سجن واہ واہ

صدیقین کا صبر:

ایک تیسرا مرتبہ ہے جسے صدیقین کا درجہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ جب بندے پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ پروردگار مجھ سے راضی ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کے روزانہ کھڑی ہوتی ہیں کہ اے اللہ! ہمارے لئے کیا فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فلاں فلاں ظالمین اور مخالفین کے پاس چلی جاؤ، خوشیوں کو ان کے ہاں بھیج دیتے ہیں

۔اس کے بعد فاقے، پریشانیاں اور غم وغیرہ رہ جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اچھا،تم میرے پیاروں کے پاس چلے جاؤ۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو اس پر پریشانیاں اس طرح آئیں گی جیسے پانی ڈھلوان کی طرف تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔نیکی اور دینداری کی زندگی میں یہ پریشانیاں تو آتی ہیں لیکن یہ تھوڑی سی پریشانیاں ہیں۔سو سال، پچاس سال کی زندگی میں دو دن، چار دن کی پریشانی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ جب کہ آگے جا کر ہمیشہ کی زندگی میں اس کا اجر اور ثواب ملے گا۔تاہم اللہ والوں کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوگا تو ہمارے اوپر آزمائش اور ابتلائیں آئیں گی۔

صبر......رفع درجات کا سبب:

بعض اوقات بندہ اپنی عبادات کی وجہ سے اللہ رب العزت کے قرب کے وہ مقامات نہیں پا سکتا جو اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اس کے اوپر کچھ برے حالات بھیج دیتے ہیں۔جب وہ بندہ ان حالات میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر اس بندے کو بلند مقام عطا فرما دیا کرتے ہیں۔چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بیمار آدمی صحت یاب ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔خزاں کے موسم میں درخت کے پتے گرتے ہیں اسی طرح بیمار آدمی کے جسم سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دیا کرتے ہیں۔

پرنم آنکھوں کا بدلہ:

حضرت عبداللہ ابن سلامؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن ہوگا۔حساب کتاب ابھی قائم نہیں ہوگا کہ ایک منادی اعلان کرے گا کہ جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے وہ اپنا حق لے لیں۔اور مخلوق حیران ہوگی کہ اللہ تعالیٰ پر کس کا حق ہے تو وہ پوچھے گی کہ

اللہ تعالیٰ پر حق کس کا ہے؟ تو فرشتہ کہے گا کہ جس بندے کو دنیا میں کوئی غم پہنچا جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اب اس بندے کا اللہ پر حق ہے کہ یہ ان پرنم آنکھوں کا بدلہ اپنے پروردگار سے لے لے۔ چنانچہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے کہ مجھے بھی غم ملا تھا، مجھے بھی غم ملا، میں بھی رویا تھا، میں بھی رویا تھا۔ یوں ان کو اللہ رب العزت اپنی شان کے مطابق اجر دیں گے جو ان کے گناہوں کی بخشش کے لئے کافی ہو جائے گا۔

بلا حساب جنت میں داخلہ:

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابھی میزان عدل قائم نہیں ہوگا کہ ایک فرشتہ اعلان کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں تو صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ فرشتہ ان کو لے کر جنت کی طرف جائے گا اور کہے گا کہ جاؤ۔ وہ صبر کرنے والے سارے کے سارے جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے اور کہیں گے کہ جنت کا دروازہ کھولو اور ہمیں جنت میں داخل ہونے دو۔ اب رضوان جو جنت کا داروغہ ہے وہ حیران ہو کر اللہ تعالیٰ سے پوچھے گا کہ اے اللہ! ابھی تو میزان عدل قائم ہی نہیں ہوا اور یہ آپ کے بندے جنت میں داخلے کے متمنی ہیں۔ اے اللہ! میرے لئے کیا حکم ہے؟ پروردگار فرمائیں گے، میں نے اپنا حکم اپنی کتاب میں نازل فرما دیا تھا کہ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کے ساتھ بلا حساب معاملہ ہے۔ رضوان! جنت کے دروازے کو کھول دے اور صبر کرنے والوں کو بلا حساب جنت میں داخل ہونے دے۔ ان سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے معذرت:

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت ایک بندے کو کھڑا کریں گے۔ یہ وہ بندہ ہوگا کہ جس کا رزق دنیا میں تھوڑا ہوگا، تنگ ہوگا، اور وہ

تنگی کے اوپر صبر اور شکر کے ساتھ وقت گزارے گا۔ اللہ رب العزت اپنے اس بندے سے اس طرح معذرت کریں گے جس طرح دوست اپنے دوست سے معذرت کیا کرتا ہے۔ یوں معذرت فرمائیں گے کہ میرے بندے میں نے دنیا میں تمہیں تھوڑا رزق دیا تھا کوئی بات نہیں، اچھا میں تجھے آج اپنی نعمتیں دیتا ہوں۔ لہذا اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جنتیں عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں غریب لوگوں کی قدر:

جو دنیا میں غربت کی زندگی گزاریں گے وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اور وہاں ایک دن دنیا کے ستر ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ایک سال کتنا لمبا ہوگا؟ اور پانچ سو سال کا عرصہ کتنا ہوگا؟ (یہ ایمان والوں کی بات ہو رہی ہے) دنیا میں ایمان والے غریب لوگ ان ایمان والے امیر لوگوں سے جن کو دنیا میں سکھ اور آسانیوں کی زندگی ملی، اللہ تعالیٰ ان کو پانچ سو سال پہلے جنت عطا فرمائیں گے اور جو بندہ دنیا میں بے صبری کرے گا وہ اپنے اجر کو کھو بیٹھے گا۔

ایک گرانقدر ملفوظ:

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اے دوست! تم غم آنے کے پہلے دن وہی کیا کرو جو لوگ غم آنے کے تیسرے دن کیا کرتے ہیں۔ فرض کرو گھر میں کوئی فوت ہو گیا تو تیسرے دن لوگ کیا کرتے ہیں؟ دعا کر کے اپنے اپنے کاموں میں چلے جاتے ہیں کہ سوگ تو تین تک ہے۔ تو جب تیسرے دن صبر والا کام کرنا ہے تو وہی کام انسان پہلے دن ہی کیوں نہ کر لے تاکہ صبر کا اجر مل جائے۔ یاد رکھئے کہ بے صبری سے مصیبتیں نہیں ٹلا کرتیں البتہ ان مصیبتوں پر ملنے والا اجر ضائع ہو جایا کرتا ہے۔ اس ملنے والے اجر سے انسان محروم ہو جایا کرتا ہے۔

عاملین کے پاس جھرمٹ کی وجہ:

کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ذرا سی کوئی بات ہو تو عورتیں تعویذ لینے کے لئے عاملین کے پاس جاتی ہیں۔ جی ذرا دے دو فلاں کے بارے میں، وہ سمجھتی ہیں کہ ان عاملوں کے پاس جا کر ہم کالا علم کروائیں اور جادو کروالیں تا کہ فلاں کا کاروبار نہ چلے یا ان کی اولاد کی بندش ہو وغیرہ وغیرہ۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا فرمان:

حضرت صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی نے کوئی مصیبت آنے پر بے صبری کی باتیں کیں یا اپنے کپڑوں کو کالا کر لیا، اللہ رب العزت اس کو اتنے گناہ عطا کریں گے جو اس کی ساری زندگی کے سانسوں کے برابر ہوں گے۔

سیدنا عمرؓ کا فرمان:

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی نے مصیبت کے آنے پر بے صبری کی، لوگوں کے سامنے اللہ کی شکایتیں کیں تو اب اللہ رب العزت اس کے نامہ اعمال میں اتنے گناہ لکھوائیں گے جتنا کہ دریائے نیل کے پانی کے قطرے ہوں گے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا فرمان:

حضرت عثمان غنیؓ فرماتے تھے کہ جس نے اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجی ہوئی مصیبت پر بے صبری کا مظاہرہ کیا، کپڑوں کو سیاہ کیا، جزع و فزع کی، اللہ رب العزت اس کے نامہء اعمال میں اتنے گناہ لکھوائیں گے جتنے کہ پوری دنیا کے دن رات شمار کئے جائیں گے۔ تو بے صبری پر نیکی کا اجر بھی ضائع اور الٹا گناہ نامہء اعمال میں لکھے جائیں گے۔

نصرت الٰہی کے لئے ایک سنہری اصول:

محترم جماعت! اگر کوئی آدمی آپ کی مخالفت کر رہا ہے، دشمنی کر رہا ہے یا حسد کر رہا ہے تو آپ اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ عاملوں کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں، کوئی تعویذ گنڈوں کی ضرورت نہیں، اپنے مولا سے تار جوڑ یئے اسی سے مدد مانگئے، معاملے کو اسی کے حوالے کر دیجئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ آپ کی کیسے مدد فرماتا ہے۔

ایک علمی نکتہ:

یہاں ایک علمی نکتہ ہے، شاید سب لوگ تو نہ سمجھ پائیں لیکن علماء اس کو اچھی طرح سمجھیں گے۔ آپ کا مخالف جس طریقے سے آپ کو پریشان کر رہا ہے اور آپ اس کے اوپر صبر کر رہے ہیں اس صبر کی وجہ سے اللہ رب العزت اسی طریقے پر آپ کو سکون اور اطمینان عطا فرمائیں گے۔ جس انداز سے بندے کو غم ملتا ہے اگر وہ صبر کر لے تو اسی انداز سے اس کو خوشی عطا کر دی جاتی ہے۔

پہلی دلیل:

اب اس کی دلیل قرآن پاک سے سنئے کیونکہ جب تک اس کتاب سے بات نہ ہو تو محفل کا مزہ بھی تو نہیں آتا۔ سیدنا موسیٰؑ کی والدہ جب آپ کو دریا میں ڈال رہی تھیں تو پانی دیکھ کر غم ملا تھا۔ واقعی یہ غم کی کیفیت تھی پانی میں بیٹے کو ڈالنے کی وجہ سے ان کے دل میں صدمہ تھا۔ حکم الٰہی تو پورا کر رہی تھیں مگر ماں کی ممتا کوئی اور چیز ہوتی ہے، وہ تو بس میں نہیں ہوتی۔ تو بڑے صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے وہ اپنے بیٹے کو لے جا کر پانی میں ڈال رہی تھیں اور یہ دریا کا پانی ان کے لئے غم اور مصیبت کا سبب بن رہا تھا و اصبح فؤاد ام موسی

فرعون کا اس کا دل اس وقت اتنا پریشان تھا کہ ساری رات پریشانی میں گزار دی۔ جب پانی سبب بنا ان کو پریشانی ملنے کا تو پھر اللہ نے وہ دن بھی دکھایا جب فرعون کو اللہ نے اسی پانی کے اندر غرق کر دیا۔ جو پانی غم کا سبب بنا تھا اسی پانی کو بنی اسرائیل کی نجات کا سبب بنا دیا تھا۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل بھی سنئے تاکہ بات اور مؤکد ہو جائے، مضبوط سے اضبط ہو جائے اور قرآنی اصول سامنے آ جائے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دیکھئے، آپ کے بیٹے آپ کے پاس یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کے آتے ہیں۔ **وَ جَاءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ** روتے ہوئے آ گئے، کہنے لگے کہ ہم نے بھائی کو چھوڑا تھا کہ ہم بھاگیں اور دوڑیں **فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ** اور ان کو تو بھیڑیا کھا گیا۔ یعقوب علیہ السلام کو انہوں نے لباس دکھایا اب وہ قمیص دیکھ کر آپ کے دل کو صدمہ پہنچا۔ ظاہری سبب قمیص بنی مگر آپ نے اس کے اوپر صبر کیا۔ چنانچہ ایک وہ وقت آیا کہ جب سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو بتاتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تخت وتاج عطا فرما دیا، تو پھر آپ نے ایک آدمی کو اپنی قمیص دے کر بھیجا کہ جاؤ میرے والد کو عطا کر دو۔ ان کی رو رو کر بینائی زائل ہو گئی تھی۔ جب یوسفؑ کا قمیص انہوں نے آنکھوں سے لگایا تو اللہ نے بینائی عطا فرما دی اور یوسفؑ کو اپنے والد سے ملا دیا۔ جو قمیص ان کے لئے غم اور مصیبت کا سبب بنا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی قمیص کو ان کی خوشی کا سبب بنا دیا۔

ایک اصول سمجھئے، قرآنی فیصلہ سمجھئے کہ جن اسباب سے انسان کو غم اور مصیبت پہنچتی ہے اگر وہ صبر کر لے گا اللہ رب العزت انہی اسباب پر عزتیں عطا فرما دیں گے۔ تو پھر غمزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کوئی ایسی بات پیش آئے تو انسان پہاڑ کی طرح اپنے دل کو بڑا کر لے اور پھر دیکھے کہ رب کریم کس طرح

مہربانی فرماتے ہیں۔

ہم بدلہ نہ لیں:

عام طور پر ہم کسی بچے پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، حالانکہ سوطرح کی ہمارے اندر خامیاں موجود ہیں تو کیا سوچتے ہیں اس رب کریم کے بارے میں جو اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے، رحیم بھی ہے، رحمان بھی ہے، غفور بھی ہے، عفو بھی ہے، وہ پروردگار اپنے بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ کیسے ڈال دیں گے۔ اس لئے غم اور مصیبت تھوڑے وقت کے لئے آتے تو ہیں مگر بندے کے درجات کو بڑھانے کے لئے آتے ہیں۔ تو صبر کرتے رہئے، دنیا میں بدلہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارا بدلہ لینے والا پروردگار بہت بڑا ہے۔ ہم بدلہ لیں گے تو کیا لے سکتے ہیں، اور اگر پروردگار نے بدلہ لے لیا تو پھر پروردگار کا بدلہ تو پھر دنیا دیکھے گی۔

کچہریوں میں مقدمہ بازی کیوں؟

آج ہماری کچہریاں کیوں بھری پڑی ہیں؟ یہ مقدمے کیوں ہوتے ہیں؟ کچھ بیچارے تو ساری زندگی ہی بدلہ لینے میں گزار دیتے ہیں۔ خاندانوں کے خاندان پریشان رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور ذرا بڑا ہوتا ہے تو ماں بتانا شروع کر دیتی ہے کہ بیٹے تم نے بڑا ہو کر فلاں سے بدلہ لینا ہے۔

پریشانی دور کرنے کا آسان نسخہ:

بنیادی بات سمجھانے کا مقصد کیا ہے کہ عورتیں بجائے اس کے کہ بھاگتی پھریں ان عاملوں کے پاس اور کالے علم والوں کے پاس، جادو والوں کے پاس اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں، اس سے بہتر ہے کہ جب کبھی پریشانی آئے تو اپنے رب کی طرف توجہ کیجئے نفلیں پڑھ لیجئے، رب کریم کے سامنے سر سجدے میں ڈال کے

دعائیں کر لیجیے، فریاد کر لیجیے، آپ مانگیں گے تو پروردگار عطا فرمادیں گے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ایک بچہ جو اپنی ماں سے کچھ پیسے مانگتا ہے اور ماں اسے کہتی ہے کہ ہر وقت تجھے پیسے مانگنے کی عادت ہے، جا دفع ہو میں تجھے نہیں دیتی، وہ بچہ ضد کر لیتا ہے۔ پھر مانگتا ہے، پھر ماں پیچھے ہٹاتی ہے، پھر وہ بچہ مانگتا ہے حتیٰ کہ ماں غصے میں آ کر تھپڑ بھی لگا دیتی ہے۔ وہ رونا شروع کر دیتا ہے پھر ماں کے قریب آتا ہے، پھر مانگتا ہے، پھر ماں دیکھتی ہے کہ میں نے مارا بھی سہی، رو بھی رہا ہے، پھر بھی میرے ہی سینے سے لپٹ رہا ہے، ماں کا غصہ اس کی رحمت میں بدل جاتا ہے اور ماں اس کے کہنے سے بھی زیادہ چیزیں لے کے دے دیتی ہے۔ یہی معاملہ پروردگار کا ہے اگر وہ کبھی بندے کے اوپر کوئی غم اور مصیبت بھیج دیتا ہے اور بندہ پھر بھی اس کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے اسی کے سامنے فریاد کرتا رہتا ہے تو رب کریم فرماتے ہیں کہ یہ بندہ خوشی میں بھی میرا شکر ادا کرتا تھا اور میں نے غم کے حالات بھیجے پھر بھی میری چوکھٹ پکڑ لی، پھر بھی میرے سامنے سجدہ ریز رہا، یہ میرے سامنے دامن پھیلائے بیٹھا ہے، اس نے مجھ سے تار جوڑی ہوئی ہے، یہ غم کسی کو نہیں کہتا، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، تنہائیوں میں میرے سامنے روتا ہے، جب یہ کسی اور کو کچھ نہیں بتاتا مجھے ہی بتا رہا ہے تو یاد رکھ کہ میں پروردگار بڑی شان والا ہوں۔ لہذا پروردگار اس کی دعاؤں کو قبول کر لیتے ہیں اور غموں کو ہٹا کر اسے خوشیاں عطا کر دیتے ہیں۔

اسی لئے صبر کرنے والے کا ہر آنے والا دن اس کے گزرے ہوئے دن سے بہتر ہوا کرتا ہے۔ اور بے صبری کرنے والے کا ہر آنے والا دن اس کے گزرے ہوئے دن سے بدتر ہوا کرتا ہے۔

صبر...... معیت خداوندی کا ذریعہ:

یہ پکی بات ہے اپنے دلوں پر لکھ لیجیے، اللہ رب العزت کو صبر کرنے والوں سے

محبت ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔وہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کرر ہے ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو نصیب ہے۔جس کے ساتھ پروردگار ہوتا ہے پھر کوئی بندہ اس کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔اگر اپنی بات کہنی ہو تو فقط اللہ کے سامنے کہیں۔اس پروردگار نے حالات بھیجے ہیں۔جو بھیجنے والا ہوتا ہے حالات کو واپس بھی وہی لے لیا کرتا ہے۔ہم اس کے در پہ تو جاتے نہیں اور ہم ہر در کے اوپر جا رہے ہوتے ہیں۔در در پر ہاتھ پھیلا رہے ہوتے ہیں،شکوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر رہے ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں اور ان کو بڑا اجر عطا فرمادیتے ہیں۔

بخشش کا عجیب بہانہ:

چنانچہ ایک آدمی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی بیوی بے عقل سی تھی،غلطیاں کر بیٹھتی تھی،کبھی کوئی نقصان کبھی کوئی نقصان۔غصہ تو اس آدمی کو بہت آتا لیکن سوچتا کہ اگر میں نے اسے طلاق دے دی تو یہ بیچاری تو پریشان ہو جائے گی،پھر کون اسے لے گا،چلو اس کی زندگی بھی گزر جائے گی اور میرا بھی وقت گزر جائے گا لہٰذا وہ اس کی غلطیوں کو معاف کر دیتا کہ کوئی بات نہیں اللہ کی بندی ہے۔اسی حال میں زندگی گزار دی۔حتیٰ کہ اس کی وفات ہوگئی مرنے کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ سنایئے آپ کے ساتھ کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا،میں اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا گیا۔اللہ رب العزت نے فرمایا،میرے بندے!تو اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کے معاف کیا کرتا تھا،جا،آج میں نے تجھے اپنا بندہ سمجھ کے معاف کر دیا۔تو دیکھا کہ اللہ رب العزت کس طرح مہربانی فرمادیتے ہیں۔اس لئے غموں پر پریشان نہ ہوا کریں،یہ زندگی کا حصہ ہیں،اگر خوشیاں ہمیشہ نہیں رہتیں تو پھر غم بھی ہمیشہ نہیں رہا کرتے۔

تنگی کے بعد دو آسانیاں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے اور ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ اس کو دو مرتبہ کہا حالانکہ بات تو ایک دفعہ ہی کہہ دینا کافی تھی مگر رب کریم نے دو مرتبہ جو بات کو دہرایا تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی۔ لہذا مفسرین نے لکھا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تنگی کے اوپر بندہ صبر کر لیتا ہے تو اللہ رب العزت ایک تنگی کے بدلے اسے دو آسانیاں عطا فرمایا کرتے ہیں۔ تنگی ایک ہوتی ہے خوشیاں دو مل جاتی ہیں۔ لہذا صبر کیجئے اور اپنی تنگی اور پریشانی کا بدلہ دگنا پا لیجئے

پریشانی اور خوشحالی میں اللہ والوں کی کیفیت:

اللہ والے تو ایسے پریشانی کے حال میں زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

وہ اس کو نہیں دیکھتے کہ پریشانی آئی، یہ دیکھتے ہیں کہ بھیجنے والا کون ہے۔ اس لئے داؤد طائیؒ کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا، کہ اے داؤد! اگر تجھے کسی وقت کھانے میں کوئی سڑی ہوئی سبزی بھی ملے تو دل تنگ نہ کرنا بلکہ اس بات کو سوچنا کہ جب میں نے رزق کو تقسیم کیا تو اے میرے بندے! تو مجھے یاد تھا، میں نے تیری طرف رزق بھیجا، جب بھیجا میں نے ہے تو میں تجھے اس کا بدلہ اور اجر بھی عطا کروں گا۔ اس لئے ایسی باتوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ والوں کے اوپر کوئی ایسی پریشانی غم اور بلا نہ آئے تو وہ تو کئی مرتبہ گھبرایا کرتے ہیں کہ یہ کوئی ہمارے اوپر آزمائش تو نہیں آ گئی۔ وہ ڈرتے اور کانپتے ہیں کہ یہ کوئی امتحان تو نہیں ہے۔ بلکہ ان کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر ان کی امید سے بڑھ کر

آسانی کہیں ملتی ہے تو رونے لگ جاتے ہیں کہ کہیں نیکیوں کا اجر دنیا میں ہی تو نہیں مل رہا۔ اور یہی صحابہؓ کا مزاج تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے پانی مانگا، ان کو شربت پیش کیا گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ کہیں عمرؓ کی نیکیوں کا بدلہ اس کو ا دنیا میں تو نہیں دیا جا رہا۔ اور قیامت کے دن یہ نہ کہہ دیا جائے

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا فَا سْتَمْتَعْتُمْ بِهَا.

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک مرتبہ اپنے غلام سے کہا کہ نزلہ صاف کرنے کے لئے کوئی چیز لاؤ۔ وہ ایک قیمتی کپڑے کا ٹکڑا لایا۔ حضرت ابوہریرہؓ اس کو دیکھ کر رو پڑے کہ کہیں میرے اعمال کا بدلہ مجھے دنیا میں ہی تو نہیں چکایا جا رہا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو دنیا میں خوشیاں ملتی ہیں تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر آزمائش تو نہیں آ گئی۔ اور ان کو اگر کوئی غم ملتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں جس بندے کو دنیا میں غم عطا کروں گا اسے آخرت کی خوشیاں دوں گا اور جسے دنیا کی خوشیاں مل گئیں اس کے بدلے اسے آخرت کے غم عطا کر دیئے جائیں گے۔

گناہوں کا کفارہ:

فرمایا کہ دو خوشیاں اور دو غم کبھی اکٹھے نہیں کروں گا۔ یہ نہیں کہ دنیا میں بھی غم ملیں اور آخرت میں بھی غم ملیں، دنیا کی بھی خوشیاں ملیں اور آخرت کی بھی خوشیاں ملیں۔ نہیں ایک جگہ اگر غم ملیں گے تو دوسری جگہ اللہ تعالیٰ خوشیاں عطا فرمائیں گے۔ اس لئے دنیا میں غم مل جائیں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ تھوڑے وقت کے لئے آئیں گے۔ اور دنیا میں غم بہت زیادہ بھی نہیں آ سکتے۔ آخرت کے غم بہت بڑے ہوں گے اور بہت دراز وقت کے لئے ہوں گے۔ اس لئے دنیا ہی میں غم کے حالات پیش آ جائیں تو

انسان ان کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھے۔ سمجھ لیا کریں کہ میری جو بھی غلطیاں کوتاہیاں تھیں مجھے دنیا میں ہی ان کا بدلہ دے دیا گیا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں گے

ایک صحابیہؓ کی سبق آموز داستان:

ایک صحابیہؓ کا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ان کی شادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن و جمال بھی عجیب دیا تھا اور شادی بھی ہوئی ایک بڑے امیر کبیر صحابیؓ سے کہ جن کے پاس رزق کی فراخی تھی۔ ہر طرح کی عیش و آرام کے سامان تھے۔ میاں بیوی میں خوب محبت تھی اور اچھا وقت گزر رہا تھا۔ حتیٰ کہ بیوی اپنے خاوند کی خدمت بھی کرتی اور انہیں خوش بھی رکھتی۔ دونوں میاں بیوی خوشی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔

ایک رات خاوند کو پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے بیوی سے کہا، مجھے پانی دو۔ بیوی اٹھی اور پانی لے آئی۔ جب پانی لے کے واپس آئی تو خاوند سو چکا تھا۔ وہ پانی کا پیالہ لے کر کھڑی رہی۔ حتیٰ کہ جب ان کی دوبارہ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بیوی پانی لے کر کھڑی ہے۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے اٹھ کر پانی پیا اور بیوی سے کہا، میں آج اتنا خوش ہوں کہ تم اتنی دیر پانی کا پیالہ لے کر میرے انتظار میں کھڑی رہیں۔ آج تم جو کہو گی میں تمہاری فرمائش پوری کروں گا۔ جب خاوند نے یہ کہا تو بیوی کہنے لگی، کیا آپ اپنی بات میں پکے ہیں کہ جو کہوں گی پورا کریں گے؟ کہنے لگے، ہاں پورا کر کے دکھاؤں گا۔ کہنے لگی کہ اچھا پھر آپ مجھے طلاق دے کر فارغ کر دیجئے۔ اب جب طلاق کی بات ہوئی تو وہ صحابی بڑے پریشان ہوئے کہ اتنی خوبصورت، خوب سیرت، اتنی وفادار اور خدمتگار بیوی کہہ رہی ہے کہ آپ مجھے طلاق دے دیجئے۔ پوچھنے لگے، بی بی! کیا تجھے مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے؟ کہنے لگی، بالکل نہیں۔ بی بی! کیا میں نے آپ کی بے قدری کی ہے؟ ہرگز نہیں، کوئی آپ کی امیدوں کو توڑا ہے، کوئی آپ کی بات پوری نہیں کی؟ نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ بی

بی! کیا آپ مجھ سے خفا ہیں؟ کہنے لگی، ہرگز نہیں۔تو پھر مجھ سے طلاق کیوں چاہتی ہو۔کیا آپ مجھے پسند نہیں کرتیں؟ کہنے لگی، یہ بات بھی نہیں، پسند بھی بہت کرتی ہوں، محبت کرتی ہوں، اسی لئے تو خدمت کرتی ہوں۔آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کی بات کو پورا کروں گا لہذا آپ مجھے طلاق دے کر فارغ کر دیں۔وہ صحابیؓ حیران ہیں کہ قول بھی دے بیٹھے۔کہنے لگے اچھا، صبح ہوگی تو ہم نبی علیہ السلام کی خدمت میں جائیں گے۔اور آپ ﷺ سے جا کر فیصلہ کروالیں گے۔وہ کہنے لگی، بہت اچھا۔چنانچہ میاں بیوی رات کو سو گئے۔

صبح ہوئی تو بیوی کہنے لگی کہ چلو جلدی چلتے ہیں۔چنانچہ دونوں میاں بیوی گھر سے نکلے اور چاہتے تھے کہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مسئلہ کا حل دریافت کریں۔ابھی راستے میں ہی تھے کہ خاوند کا کسی وجہ سے پاؤں اٹکا اور وہ نیچے گرے اور ان کے جسم سے خون نکلنے لگا۔بیوی نے فوراً اپنا دوپٹہ پھاڑا اور خاوند کے زخم پر پٹی باندھی۔اس کے بعد اس کو سہارا دیا اور کہنے لگی کہ چلو گھر واپس چلتے ہیں، میں آپ سے طلاق نہیں لیتی۔وہ حیران ہوئے کہ جب تم نے طلاق کا مطالبہ کیا نہ مجھے اس وقت سمجھ آئی اور اب کہتی ہو کہ طلاق نہیں چاہئے تو مجھے اس کی بھی سمجھ نہیں آرہی، کہنے لگی، گھر تشریف لے چلیں وہاں جا کر میں آپ کو بات بتا دوں گی۔

جب گھر جا کر بیٹھے تو کہنے لگے، کہ مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے۔کہنے لگی، آپ ہی نے چند دن پہلے نبی علیہ السلام کی حدیث سنائی تھی کہ جس بندے سے اللہ رب العزت محبت کرتے ہیں اس بندے کے اوپر اس طرح پریشانیاں آتی ہیں جس طرح پانی اونچائی سے ڈھلوان کی طرف جایا کرتا ہے۔میں نے نبی علیہ السلام کا فرمان سنا، میں دل میں سوچتی رہی کہ میں نے آپ کے گھر میں کوئی پریشانی نہیں دیکھی، کوئی غم نہیں دیکھا، کوئی مصیبت نہیں دیکھی، تو میرے دل میں خیال آیا کہ میرے آقا

ﷺ کی بات سچی ہے، ایسا تو نہیں کہ میرے خاوند کے ایمان میں فرق ہو، میرے خاوند کے اعمال میں فرق ہو، میرے خاوند سے اگر پروردگار کو محبت نہیں تو میں اس بندے کی کیا خدمت کروں گی۔ اس لئے جب آپ نے کہا کہ میں تمہاری بات پوری کروں گا تو میں نے کہا کہ میں اس بندے سے طلاق چاہتی ہوں جس سے میرے پروردگار محبت نہیں کرتے۔ پھر جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لئے جارہے تھے، یہ اللہ کا راستہ تھا، آپ گرے اور خون نکلا تو میں فوراً سمجھ گئی کہ آپ کو اللہ کے راستے کا غم پہنچا، مصیبت پہنچی، تکلیف پہنچی، یقیناً اللہ تعالیٰ کو آپ سے پیار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ناراضگی کی وجہ سے خوشیاں نہیں دی ہوئیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے محبت ہے۔ اب مجھے طلاق لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے میں ساری زندگی آپ کی خادمہ بن کر آپ کی خدمت کیا کروں گی، سبحان اللہ۔

لمحہ فکریہ:

سوچ کر حیران ہوتے ہیں کہ ان حضرات کی نگاہ کہاں پہنچا کرتی تھی۔ ہے کوئی عورت جس کی سوچ آج ایسی ہو، ہے کوئی مرد جس کی سوچ آج ایسی ہو، نہیں۔ ہم تو ذرا سی پریشانی ہوتی ہے اور اسی وقت صحیح العقیدہ بندوں کے گھر کا معاملہ دیکھا کہ لے کے کسی بڑے مشرک اور بدعتی کے پاس پہنچے ہوئے ہوں گے۔ ایسے بندے کے پاس پہنچیں گے جو خود بھی جاہل ہوگا اور دوسرے کے ایمان کا بھی جنازہ نکالے گا۔ کئی کہتے ہیں کہ مرغا لاؤ اس کو ذبح کر کے اس کے خون سے تعویذ لکھنے ہیں۔ کئی کہتے ہیں کہ بکرے کا خون لے کے آؤ۔ ایسے عجیب وغریب احوال ہیں کہ میرے دوستو! کہنے کے قابل بھی نہیں۔ اللہ رب العزت ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں غم کے عالم میں صبر کی توفیق عطا فرمائے اور خوشی کے عالم میں اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمین

اسلام اور مغربی معاشرہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامَ o وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ . اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا o سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

امریکہ کا سفر:

فقیر نے امریکہ کی کل 22 ریاستوں میں سفر کیا۔ ایسا بھی ہوا کہ صبح کا پروگرام ایک ریاست میں ہوا، ظہر کا پروگرام دوسری ریاست میں ہوا اور رات کا پروگرام تیسری ریاستمیں ہوا۔ یہاں فیصل آباد کی جماعت کے دوستوں نے مطالبہ کیا کہ وہاں کے مشاہدات وتاثرات ہمیں بھی بتائیں تاکہ تبادلہء خیالات ہو سکے۔ تو فقیر نے کہہ دیا تھا کہ انشاء اللہ کسی ایک محفل میں وہاں کی کچھ تفصیلات عرض کر دی جائیں گی۔ چنانچہ ان دوستوں نے اس عنوان کیلئے اس مسجد کا انتخاب کیا۔ لہٰذا آج مغربی معاشرہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

جدید ٹیکنالوجی

جدید ٹیکنالوجی اس وقت دنیا میں راج کر رہی ہے۔ دنیا کی سپر پاور بنی ہوئی ہے۔ بلکہ اب تو انہوں نے اپنے آپ کو سپریم پاور کہنا شروع کر دیا ہے۔

مٹی سونے کے بھاؤ:

مغرب اب اتنی ٹیکنالوجی حاصل کر چکا ہے کہ وہ اپنی مٹی کو آج سونے کے بھاؤ بیچ رہا ہے۔ ریت کو انگریزی میں سلیکان کہتے ہیں۔ اس سلیکان سے الیکٹرونک کے پرزے، انٹیگریٹڈ سرکٹ اور مائیکرو پراسیسرز بنتے ہیں جو وزن کے حساب سے سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

چاند پر بیٹھی مکھی کی آنکھ کا فوٹو:

مغرب کا دعویٰ ہے کہ ہم زمین پر بیٹھ کر چاند پر بیٹھی ہوئی مکھی کی آنکھ کا فوٹو بھی اتار سکتے ہیں۔ یہ بات واقعی ٹھیک ہے کیونکہ اس عاجز نے وہاں کے عجائب گھروں کو دیکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو آج ٹیکنالوجی میں یہ پوزیشن حاصل ہو چکی ہے کہ یہ کام ان کے لئے آسان ہو چکا ہے۔ چاند جو اپنے مدار میں چلتا ہے اس کی پوزیشن تبدیل ہونے کے لئے مساواتیں ہیں جو چاند کی مداروی حرکت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے چھ ہزار فیکٹر بدلتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود چاند کے مدار کے ہر انچ کو ماپا جا رہا ہے۔

روس امریکہ امن معاہدے کا اظہار:

روس اور امریکہ کے درمیان ایک امن معاہدہ ہوا۔ دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس معاہدہ کو منایا جائے۔ اس مقصد کے لئے روس نے ایک خلائی گاڑی اڑائی اور ایک امریکہ نے۔ خلا میں جا کر دونوں آمنے سامنے آ کر آپس میں اکٹھی جڑ گئیں۔ روسی مشین بند ہو گئی اور امریکی مشین نے اسے چلانا شروع کر دیا۔ اس نے اس کو چلا کر امریکہ میں لا کر اتارا۔

پھر دوبارا ایک ایک گاڑی اڑائی گئی۔ پھر وہ بھی اکٹھی ہو گئیں۔ اب کی بار

امریکن مشین بند ہوگئی اور روسی مشین نے اسے چلاتے ہوئے روس کے اندر جا کر اتارا۔ فقیر نے ان دونوں مشینوں کو جڑا ہوا پڑے دیکھا۔ فقیر حیران تھا کہ ہم لوگوں کو موٹر کی شافٹ پر پلی چڑھانی پڑے تو ہتھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتنی مہارت درکار ہوگی کہ خلاء کے اندر ایک مشین تیر رہی ہے، اس کو آدمی نیچے بیٹھا کنٹرول کر رہا ہے اور وہ مشین ٹھیک ایک دوسرے کے سامنے آ کر جڑ جاتی ہے۔ پھر ان میں سے ایک بند ہو جاتی ہے تو دوسری کا مرکز ثقل تبدیل ہو جاتا ہے مگر وہ اس کو متوازن کرتی ہے اور نئی صورتحال میں اس کو کنڑول کرتے ہوئے واپس لا کر اپنے ملک میں بحفاظت اتار دیتی ہے۔ انجینئر نگ کا پس منظر رکھنے والے حضرات سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ کتنی مہارت کا کام ہے۔

برکلے یونیورسٹی میں کمپیوٹرز کی تعداد:

الیکٹرونکس کی دنیا میں تو ایک تہلکہ مچا ہوا ہے۔ ہر آنے والا دن نئی نئی دریافتیں لے کر آ رہا ہے۔ اور یہ ساری تبدیلیاں ساٹھ کی دہائی کے بعد ہوئی ہیں۔ 1960 میں برکلے یونیورسٹی کیلیفورنیا میں ایک بڑا کمپیوٹر تھا جبکہ ستر کی دہائی میں اس یونیورسٹی میں ستر ہزار P-C Terminals تھے۔ اب آپ سوچیئے کہ جب اتنے لوگ دن رات بیٹھے سکرین پر کام کر رہے ہوں اور انسان اپنے دماغ کو استعمال کر رہے ہوں گے تو پھر مادے کے حقائق کیوں نہیں کھلیں گے۔

جنیٹکس انجینئر نگ کی نئی دریافتیں:

جنیٹکس انجینئر نگ کے اندر اس وقت ایسی ایسی چیزیں سامنے آ رہی ہیں کہ انسان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ سویڈن کے اندر ایک درخت اگایا گیا جس کی تین مختلف شاخوں پر تین مختلف پھل لگے ہوئے تھے۔ یہ کتنی

حیرت انگیز بات ہے۔

دراصل جب بھی کوئی چیز پرورش پاتی ہے اس کے خلیے کا ایک DNA ڈی این اے ضابطہ ہوا کرتا ہے۔ DNA کے اندر RCGT ڈنڈوں سے بنی ہوئی سیڑھی ہوتی ہے۔ جس میں اس کی نشوونما کے مخصوص پیغامات موجود ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آدمی ہی کو لیجئے۔ سب کی دو آنکھیں ہوتی ہیں، کسی کی تین یا چار آنکھیں نہیں ہوتیں۔ سب کے ناک اور کان ایک ہی جگہ پر ہوتے ہیں کسی اور جگہوں پر نہیں ہوتے۔ سب کے چہروں کا رخ سامنے کی جانب ہوتا ہے۔ ہر چیز جو اپنی اپنی جگہ پر اپنی اپنی شکل میں پیدا ہو رہی ہے اس کو وہی ضابطہ پیچھے سے کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس کوڈ کو آج انسان نے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ جنیٹکس انجینئرنگ آنے والے وقت میں بڑی عجیب تبدیلیاں سامنے لائے گی۔

تسخیر کائنات کی طرف اشارہ:

اللہ رب العزت نے چودہ سال پہلے فرمادیا تھا کہ وَسَخَّرَ لَكُمْ اور ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان میں ہے۔ اس فرمان کے مصداق انسان کے اندر تسخیر کائنات کی طاقت موجود ہے۔ وہ اللہ کا نائب، اللہ کا خلیفہ اور اللہ رب العزت کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے گا تو ان چیزوں کا سمجھنا اس کے لئے مشکل نہ رہے گا۔

پیٹ کھولے بغیر آپریشن:

میڈیکل کی لائن میں آج نت نئی ریسرچ سامنے آ رہی ہے۔ ایک دلچسپ اضافہ آپریشن کی نئی ٹیکنالوجی ہے۔ السرز وغیرہ کے لئے آج کسی انسان کے پیٹ کو کھولنا نہیں پڑتا۔ بلکہ ایک طرف سے انجکشن کی سوئی کے برابر تار اندر ڈالتے ہیں

جس میں ایک کیمرہ فٹ ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک سوراخ کر کے اس میں اپنے آلات ڈال کر ٹی وی سکرین کے اوپر اندر کا فوٹو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح پیٹ کے اندر ہی اپریشن کرتے ہیں، پیٹ کے اندر ہی اس کے ٹانکے لگاتے ہیں اور اس مریض کو اپریشن کے چند منٹ کے بعد گھر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ وہ آپریشن جو پہلے ۶ گھنٹے تک جاری رہتے تھے اور مہینوں ایک انسان بستر پر رہا کرتا تھا، خون کی کئی کئی بوتلیں دی جاتی تھیں، آج ان کا طریقہ کار اتنا بدل چکا ہے کہ آپریشن کے بعد وہ آدمی ہسپتال میں رہنے کی بجائے اپنے گھر میں چلا جاتا ہے۔

بغیر آپریشن پھیپھڑے سے گولی نکالنا:

سعودی عرب میں ایک نوجوان اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر شکار کرنے کے لئے جنگل میں گیا۔ اس کے پاس ائرگن بھی تھی۔ اس نے بھولے سے ایک شرہ اپنے منہ میں ڈال لیا، وہ شرہ اس کے گلے کے راستے ہوا کی نالی میں چلا گیا۔ اور وہاں سے سیدھا پھیپھڑوں میں جا پہنچا۔ وہ شکار سے واپس آیا تو اس نے اپنے گھر میں سے کسی کو اس کے بارے میں نہ بتایا۔

کچھ دنوں کے بعد نوجوان کو کھانسی اور بخار ہو گیا۔ قریب کے ڈاکٹروں سے علاج کروایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے پھیپھڑوں میں دھات کی بنی ہوئی کوئی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔

ان کو بتایا گیا کہ جدہ میں ایک ڈاکٹر صاحب آپریشن کے بغیر یہ شرہ نکال دیں گے۔ چنانچہ وہ جدہ میں اس ڈاکٹر صاحب کے پاس چلے گئے۔ اس نے ایک باریک سی تار لی اور منہ کے راستے اس تار کو اس ڈاکٹر نے اندر داخل کر دیا۔ اس تار کے سرے پر بہت ہی چھوٹے سائز میں ایک کیمرہ لگا ہوا تھا۔ جو ساتھ پڑے ہوئے ایک

ٹی وی سیٹ میں پھیپھڑے کے اندر سے تصویر پیش کر رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ناک کے ذریعے ایک اور تار اس کے پھیپھڑے میں داخل کی۔ ٹی وی پر اس کی تصویر آتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ بھی اس شرہ کے قریب پہنچ گئی۔ اس دوسری تار کے ذریعے اس ڈاکٹر صاحب نے اندر سے شرہ کو نکال لیا۔ یوں آپریشن کے بغیر ہی اس کے پھیپھڑے سے شرہ نکال کر اسے اسی وقت گھر بھیج دیا گیا

یورپین لوگوں کا دعوٰی:

فقیر آپ کو مغربی معاشرے کا تعارف کروا رہا ہے تاکہ جو لوگ وہاں نہیں گئے ان کے ذہن میں یہ تصور بن جائے کہ فقیر کس سوسائٹی کی بات کر رہا ہے۔ وہاں پر نظام بہت ہی مضبوط اور ٹھوس بنا دیا گیا ہے۔ وہ دعوٰی کرتے ہیں کہ ہمارا ملک Country of freedom اور Country of Justice ہے۔ اور واقعی وہاں کے لوگوں کو اپنے قانون کے مطابق انصاف مہیا کرتے ہیں۔ اس لئے وہاں کے لوگ مطمئن ہوتے ہیں۔ لوگ دفتروں میں کام کرنے کی نیت سے جاتے ہیں اور کام کر کے واپس آتے ہیں۔

شہوت پرستی کا زور:

اگر آپ یورپ میں جا کر دیکھیں تو ان کی بے ایمانی اور ذاتی زندگی کی چند بڑی برائیوں کے علاوہ کچھ معاشرتی خرابی نظر نہیں آئے گی۔ وہ برائیاں کہ جن کا تعلق نفسانیت کے ساتھ ہے کہ انسان ہمیشہ شہوت پرست اور نفس پرست ثابت ہوا ہے۔ چونکہ نفس چاہتا ہے کہ مجھے اپنی خواہشات کے معاملہ میں مکمل اجازت ہو۔ لہٰذا عورت کی بے پردگی، اس کے ساتھ ناجائز تعلقات، موسیقی، شراب اور اس سے متعلقہ چند چیزیں جن کا محور عورت ہو، خرابیاں آپ کو وہاں عام نظر آئیں گی۔ کیونکہ ان کا

قانون ان کو اجازت دیتا ہے۔

مغربی معاشرے کی مثبت پہلو

اس کے علاوہ آپ اگر ان کی اجتماعی زندگی میں غور کریں تو حیران کن حد تک وہاں پر اسلامی اصول وضوابط نظر آئیں گے۔ مثلاً انصاف کے بارے میں حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ تم کفر کے ساتھ تو حکومت چلا سکتے ہو مگر ظلم کے ساتھ حکومت نہیں چلا سکتے۔ اور وہاں پر ہر بندے کو انصاف ہوتا نظر آتا ہے۔ جس مقدمے کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اس کی پیروی حکومت کرتی ہے۔ ارے! یہ عدل وانصاف تو ہمیں خلفائے راشدین کے دور میں نظر آتا تھا۔

سویڈن کے وزیراعظم کا استعفیٰ:

آپ حیران ہوں گے کہ سویڈن کے وزیراعظم نے کہا کہ اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ میں اب قوم کی امیدوں پر پورا اترنے کے قابل نہیں رہا، میں اتنی محنت نہیں کر پا رہا جتنی کرنی چاہئے تھی لہٰذا میں آئندہ سال مستعفی ہو جاؤں گا۔ اب پوری قوم کہہ رہی ہے کہ آپ مستعفی نہ ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنے منصب کے ساتھ انصاف نہیں کر رہا۔ پورا سال لوگ اسے کہتے رہے کہ آپ مستعفی نہ ہوں مگر سال گزرنے کے بعد اس نے استعفیٰ دے دیا۔

اپوزیشن لیڈر کی نااہلی کا عجیب واقعہ:

جب اس نے استعفیٰ دے دیا تو نئے وزیراعظم کے چناؤ کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ اپوزیشن لیڈر ایک عورت تھی۔ اس کو نامزد کیا گیا۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والی عورت تھی۔ اس کی زندگی کے تمام امور کو پرکھنے

کے لئے سکریننگ کی گئی تاکہ پتہ چلے کہ وہ اس منصب پر فائز ہونے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔

سکریننگ کے دوران ایک بات سامنے آئی کہ اس عورت کو اپوزیشن لیڈر ہونے کی حیثیت سے ایک کریڈٹ کارڈ ملا ہوا تھا۔ وہ ایک مرتبہ اپنے بچے کو لے کر کسی سٹور پر گئی مگر اپنا ذاتی کریڈٹ کارڈ گھر بھول گئی۔ بچے نے ضد کی کہ مجھے کھلونا لے کر دیں۔ اس نے اسے 300 مارک کا کھلونا لے کر دیا۔ پاکستانی کرنسی کے مطابق تقریباً 2500 روپے بنتے ہیں۔ اور جیسے ہی وہ گھر آئی تو اس نے آتے ہی اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے اتنے پیسے اس اکاؤنٹ میں منتقل کر دیئے۔ سٹور سے گھر آنے تک تقریباً دو گھنٹے لگے ہوں گے۔

یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔ گو اس نے پیسے ادا بھی کر دیئے تھے مگر سکریننگ کرنے والوں نے کہا کہ قوم کی اپوزیشن لیڈر تھی۔ اس کو اپنے منصب کی وجہ سے کارڈ ملا تھا، یہ تو سرکاری کام کے لئے تھا۔ اگر یہ 300 مارک کو اپنی ضروریات کے لئے استعمال کر سکتی ہے تو اسے اگر کل وزیر اعظم بنائیں گے تو یہ تو معلوم نہیں کہ کیا کچھ اپنی ذات کے لئے استعمال کرے گی۔ صرف اس وجہ سے اس کو نااہل قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ جب وہ رقم واپس کر رہی تھی اس وقت اسے پتہ بھی نہیں تھا کہ کل کو میری یہ بات کسی کو معلوم ہوگی یا نہیں ہوگی۔

ارکان پارلیمنٹ کی معذرت:

جب اس کو نااہل قرار دے دیا گیا تو پھر کوئی آدمی اپنے آپ کو وزیر اعظم بننے کے لئے پیش کرنے کو تیار نہیں تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ آج کے دور میں یہ سویڈن دنیا کا واحد ملک ہے جہاں پر ایک سال تک پارلیمنٹ میں سے ہر ایک کو دعوت دیتے رہے کہ کوئی اپنے آپ کو وزیر اعظم بننے کے لئے پیش کرے مگر کوئی

بھی پیش نہیں کرتا تھا۔ ایک کہتا کہ آپ وزیر اعظم بن جائیں، دوسرا کہتا کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ میں نے جب یہ بات سنی تو مجھے اپنے بڑوں کا وقت یاد آ گیا کہ جب ان پر ذمہ داری رکھی جاتی تو وہ فرماتے تھے کہ میں تو اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔

یورپ میں معاشرتی حقوق کا خیال:

وہاں جا کر آپ کو اسلام کے اصول وضوابط عملی شکل میں نظر آئیں گے۔ گو ان کو انہوں نے اسلام کا نام نہیں دیا ہوا مگر یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے یہ چیزیں اسلام سے مستعار لی ہوئی ہیں۔ لہٰذا آپ اگر وہاں کسی آبادی میں جا کر رہیں تو پڑوسی کے جو حقوق ایک مسلمان معاشرے میں ہونے چاہئیں وہ حقوق آپ کو سو فیصد اس ماحول کے اندر ملیں گے۔ اس لئے یہاں سے جانے والے لوگوں کو وہ سوسائٹی بڑی اچھی لگتی ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے بعض دوست وہاں فقیر سے یہ سوال پوچھنے لگے کہ قرآن پاک میں جس جنت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہیں وہ اسی معاشرے کے بارے میں تو نہیں کہا گیا۔ فقیر نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں نے جنت کو کیا سمجھا ہوا ہے۔

مغربی معاشرے میں اگرچہ آپ کی کوئی سفارش نہیں ہے اور آپ نے کسی دفتر میں فون کرنا ہے یا خود جانا ہے تو ہر بندہ آپ سے پوچھے گا **Can I help you?** کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ وہاں آپ کو فائل کو چلنے کے لئے پیسے نہیں لگانا پڑیں گے۔ بلکہ ہر کام اپنے ضابطے کے مطابق ہوگا۔

وہاں کے سرکاری اداروں میں لوگ اس طرح تندہی سے کام کرتے ہیں جس طرح لوگ پرائیویٹ اداروں میں کام کرتے ہیں۔ کوئی آدمی دفتر میں بیٹھ کر اپنے گھر کے معاملات کے لئے ٹیلیفون نہیں کرے گا۔ کوئی آدمی دفتر کے پتے پر اپنے گھر کی ڈاک نہیں منگوائے گا۔ کام کا مطلب کام ہی سمجھا جائے گا۔

اگر معاشرے میں لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو یوں سمجھئے کہ حکومت بیت المال سے وہ چیز دے دیتی ہے۔ وہاں پر انسانی حقوق کی اتنی پاسداری ہے کہ آج کے مسلمان ممالک کے لوگ بھی اپنے ملکوں کو چھوڑ کر وہاں جا کر رہنا پسند کرتے ہیں۔

وہاں پر انصاف کے حصول کے لئے پنچائیت کا سسٹم رائج ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ معاشرے میں سے تجربہ کار لوگوں کو چن کر ان کی جیوری بٹھا دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے پیش ہو کر اپنے مقدمہ بیان کرو۔ وہاں پر جج کو اپنی پولیس رکھنے کا اختیار ہوتا ہے اور ہر مقدمے کا ایک بجٹ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی مرضی کے آدمی رکھ کر خود اس مقدمے کی تحقیقات کروا سکتا ہے تاکہ انصاف والے کو انصاف ملے۔ تو وہاں پر یہ عجیب بات دیکھی کہ وہاں پر اسلام نظر آتا ہے مگر مسلمان بہت کم ہیں جبکہ یہاں پر مسلمان نظر آتے ہیں اور اسلام بہت کم ہے، جس کی وجہ سے وہاں لوگ مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ محنت کرتے ہیں اور ان کو ان کی محنت کا پھل ملتا ہے۔ اسی وجہ سے آج وہ دنیا میں رہبری کرر ہے ہیں۔ آج پوری دنیا میں ان کا سکہ چل رہا ہے۔ اس کا سکہ آج پوری دنیا میں ریفرنس بنا ہوا ہے۔ ان کے سکے کے ریفرنس کی بناہ پر دنیا کے تمام ممالک اپنی کرنسی کو تولتے ہیں۔

اندرون و بیرون ملک میں سیاسی امتیاز:

بیرونی دنیا کے ساتھ وہ سیاست میں اپنی ناانصافی کو بھی انصاف کہتے پھریں تو یہ ان کی اپنی مرضی ہے۔ ان کے سیاستدانوں کا پوری دنیا میں اور اپنے ملک میں کیا رویہ ہوتا ہے۔ بہت فرق نظر آتا ہے۔ تاہم اپنے ملک کی حد تک انہوں نے لوگوں کو مطمئن رکھا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ کام بھی کرتے ہیں اور قریب رہتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال بھی کرتے ہیں۔

تعلیمی اخراجات:

مغربی معاشرہ ایک پڑھا لکھا معاشرہ ہے۔ وہاں پر 99.9% تعلیم ہے۔ کیونکہ وہاں تعلیم کے شعبہ پر بہت زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔اس حد تک کہ ان کے لئے جو کنڈر گارٹن کے سکول بنے ہوئے ہیں وہ ہمارے ہاں کی یونیورسٹیوں سے بھی بعض معاملات میں زیادہ Advance (آگے) ہوتے ہیں۔ بلکہ جدھر بھی چلے جائیں آپ کو یوں لگے گا کہ ملک کے ایک ایک انچ کو انہوں نے ترقی یافتہ بنایا ہوا ہے۔ آپ کو پورے ملک میں عدم توجہی کا شکار شاید ہی کوئی نظر آئے گا۔

روس کی ایک عجیب شکایت:

یہ ایجوکیشن کے وہ ادارے ہیں جہاں سے طلباء نکلتے ہیں تو پھر وہ ملک کے اندر کام کرتے ہیں۔ روس نے آج سے آٹھ نو سال پہلے یہی تو شکایت کی تھی کہ میں امریکہ سے تو نمٹ لوں کہ یہ کیا ہے مگر اس کی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے بڑا تنگ ہوں۔ ہر دن میں وہاں پر ایک نئی ریسرچ ہو رہی ہے۔ کیونکہ وہاں پر لاکھوں با صلاحیت لوگ بیٹھے تحقیق کرر ہے ہوتے ہیں،ان سائنسی تحقیقات نے میری ناک میں دم کرر کھا ہے۔

بچوں کی تربیت:

وہ لوگ اپنی اولاد کی تربیت کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔فقیر کو ایک مرتبہ پیرس سے نیو یارک جانا تھا۔ جب فلائیٹ پر بیٹھا تو فقیر کے بالکل ساتھ والی کرسی پر ایک نوجوان لڑکی آکر بیٹھی تو اس نے آتے ہی اپنی تہذیب کے مطابق فقیر سے ہیلو ہائے کیا۔اس نے پوچھا،آپ کہاں سے ہیں فقیر نے کہا میں پاکستانی ہوں۔اس نے بھی بتایا کہ میں اپنے خاوند کے پاس نیو یارک جارہی ہوں۔فقیر کے پاس ایک

کتاب تھی فقیر نے وہ کتاب پڑھنا شروع کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ایئر ہوسٹس نے کھانا لگایا۔ فقیر نے کھانے سے معذرت کر لی، کیونکہ پتہ تھا کہ یہ کھانا پیرس میں بنایا گیا ہے، معلوم نہیں کہ کس طرح کا پکا ہوا ہے اور کیسا نہیں۔ احتیاط اسی میں ہوتی ہے کہ انسان کے پاس اپنا کچھ ہو جس سے وہ سفر کے اندر اپنا گزر اوقات کر سکے۔

اس لڑکی نے اپنے سامنے میز پر کھانا لگوا لیا۔ چونکہ وہ بالکل ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی اس لئے فقیر کو اس کی حرکات وسکنات کا پتہ چل رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے بچی کو گود میں بٹھایا۔ اور چمچ میں چاول لے کر اپنے منہ میں ڈالے۔ چھوٹی بچی نے آواز دی کہ !Mom یعنی وہ چاہ رہی تھی کہ مجھے بھی دیں۔ جب اس بچی نے کہا تب ماں نے چمچ میں تھوڑے سے چاول لئے اور بچی کے منہ میں ڈالے۔ جب بچی نے کھا لئے تو ماں نے کہا، .Say, thank you (کہو آپ کا شکریہ) وہ چھوٹی سی بچی ماں کو کہتی ہے .Mom! thank you پھر ماں نے کھانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچی نے پھر اشارہ کیا۔ اب اس نے پھر چمچ میں چاول لے کر اس کے منہ میں ڈالے اور پھر کہا .Say! thank you (کہو، آپ کا شکریہ)۔ وہ ایک ایک چمچ بیٹی کو دیتی رہی اور ہر چمچ پر .Thank you کا لفظ کہلواتی رہی۔

اسی دوران کچھ چاول ماں کے کپڑوں پر گر گئے۔ بیٹی نے دیکھا تو اشارہ کر کے کہنے لگی !Mom ماں نے ٹشو پیپر سے اس کپڑے کو صاف کیا اور صاف کرنے کے بعد اب ماں اپنی بیٹی کو کہہ رہی ہے .Thank you کھانے کے دوران اس ماں نے اپنی بیٹی سے تقریباً 36 مرتبہ .Thank you کا لفظ کہلوایا۔ اب بتایئے کہ شکریہ ادا کرنے کی یہ عادت اس بچی کی گھٹی میں پڑ جائے گی یا نہیں۔

میرے دوستو! یہ تعلیم تو اسلام نے ہمیں دی تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا

نہیں کرتا۔مگر آج ہے کوئی ماں جو اپنے بیٹے کو شکریہ ادا کرنے کی عادت ڈال دے۔ اسی لئے جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماں باپ نے جتنے جتن کاٹے ہیں وہ تو انہوں نے کرنا ہی تھا۔ بڑا بھائی چھوٹے کے لئے کتنی ہی قربانیاں دے دے ،چھوٹا بھائی بڑے بھائی کو کبھی شکریہ کا لفظ نہیں کہے گا۔

نظم وضبط:

فقیر واشنگٹن میں کئی منزلہ عمارت میں ٹھہرا ہوا تھا۔اس عمارت کے قریب ایک گراؤنڈ تھا۔وہاں ٹھیک 6:45 بجے بچوں کی ایک سکول وین آتی۔ جب کہ بچے اس گراؤنڈ میں 6:30 بجے آجاتے۔چونکہ بچے ہر جگہ بچے ہی ہوتے ہیں،اس لئے وہ پندرہ منٹ پہلے آکر اپنے بستے پھینکتے اور کھیلنا شروع کر دیتے۔کوئی بھاگ رہا ہے، کوئی دوڑ رہا ہے،کوئی گر رہا ہے،کوئی گرا رہا ہے۔

ٹھیک 6:45 بجے وین ڈرائیور آکر بریک لگاتا اور بریک لگانے کے بعد ہارن دیتا۔اس کا ہارن سن کر فقیر گھڑی دیکھتا تو پورے پونے سات بجے کا وقت ہوتا۔فقیر کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھتا۔ہارن کی آواز سنتے ہی ان بچوں میں معلوم نہیں کہ کوئی اور انسان بیدار ہو جاتا تھا کہ وہ سب کے سب اپنے بستے لیتے اور گاڑی کے سامنے بالکل سیدھی لائن بنا کر کھڑے ہو جاتے۔کنڈیکٹر، والدین اور اساتذہ میں سے کوئی بھی پاس نہ ہوتا مگر وہ اتنے تربیت یافتہ تھے کہ بالکل سیدھی لائن بنا کر کھڑے ہو جاتے۔چھوٹے قد کا بچہ سب سے پہلے کھڑا ہوتا،اس کے بعد اس سے بڑے قد کا، پھر اس کے بعد اس سے بڑے قد کا۔حتیٰ کہ جو سب سے بڑا اکڑیل اور لحیم وشحیم ہوتا وہ سب سے آخر میں کھڑا ہوتا۔جب ڈرائیور دیکھتا کہ تمام لڑکے ایک لائن میں کھڑے ہو گئے ہیں تو وہ گھنٹی بجاتا اور کہتا First یعنی پہلے بچے کو سوار ہونے کے لئے آواز دیتا۔پہلا بچہ سوار ہو کر اپنی پسند کی سیٹ پر بیٹھ جاتا۔ڈرائیور پھر کہتا، Next تو دوسرا

بچہ سیٹ پر بیٹھ جاتا۔ وہ ہر بار Next,Next کہتا رہتا اور بچے ایک ایک کر کے سیٹ پر بیٹھتے چلے جاتے۔ جب وہ سیٹ بائی سیٹ بیٹھ جاتے تو ڈرائیور دروازہ بند کرتا اور چلا جاتا۔

فقیر کافی دیر سوچتا رہتا کہ اس قدر نظم و ضبط والے معاشرے کو شکست دینا کتنا مشکل کام ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں ہمارے لوگوں میں سے اوسط سے ذرا اوپر والے لوگ ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ ان کو بورڈنگ پاس مل چکے ہوتے ہیں، سیٹ نمبر مل چکا ہوتا ہے، لاؤنج میں بیٹھے ہوتے ہیں، ادھر سے اعلان ہوتا ہے کہ تشریف لے آئیں تو ادھر دروازے پر وہ اودھم مچا دیا جاتا ہے کہ عورتیں بیچاری پیچھے کھڑی رہتی ہیں۔ حالانکہ ہر بندے کو معلوم ہوتا ہے کہ فلائیٹ والے مجھے لئے بغیر فلائیٹ نہیں چلائیں گے۔ حتیٰ کہ ٹائلٹ سے بھی جا کر ڈھونڈیں گے کہ بندہ کدھر غائب ہے مگر اس کے باوجود ہمارے اندر اتنی بھی تحمل مزاجی نہیں ہوتی کہ ہم لیڈیز کو پہلے سوار ہونے دیں، چند منٹ ذرا پیچھے کھڑے ہو جائیں کہ میرے دوسرے مسلمان بھائی مجھ سے پہلے چلے جائیں۔ جب فقیر موازنہ کرتا ہے تو حیرانی ہوتی ہے۔

بہر حال یہ یورپی معاشرہ کے مثبت پہلو ہیں۔ مثبت پہلو خواہ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے ہی کیوں نہ ہوں وہ تسلیم کرنا پڑتے ہیں۔ تاہم اس سوسائٹی کے کئی منفی پہلو بھی ہیں۔

مغربی معاشرے کے منفی پہلو

ماں باپ کی زبوں حالی:

وہاں پر ساری ٹیکنالوجی کے باوجود گھریلو زندگی سکون سے خالی ہے۔ اکثر بچے 18 سال کی عمر کے منتظر رہتے ہیں۔ 18 سال گزرنے کے بعد اپنے والدین کو الوداع

کہہ دیتے ہیں۔ 18 سال کے بعد بچوں اور ماں باپ کے درمیان تعلقکو درست رکھنے کے لئے اس سوسائٹی میں کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ سارے سال میں ایک Mother-day منایا جاتا ہے۔ اس دن بچے جہاں کہیں ہوں وہ ماں کو خط لکھ دیتے ہیں یاماں کو تحفہ بھیج دیتے ہیں۔ وہ تحفہ بھیج کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ماں کا حق ادا کر دیا ہے۔

ایک لڑکی واشنگٹن میں رہتی ہے۔ اس کے ماں باپ بھی واشنگٹن میں رہتے ہیں مگر وہ کہتی ہے کہ پچھلے سات سال سے مجھے اپنے ماں باپ سے ملنے یا بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے کہ 18 سال کی عمر کے بعد بچوں کے اندر جوانی کا طوفان ہوتا ہے۔ اور وہ جوانی کے کاموں میں اتنا مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان کو دنیا میں کسی کی پروا ہ نہیں ہوتی۔ بوڑھے والدین کو اس وقت اپنے بچوں کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اس سوسائٹی کا سب سے کمزور ترین نقطہ ہے۔ گھر جتنی چیزوں سے بھی بھر جائے، انسان تو گوشت کا بنا ہوا ہے، اس کے دل میں جذبات بھی ہیں، لہٰذا والدین کو جو سکون اولاد سے مل سکتا ہے بھلا وہ لوہے اور سونے چاندی کی بنی ہوئی چیزوں سے کہاں مل سکتا ہے۔

حکومت نے اس طرح کے لاوارث بوڑھے ماں باپ کی خبر گیری کے لئے بوڑھے لوگوں کے لئے گھر بنائے ہوئے ہیں۔ وہاں پر بہترین انتظامات کئے جاتے ہیں۔ مگر وہاں پر سب بوڑھے ہوتے ہیں، کوئی بھی جوان یا چھوٹا بچہ نہیں ہوتا جو ان کا دل بہلائے۔ لہٰذا بوڑھوں کے گھروں میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد ان کا دل اکتانا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات وہ پسند کرتے ہیں کہ ہمیں زہر کا ٹیکہ لگا دیا جائے۔

سویڈن میں طلاق کی شرح:

سویڈن اتنا امیر ملک ہے کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کا بجٹ نفع والا

ہوتا ہے جبکہ ہمارے ملک کا بجٹ خسارے والا ہوتا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ پیسے آئیں گے کہاں سے اور وہ سوچتے ہیں کہ پیسے لگائیں گے کہاں پہ۔ سویڈن کی ایک کمپنی کے ڈائریکٹر نے مجھے بتایا کہ اگر پوری قوم کام کرنا چھوڑ دے اور جس طرح عیش وعشرت میں وقت گزار رہے ہیں گزارتے رہیں تو حکومت ان کو 6 سال تک کھلا سکتی ہے۔ جس کے پاس نوکری نہیں ہوتی اس کو 2000 کرونا ماہانہ الاؤنس ملتا ہے۔ گھر نہیں ہے تو سوشل سیکیورٹی والے گھر لے کر دیتے ہیں۔ بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کروایا جاتا ہے۔ اب ان کا روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ تو حل ہو گیا، اس کے بعد انسان کی خواہشات رہ گئیں، شہوات رہ گئیں۔ اس سلسلہ میں وہ جنسی اعتبار سے آزاد ملک کہلاتا ہے۔ کون کس کے ساتھ رہتا ہے، کب رہتا ہے، کیوں رہتا ہے، کسی کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ مسئلہ بھی ان کا حل ہو گیا۔ اب ان کے لئے ظاہری طور پر کا کوئی مسئلہ موجود نہیں ہے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سویڈن میں خودکشی کی شرح پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اور وہاں 70% عورتوں کو طلاق ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ذہنی پریشانی ہوتی ہے۔

میاں بیوی میں محبت کی کمی:

35 سال کی ہمراہی کے باوجود میاں بیوی میں محبت پیدا نہیں ہوتی، وفاداری کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ معمولی سی بات پر خاوند کہتا ہے۔ .I don,t care بیوی بھی کہتی ہے۔ .I don,t care۔ اب خاوند نے بیگ سنبھالا اور ادھر کا راستہ لیا اور بیوی نے بیگ سنبھالا اور ادھر کا راستہ لیا۔ 35 سال اکٹھا رہنے کے باوجود بیوی اپنا کماتی ہے اور خاوند اپنا کماتا ہے۔ اور باورچی خانے کے لئے خرچہ دونوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ راستے میں جاتے ہوئے اگر خاوند کے

پاس سگریٹ ختم ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی بیوی سے ادھار مانگتا ہے جو کہ بعد میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر بیوی کے پاس سگریٹ ختم ہو جاتے ہیں تو وہ خاوند سے ادھار مانگتی ہے بعد میں اسے بھی واپس کرنا پڑتے ہیں۔ اس سوسائٹی میں ایثار کا تو تصور ہی نہیں ہے، بس کہتے ہیں کہ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے، کیا خوب سودا نقد ہے۔ اتنی ٹیکنالوجی کے باوجود ان کے دلوں کے اندر وہ محبتیں، وہ ایثار اور وہ وفائیں پیدا نہیں ہوتیں جو آج بداعمالیوں کے باوجود ہمارے معاشرے میں میاں بیوی کے اندر موجود ہیں۔

اسلام کی برکت:

یہ اسلام کی برکت ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا **لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا** اگر آپ دنیا میں جو کچھ ہے خرچ کر دیتے آپ ان کے دلوں میں محبتیں پیدا نہیں کر سکتے **وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ** یہ تو اللہ نے ان کے دلوں میں محبتیں پیدا کر دی ہیں۔ یہ دین اسلام کی برکت ہے کہ آج اتنے مسائل ہونے کے باوجود، اتنے پریشر ہونے کے باوجود، اتنے مسائل ہونے کے باوجود آج گھر کے افراد کے اندر پھر بھی محبت کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد میں محبت ہوتی ہے۔ بیٹا پردیس میں جاتا ہے تو بوڑھی ماں منتظر رہتی ہے، راتوں کو اٹھ کر دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** بے شک جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے **سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا** اللہ رب العزت ان کے دلوں کے اندر محبتیں پیدا کر دیں گے۔ یہ محبتیں اور ایثار مغربی سوسائٹی میں رہنے والے لوگوں کیلئے خواب ہے۔ ان کو ظاہر میں یہ نعمتیں نہیں ملتیں۔

اولاد کے بارے میں تصور:

ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ میں ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ میرے بالکل

قریب ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ اپنے ہی کاموں میں مشغول رہے۔ کچھ دیر کے بعد فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھ سے ہیلو ہائے کیا۔ میں نے ان سے پوچھا، How many kids have you ? کہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟ تو وہ دونوں میاں بیوی جواب دینے لگے کہ We would like to have a dog. کہ ہم بچوں کی بجائے گھر میں کتا پالنا پسند کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا اور ان سے پوچھا، بھئی! آپ کتا پالنا کیوں پسند کریں گے؟ کہنے لگے، اس لئے کہ وہ بچوں سے زیادہ وفادار ہوتا ہے۔ جب ماں باپ کا اولاد کے بارے میں یہ تصور ہے تو اولاد کا ماں باپ کے بارے میں کیا تصور ہوگا۔ چنانچہ اولاد ذرا بڑی ہوتی ہے تو ماں باپ کو سامنے کہہ دیتی ہے۔

You enjoyed your life and now let me enjoy my life.

کہ آپ نے اپنی زندگی کے مزے لئے اب ہمیں اپنی زندگی سے لطف اندوز ہونے دیں۔ ان کے دلوں میں اتنی بے مروتی نظر آتی ہے جیسے خون بالکل سفید ہو گئے ہیں۔

ایک بوڑھی عورت کی کسمپرسی:

میرے ایک دوست کہنے لگے کہ میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ ایک نوے سال سے زیادہ عمر کی بوڑھی عورت مجھے کہنے لگی، کیا آپ مسلمان ہیں؟ میں نے کہا ہاں، میں مسلمان ہوں۔ کہنے لگی کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان وعدے کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں بڑے پابند ہوتے ہیں۔ کہنے لگی، کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کر سکتے ہو؟ میں نے کہا، جی مجھے بتائیں کہ میں کیا وعدہ کروں۔ کہنے لگی، بس آپ مجھ سے وعدہ کریں پھر میں آپ کو بتاؤں گی۔ میں نے کہا کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ

کیا وعدہ لینا ہے۔ کہنے لگی کہ وعدہ یہ لینا ہے کہ آپ امریکہ میں جہاں کہیں بھی ہوں روزانہ پانچ منٹ کے لئے مجھے Collect call کر دیا کریں۔ Collect call ایسے ٹیلیفون کو کہتے ہیں کہ آپ ٹیلیفون سے کسی آدمی کو فون کریں مگر بل آپ کی بجائے اس بندے کو آئے گا جس کو ٹیلیفون کیا جا رہا ہے۔ گویا وہ کہہ رہی تھی کہ بل میں ادا کروں گی۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ کیا آپ کے بچے نہیں ہیں؟ کہنے لگی کہ بچے تو ہیں مگر ان کے پاس مجھے ملنے کے لئے ٹائم ہی نہیں ہے۔ میرا بہت بڑا گھر ہے، مجھے اتنی پنشن ملتی ہے، مجھے خرچ کی پروا نہیں۔ مگر میں اپنے بچوں کو یاد کرتی ہوں اور اتنے بڑے گھر میں سارا دن اکیلی رہتی ہوں جس کی وجہ سے اب میری صحت بھی خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر آپ مجھے کال کرنے کا وعدہ کریں تو ۲۴ گھنٹوں میں مجھے انتظار رہے گا کہ کبھی نہ کبھی میرے فون کی گھنٹی تو بجے گی۔ میں یہی سمجھوں گی کہ امریکہ میں کوئی بندہ تو میرے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ اس طرح آپ کے فون کے انتظار میں مجھے سارا دن جینے کے لئے ایک طاقت مل جائے گی۔

اب بتائیے کہ جس ماں کی اسی ملک میں اولاد بھی موجود ہے، وہ ماں پانچ منٹ کے لئے کسی سے بات کرنے کو ترستی پھرتی ہے۔ یہ اس سوسائٹی کا سب سے کمزور پہلو ہے۔

کتا افضل ہے یا ماں......!!!

امریکہ کی ایک ریاست میں ایک ماں نے اپنے بیٹے کے خلاف مقدمہ کیا۔ وہ مقدمہ اخبارات کی بھی زینت بنا اور ٹی وی میں بھی اس کی تفصیل آئی۔ ماں نے مقدمہ یہ کیا کہ میرے بیٹے نے گھر میں کتا پالا ہوا ہے اور یہ روزانہ تین چار گھنٹے اس کتے کے ساتھ صرف کرتا ہے، یہ اسے نہلاتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے، اس کو اپنے ساتھ ٹہلنے کے لئے بھی لے جاتا ہے، وہ اپنے کتے کو روزانہ سیر بھی کرواتا

ہے، اسے کھلاتا پلاتا بھی ہے۔ میں بھی اسی گھر کے دوسرے کمرے میں رہتی ہوں لیکن یہ میرے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے بھی نہیں آتا۔ اس لئے عدالت کو چاہئے کہ وہ میرے بیٹے کو پابند کرے کہ وہ روزانہ ایک مرتبہ میرے کمرے میں آیا کرے۔

جب ماں نے مقدمہ کیا تو بیٹے نے بھی مقدمہ لڑنے کے لئے تیاری کر لی۔ ماں نے بھی وکیل بنا لیا اور بیٹے نے بھی وکیل بنا لیا۔ جب دونوں کے وکیل جج صاحب کے سامنے پیش ہوئے تو جج صاحب نے مقدمہ کی سماعت کے بعد فیصلہ دیا کہ عدالت آپ کے بیٹے کو آپ کے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے آنے پر مجبور نہیں کر سکتی کیونکہ مقامی قانون ہے کہ جب اولاد ۱۸ سال کی عمر کو پہنچ جائے، اس کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو چاہے تو کچھ وقت دے یا بالکل علیحدگی اختیار کر لے۔ رہی بات کتے کی تو کتے کے اس کے اوپر حقوق ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ البتہ اگر ماں کو کوئی تکلیف ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حکومت سے رابطہ کرے، وہ اسے بوڑھوں کے گھر میں لے جائیں گے اور وہاں جا کر اس کی خبر گیری کریں گے۔ اب بتائیے کہ جہاں ماں اور بیٹے کا یہ تعلق ہوگا وہاں پر زندگی سکون سے کیسے گزرے گی؟

جرمنی میں بیٹی سے باپ کی بدسلوکی:

ہمارے ایک پروفیسر ہمیں انجینئرنگ کا ایک مضمون پڑھا رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے جرمنی سے ایک کورس کیا۔ جس آفس میں کام کرتا تھا اس آفس میں میرے ساتھ والے کاؤنٹر پر ایک لڑکی بیٹھتی تھی۔ ایک دن وہ دیر سے آفس میں پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ پریشان سی لگ رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا کوئی مشکل درپیش ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں اپنے والد کے مکان میں رہتی تھی۔ میرے والد مجھ سے بہت زیادہ کرایہ وصول کرتے تھے کچھ دنوں سے کسی آدمی نے ان کو زیادہ کرایہ Offer کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ یا تو تم بھی

کرایہ بڑھاؤ یا پھر میں دوسرے آدمی کے ساتھ معاملہ طے کرلوں گا۔ میں نے کہا کہ میری سالانہ ترقی آنے والی ہے، اس کے بعد میں زیادہ کرایہ دینا شروع کر دوں گی مگر وہ دو روز پہلے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے اس آدمی سے بات چیت کرلی ہے لہٰذا تم اپنے لئے جگہ کا بندوبست کرلو۔ مجھے نئے مکان کا بندوبست کر کے اپنا سامان شفٹ کرنا پڑا جس کی وجہ سے میں آج تھکی ہوئی اور پریشان حالت میں دفتر پہنچی ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں بیٹی کا مقام:

ایک مغربی معاشرہ ہے جہاں باپ اور بیٹی میں یہ محبت ہے اور دوسری طرف اسلام کی برکتیں دیکھئے کہ ہماری نالائقیوں اور بدعملیوں کے باوجود آج بھی یہاں باپ اور بیٹی میں اتنی محبتیں ہیں کہ باپ اپنی بیٹی کے لئے اپنے دل کو نکال کر طشتری میں رکھنے کے لئے تیار ہو جائے۔ میرے دوستو! میں جب کبھی وہ مناظر دیکھتا ہوں جب کوئی بیٹی اپنے گھر سے شادی کے وقت رخصت ہو رہی ہوتی ہے۔ باپ اپنی بیٹی کو اپنی زندگی کی ساری کمائی تو پیش کر چکا ہوتا ہے پھر اس موقع پر باپ کی آنکھوں سے آنسو بھی آرہے ہوتے ہیں، ماں بھی رو رہی ہوتی ہے، بھائی اور بہنیں بھی رو رہی ہوتی ہیں۔ وہ منظر بتاتا ہے کہ دلوں میں محبتیں باقی ہیں۔ اتنا پیار دنیا میں کسی بیٹی کو کہاں نصیب ہوگا جو آج اسلام کی برکت سے ایک باپ اپنی بیٹی کو پیش کر رہا ہوتا ہے۔ یہاں باپ اور بیٹی میں اللہ نے یہ محبت رکھ دی ہے اور وہاں باپ اور بیٹی کا وہ تعلق ہے۔ اب دونوں کے درمیان فرق کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ساری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان آج اپنے من میں اندھیرا لئے پھرتا ہے۔ساری دنیا کو روشنیاں دینے والا انسان آج اندر کی بستی میں اندھیرے کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی
زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی
کائنات ماہ و انجم دیکھنے کے شوق میں
اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

محبتیں ہی تو انسان کی زندگی ہے۔ جہاں یہ محبت و پیار نہ ہو وہاں کی اتنی ٹیکنالوجی کس کام کی ہوگی۔ یہ محبتیں پیدا کرنے کے لئے ایک دن ان کو اسلام کے دامن میں آنا پڑے گا۔

ماں کی عظمت:

آپ خود سوچئے کہ وہ ماں جس نے بیٹے کو جنم دیا، جس نے اپنی گود میں بچے کی پرورش کی، جو بچے کے لئے راتوں کو جاگتی رہی، جس نے بچے کو اتنی قربانیوں کے ساتھ پال کر بڑا کیا، وہ ماں کی ممتا اپنے بچے کے لئے کتنا اداس ہوتی ہوگی۔ ماں کے دل میں بچے کی کتنی محبت ہوتی ہے؟ اس کو ماپنے کے لئے آج تک کوئی پیمانہ نہ بن سکا۔ ماں کی ممتا وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائیوں کو کوئی نہیں ماپ سکتا۔ ماں کی ممتا وہ ہمالیہ پہاڑ ہے جس کی بلندیوں کو آج تک کوئی نہ پہچان سکا۔ یہ ماں ہی جانتی ہے کہ اولاد کے لئے اس کا دل کتنا تڑپ رہا ہوتا ہے۔ مگر اس معاشرہ میں جب یہی ماں بوڑھی ہوتی ہے اور بچہ جوان ہوتا ہے تو بچے کے پاس فرصت نہیں ہوتی کہ وہ ماں کی بات کا جواب دے سکے۔

لمحہ فکریہ:

اے احسان فراموش بیٹے! تو اپنی اس ماں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتا ہے جس نے تجھے جنم دیا، جس نے تیری پرورش کی اور جس نے تیرا سایہ بن کر زندگی گزاری۔ آج وہ تجھ سے بات کرنے کو ترستی ہے اور تو کہتا ہے کہ میرے پاس فرصت نہیں۔ حیف ہے تیری جوانی پر، افسوس ہے تیری زندگی پر کہ تو اپنی ماں کے لئے دل میں آج اتنی محبت بھی نہیں رکھتا۔ ارے! ماں تو وہ ماں تھی جو تجھے اپنے ہاتھ سے جوتا پہناتی تھی، آج تو اس کے لئے جوتے سیدھے نہیں کر سکتا۔ ارے! بچپن میں وہ تجھے پہلے کھلاتی تھی بعد میں خود کھاتی تھی، پہلے تجھے پلاتی تھی اور بعد میں خود پیتی تھی، پہلے تجھے سلاتی تھی بعد میں خود سوتی تھی۔ کیا اس کی وفاؤں کا آج یہی صلہ ہے کہ تمہیں اپنی جوانی کا نشہ اپنی ماں کے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے بھی نہیں آنے دیتا۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس نے اپنی ماں یا اپنے باپ کے چہرے پر محبت اور عقیدت کی ایک نظر ڈالی اللہ رب العزت اس کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ ایک جگہ تو ماں باپ کے بارے میں یہ تصور پیش کیا جا رہا ہے اور دوسری جگہ پر 18 سال کے بعد ماں باپ اپنی اولاد سے کچھ توقع نہیں رکھ سکتے۔

فرنگیوں سے ایک سوال:

فقیر نے وہاں بڑی بڑی محفلوں میں کہا کہ یہ پڑھی لکھی سوسائٹی مجھے ایک سوال کا جواب دے کہ ایک لڑکی جو غیر تھی، جو کسی اور گھر میں پلی بڑھی، جوان ہوئی، آج وہ اس لڑکے کے ساتھ آ کر رہنے لگ گئی ہے، یہاں کا قانون اس لڑکی کے لئے تمام حقوق تسلیم کرتا ہے اور وہ ماں جس نے اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھا، جو صحت کے باوجود مریضہ بن کر زندگی گزارتی رہی، ان نو مہینوں میں وہ اپنی پسند کا کھانا بھی نہیں کھا

سکتی تھی، پسندیدہ چیزوں کی مہک اسے بری معلوم ہوتی تھی، اس کو صحت کے باوجود کمزوری محسوس ہوتی تھی، وہ اپنے خون سے تیری نشوونما کرتی تھی، وہ تجھے اپنی گود میں ڈال کر تیرے چہرے پر محبت کی نظر ڈالا کرتی تھی، یہاں کا قانون ۱۸ سال کے بعد اس ماں کے لئے کوئی حقوق تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی کوئی دلیل بنتی ہے؟

فقیر نے یہ سوال مختلف محفلوں میں پوچھا مگر ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر فقیر نے کہا کہ ہمارے مذہب میں دیکھئے، بیوی کے اپنے حقوق ہیں مگر ماں کے اپنے حقوق ہیں۔ ماں کو اپنی حیثیت دی گئی ہے اور بیوی کو اپنی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو ان سوسائٹی کو بالآخر ایک نہ ایک دن تسلیم کرنا پڑے گی۔

فرنگیوں کا قبول اسلام:

بلکہ ابھی یہ پوزیشن ہے کہ جب وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بخوشی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں کے نکاح کو ہوتے ہوئے دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں، مسلمانوں کی ازدواجی زندگی میں پیار و محبت دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ یہ پہلو ہمارے پاس سب سے زیادہ مضبوط ہے، جسے ایک دن دنیا طلب کرے گی اور انہیں محمد عربی ﷺ کے دروازے پر آنا ہوگا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

پرسکون زندگی کا راز:

امریکہ میں مجھے ایک کمپنی کا ڈائریکٹر ملا۔ وہ پی، ایچ، ڈی تھا۔ کہنے لگا، میں بھی پاکستان گیا ہوں اور میں نے وہاں ایک عجیب بات دیکھی۔ میں نے کہا، بتاؤ، وہ

کونسی؟ کہنے لگا، وہاں کے بارے میں دو باتیں کرتا ہوں

Pakistan is a country where car and the camel share the same road.

یعنی پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں کار اور اونٹ ایک ہی سڑک پر چلتے ہیں۔ میں نے کہا، واقعی آپ ٹھیک بات کر رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا، میں ایک دوسری بات بھی کرتا ہوں۔ میں نے کہا، وہ کیا؟ کہنے لگا، میں نے وہاں غریب لوگوں کو دیکھا، ان کے کپڑے پھٹے پرانے ہوتے تھے، ان کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں کھانا بھی ٹھیک نہیں ملتا، ان کے پاس نہانے کے لئے چیزیں بھی پوری طرح نہیں، ان کے گھر کا معیار اتنا اچھا نہیں، لیکن میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ ان کے چہروں پر سکون ہوتا تھا، کھڑے ہوتے تھے تو بالکل سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ میں جتنے لوگوں سے پوچھتا تھا وہ سب کے سب رات کو میٹھی نیند سوتے تھے۔ کہنے لگا، مجھے یہ بتائیں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ اسلام کی برکت ہے

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

الحمدللہ یہ دین کی برکت ہے کہ آج ہمارے غربا بھی اپنے گھروں میں آرام کی نیند سوتے ہیں جب کہ ان ملکوں کے امراء بھی اپنے گھروں میں آرام کی نیند نہیں سو پاتے۔ یہ ہمارے پاس ایک مثبت پہلو ہے۔

محبت ہی محبت ہوگی:

میرے عزیز دوستو! ان محبتوں کو سلامت رکھئے۔ ان حقوق کا خیال کیجئے جو اسلام نے ہم پر لاگو کیے ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسا سسٹم دیا ہے کہ اگر ہم اس کے مطابق زندگی گزاریں گے تو زوجین میں محبت ہوگی، اولاد اور

ماں باپ میں محبت ہوگی، بھائی بھائی میں محبت ہوگی، پڑوسی پڑوسی میں محبت ہوگی۔ گویا اللہ رب العزت ہمیں ایک ایسا معاشرہ دیں گے جہاں ہر طرف محبتیں ہی محبتیں نظر آئیں گی۔

اسلام میں ایثار کی درخشندہ مثال:

اسلام اپنی تاریخ میں ایثار و محبت کے ایسے ایسے واقعات پیش کر سکتا ہے جن کے بارے میں آج کی دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کیا جنگ یرموک کا واقعہ یاد نہیں ہے کہ ایک صاحب شہید ہونے والے ہیں، تڑپ رہے ہیں، **العطش العطش** (پیاس، پیاس) پکار رہے ہیں۔ ان کا چچازاد بھائی پانی لے کر جاتا ہے۔ دوسری طرف سے آواز آتی ہے تو وہ اپنے ہونٹ کو بند کر لیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے کہ میری بجائے میرے بھائی کو پانی دیا جائے۔ ادھر جاتے ہیں تو تیسری طرف سے آواز آتی ہے۔ وہ بھی ہونٹ بند کر لیتے ہیں اور تیسری طرف بھیج دیتے ہیں۔ جب تیسری جگہ جاتے ہیں تو وہ آدمی فوت ہو جاتا ہے۔ فوراً لوٹ کر دوسرے کے پاس آتے ہیں وہ بھی فوت ہو چکے ہوتے ہیں، پھر جب لوٹ کر پہلے کے پاس آتے ہیں تو دیکھا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ یوں اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی تعلیمات اسلام نے دی ہیں۔ پوری دنیا اپنی ٹیکنالوجی کے باوجود یہ مثالیں کبھی بھی پیش نہیں کر سکتی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق گزاریں تاکہ کفر کی دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقتیں کھل سکیں، اسلام کی حقانیت ان کے سامنے آجائے اور وہ سارے کے سارے اسلام کے دامن میں داخل ہو جائیں۔ آج مسلمانوں کی بے عملی کی وجہ سے کفار اسلام میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں۔

ایک مسلمان سفیر کی بدحالی:

فقیر نے ایک مرتبہ واشنگٹن میں بیان کیا، جس میں وہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ

آئے ہوئے تھے، وہاں پر بیان کے بعد ایک صاحب فقیر کے پاس آئے۔ وہ ایک مسلمان ملک کے ایمبیسیڈر رہے تھے۔ گلے ملے اور رونا شروع کر دیا۔ فقیر نے ان کو تسلی دی۔ کافی دیر کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ میں مسلمان ملک کا ایمبیسیڈر بن کر یہاں رہا لیکن میری زندگی اسلام سے اتنی دور تھی کہ میرے گھر کا ماحول اچھا نہ تھا۔ میرے دو بیٹے ہیں اور ان دونوں نے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کر لی ہے اور میری ایک بیٹی نے بھی غیر مسلم لڑکے سے شادی کر لی ہے۔

انگریز لڑکیوں سے شادی:

ایسا بھی ہوا کہ لوگ یہاں سے گئے تو نام محمد تھا مگر وہاں جا کر اپنے آپ کو مہمٹ کہلوانا شروع کر دیا۔ ایسا بھی ہوا کہ یہاں سے گئے تو بچوں کے نام محمد اور احمد رکھے ہوئے تھے اور وہاں جا کر انگریز لڑکیوں سے شادی کر لی اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں میں سے ایک کا نام **Bill** ہے، دوسرے کا نام **Bob** اور تیسرے کا نام **Bush** ہے۔

مسجد کے مینار یا راکٹ لانچر......!!!

ایک صاحب لاہور کے رہنے والے تھے۔ وہ امریکہ گئے اور وہاں سے لوٹ کر کئی سالوں کے بعد واپس آئے۔ ان کے بچے وہیں پلے بڑھے۔ وہ اپنے بچوں کو لاہور میں گاڑی میں لے کر جا رہے تھے۔ جب حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے سامنے سے گزرنے لگے تو وہاں ان کو مسجد کے بڑے بڑے ستون نظر آئے۔ وہ بچے اسلام سے اتنے نابلد تھے کہ ان میناروں کو دیکھ کر کہنے لگے،

Dad, why these Rocket Lonchers have been fitted right in the center of the city?

ابا جان! شہر کے بالکل درمیان میں یہ راکٹ لانچر کیوں فٹ کر دیئے گئے ہیں؟

یہ وہاں پر مسلمانوں کی اولادوں کا معاملہ تھا۔

نمازیوں کے لئے پریشانی:

1960ء کی دہائی میں مسلمانوں کے لئے اپنا تشخص برقرار رکھنا بہت مشکل کام تھا۔حتیٰ کہ ایک دعوت میں اکٹھے ہوتے تو وہاں پر شراب عام پی جاتی تھی۔اور اگر کسی نے نماز پڑھنا ہوتی تو اس میں جرات نہیں ہوتی تھی۔لہذا چپکے سے ٹائلٹ جانے کے بہانے وہ وضو کرتا اور گھر کے سٹور کے اندر جا کر چھپ کر نماز پڑھتا۔پھر اپنی ٹائی اور کپڑوں کو ٹھیک کر کے باہر نکلتا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ تم یہاں آ کر بھی کیسے کام کرتے ہو۔یہ مسلمانوں کی دعوتوں کا حال تھا۔

امریکہ میں اسلامک سنٹرز کا قیام:

پھر ایک ردعمل ہوا۔لوگوں نے چرچ کرائے پر لینا شروع کر دیے،اپنی زمینیں خریدنا شروع کر دیں،اسلامک سنٹرز بنانا شروع کر دیئے۔چنانچہ 1980ء کی دہائی میں تیزی کے ساتھ اسلامک سنٹرز بننا شروع ہو گئے۔ان میں سنڈے سکول لگنے لگ گئے۔اتوار کے دن قرآن پاک کی تعلیم دی جانے لگ گئی۔چنانچہ اسلام کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔

مسلمان نوجوانوں کی سرگرمیاں:

اب 1990ء کی دہائی میں وہاں پر کافی تبدیلی نظر آ رہی ہے۔بعض شہروں میں مسلمانوں نے اپنے کالج بنا لئے ہیں بلکہ شکاگو کے اندر مسلمانوں نے دو یونیورسٹیاں بنا لی ہیں۔اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوا۔فقیر نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز شکاگو یونیورسٹی میں پڑھی۔وہاں کے طلباء کو ''سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس'' کے عنوان پر خطاب کیا۔الحمدللہ کہ وہاں پر کئی طلباء بیعت ہوئے۔اس کے بعد ان کی زندگیوں میں بہت

زیادہ تبدیلی آئی۔ان کی حیران کن قربانیاں دیکھیں۔فقیر ایک مسجد میں گیا۔وہاں ظہر کی نماز میں تقریباً ۱۵۰ نوجوان ، بچے اور بوڑھے نمازی موجود تھے۔فقیر نے ایک صاحب سے پوچھا،کیا یہ کوئی خاص موقع ہے کہ امریکہ کے ماحول میں ۱۵۰ آدمی موجود ہیں۔ کہنے لگا،نہیں بلکہ یہاں پر سکول اور کالج مسلمانوں کے اپنے ہیں۔ ہمارے بچے مسلمان استادوں کے ہاتھوں تعلیم پاتے ہیں۔اور وہ ان کو مسلمان بنا کر ہی تعلیم دیتے ہیں۔لہٰذا ان نوجوانوں کے چہروں پر آپ نور دیکھیں گے اور وہ پانچ وقت کے نمازی نظر آئیں گے۔ چنانچہ فقیر نے دیکھا کہ عین جوانی کے عالم میں انہوں نے داڑھی کی سنت پر عمل کیا ہوا تھا،بعض نے عمامہ باندھا ہوا تھا۔ان میں سے بعض نے مل کر یوتھ گروپ بنایا ہوا ہے، وہ آپس میں درس قرآن دیتے ہیں۔ان نوجوانوں کی سرگرمیوں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔الحمدللہ جب یہ نوجوان بڑے ہوں گے تو یہ وہاں پر اپنے وجود کا ثبوت پیش کریں گے۔نہ صرف شکاگو میں ہی بلکہ جارجیا،اٹلانٹا میں بھی سکول بن چکے ہیں، واشنگٹن میں بھی اب ایک ادارے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے،کیلیفورنیا میں بھی ایک یونیورسٹی بن گئی ہے،جس سے آئندہ مسلمان نسل مسلمان بن کر آسانی سے زندگی گزار سکے گی۔

الحمدللہ وہاں اتنی تبدیلی آ چکی ہے کہ اب یہ نوجوان وہاں کے مقامی لوگوں سے اسلام کے بارے میں بات کرتے ہیں اور ایک ایک نوجوان آٹھ آٹھ دس دس نوجوانوں کے مسلمان بننے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

ایک انگریز نوجوان کا قبول اسلام:

فقیر کو ایک نوجوان ملا۔اور کہنے لگا، میں کل اپنے ایک دوست کو لاؤں گا وہ کافر ماں باپ کا بیٹا ہے، میں اس سے کئی دن سے اسلام کے بارے میں بات کر رہا تھا، اب اس نے کلمہ پڑھنا ہے، آپ مجھے بتا دیجئے کہ آپ کب وقت دیں گے۔تاکہ وہ

آ کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو سکے۔ فقیر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ فقیر نے کہا، بچہ! وہ دن میں آئے یا رات میں آئے، اگر کلمہ پڑھنا چاہتا ہے تو فقیر اس کے لئے ہر وقت کی قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہاں کے بچے آج دین کے نمائندے بن کر زندگی گزار رہے ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہاں پر مساجد بنانے سے زیادہ ان سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا قائم کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ نماز تو سکول اور کالج کے کسی بھی کمرے میں پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ مسجد کا کبھی بھی رخ نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے وہاں کے مقامی سکولز اور کالجز میں جانا ہے آپ جو کچھ مسجد میں بتائیں گے سکول اور کالج والے اس پر پانی پھیر دیں گے۔ الحمدللہ کہ وہاں کی صورتحال کے مطابق ضرورت پوری ہوگئی ہے۔

ایک زریں اصول:

ایک اصول یاد رکھئے کہ استاد اگر کافر ہوگا تو وہ شاگرد کو قرآن پڑھا کر بھی کافر بنا دے گا اور اگر استاد مسلمان ہوگا تو وہ انجیل پڑھا کر بھی شاگرد کو مسلمان بنا دے گا۔ یہ استاد پر منحصر ہے۔

ایک نوجوان کا قبول اسلام:

فقیر کے ایک دوست میڈیکل ڈاکٹر تھے۔ ان کا ایک بہت ہی ذہین بیٹا تھا۔ جو بہت عبادت گزار تھا۔ اسے ہر سال عمرہ کرنے کا شوق تھا۔ ماں کو بھی عمرہ کے لئے لے جاتا اور دوسرے فیملی ممبرز کو بھی، اکثر اسلام کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ دہریہ بن گیا۔ اس کے والد جب اسے فقیر کے پاس لے کر آئے تو کہنے لگے، جی یہ لڑکا اب بالکل دہریہ ہے، یہ دین اسلام کو تو مانتا ہی نہیں۔

فقیر نے اسے بٹھایا اور اس سے پوچھا، معاملہ کیا بنا؟ اس نے کہا کہ میں آپ کو سیدھی اور صاف بات بتاتا ہوں۔ میرا ٹیچر ایک غیر مسلم تھا۔ اس نے مجھے پہلے تو

یہودیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر میں مائل نہ ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہودی تو بنا نہیں اور بڑا پکا مسلمان ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھے ڈارون کی تھیوری پڑھانا شروع کر دی۔ اس نے ڈارون تھیوری کی آڑ میں مجھے ایسا پریشان کر دیا کہ میں دہریہ بن گیا۔

فقیر نے کہا کہ آپ کے ذہن میں جو سوالات ہیں وہ پوچھئے، ہمارے پاس اگلی نماز تک کے لئے تین گھنٹے ہیں۔ اس نے ڈارون تھیوری بیان کرنا شروع کر دی۔ پھر اس کے بعد اس کے بارے میں سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ الحمدللہ فقیر اس کو جواب دیتا رہا۔ ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرتا رہا اور توجہات بھی دیتا رہا۔ تین گھنٹے وقت دیا ہوا تھا مگر اللہ رب العزت نے ایسی مہربانی فرمائی کہ ٹھیک ۵۰ منٹ کے بعد وہ کہنے لگا کہ مجھے کلمہ پڑھا کر دوبارہ مسلمان بنا دیجئے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، کمرے سے نکل کر اس نے وضو کیا اور باپ کے سامنے کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اس کے باپ کی آنکھوں سے جو آنسو رواں ہوئے ان کی کیفیت کو فقیر کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس کو تو گویا نیا بیٹا مل گیا، اس کو گھر میں نئی خوشیاں مل گئیں۔ پھر اس کے دل سے جو دعائیں نکل رہی تھیں ان دعاؤں کا کوئی آدمی بھلا کیا تصور پیش کر سکتا ہے۔

تین دلچسپ سوالات:

ایک مرتبہ فقیر نے ایک اسلامک سنٹر میں لڑکوں کا زبانی امتحان لینا تھا۔ وہاں کے سب طلباء گریجوایٹ کلاسز کے سائنس سٹوڈنٹس تھے فقیر ہر طالبعلم سے تین تین سوالات پوچھ رہا تھا۔ ایک طالبعلم کے ساتھ اس کا چھوٹا بھائی بھی آیا ہوا تھا۔ اس کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ جب وہ بچہ فقیر کے سامنے آکر بیٹھا تو فقیر نے دل میں سوچا کہ اس سے کیا سوال پوچھے جائیں۔

ایک میز قریب ہی پڑی ہوئی تھی، فقیر نے کہا،

Ok, please tell me , who made this Table?

آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ میز کس نے بنائی ہے؟ وہ بچہ کہنے لگا

Sir Allah gave man brain and man used that brain and he mad that table

کہ اللہ نے انسان کو دماغ دیا، انسان نے دماغ کو استعمال کیا اور اس نے یہ میز بنا دیا۔ جب اس نے مدلل جواب دیا تو فقیر بھی تھوڑا سا سنبھل گیا۔ اس سے دوسرا سوال پوچھا،

You tell me, why do you read quran do you feel it is maditory or it is interesting.

یعنی آپ قرآن کیوں پڑھتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے یا یہ بڑا دلچسپ ہے؟ فقیر اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہ مارے باندھے قرآن پڑھتا ہے یا اپنے شوق سے پڑھتا ہے۔ جب فقیر نے اس سے یہ پوچھا تو کہنے لگا،

Sir, I feel it is both, it is manditory as well as it is very intresting.

اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں چیزیں ہیں۔ یہ ضروری بھی ہے اور دلچسپ بھی بہت زیادہ ہے۔ فقیر توقع نہیں کرتا تھا کہ وہ اتنا اچھا جواب دے گا۔
اب فقیر نے تیسرا سوال پوچھا،

Ok, you tell me,what do you want to be in your life?

کہ تم اپنی زندگی میں کیا بننا چاہتے ہو؟ اس نے کہا،

Sir , I want to be the President of America.

کہ میں امریکہ کا صدر بننا چاہتا ہوں۔

جب اس نے یہ کہا تو فقیر نے اچانک اس سے کہا، Why? کہ تم امریکہ کے صدر کیوں بننا چاہتے ہوں؟ اس نے کہا،

Sir ,I will be the first Muslim President of America.

کہ میں امریکہ کا پہلا مسلمان صدر بنوں گا۔ سبحان اللہ

فقیر اس کے اس جواب سے بہت زیادہ خوش ہوا۔ اور حیران ہوا کہ اگر آج ان مسلمان بچوں میں اللہ نے یہ جذبہ پیدا کر دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ ایک ایسا وقت بھی آئے جب دنیا کی سپر پاور کی کرسی پر ایک مسلمان بیٹھ کر اسلام کے قوانین نافذ کر رہا ہو۔

میرے دوستو! وہاں کے نوجوان امید کی ایک کرن ہیں۔ وہاں پر مسلمانوں کا سنبھلنا اور اپنی تہذیب و تمدن کو محفوظ کر کے اس کے مطابق زندگی گزارنا خوش آئند ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ وہاں کے مقامی لوگوں کے لئے دین کی دعوت کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ رب العزت وہاں کے مقامی لوگوں کو دین میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمادیں۔

جیلوں میں اسلام کی تبلیغ:

اب وہاں ایک اور تبدیلی آرہی ہے۔ وہ یہ کہ حکومت نے اب جیلوں کے اندر مسلمان علماء کے لئے جا کر تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ پہلے اجازت نہیں تھی اب اجازت دے دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے مجرم لوگوں کی اصلاح حکومت خود تو نہیں کر سکتی، اس لئے حکومت نے سوچا کہ اگر یہ لوگ مسلمان بن

جائیں تو ان کی زندگی میں تبدیلی آجائے گی۔ کیونکہ مسلمان شریف شہری ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکومت نے اپنے فائدے کے لئے وہاں پر جیلوں میں اتوار کے دن مسلمان سکالرز کے لئے جانے اور دین کی تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اس طرح سینکڑوں قیدی مسلمان ہو رہے ہیں۔

اسلام کی تاثیر:

امریکہ میں میرے ایک دوست عالم ہیں۔ ہم ان کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ اس نے کہا، میں یہاں کی جیلوں میں اتوار کے دن اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ فقیر نے اس سے پوچھا کہ وہاں کے حالات سنائیں؟ کہنے لگا کہ جو بھی مسلمان ہوتا ہے اس کی زندگی میں بڑی تبدیلی آجاتی ہے۔

وہ کہنے لگا، ان دنوں ایک ملزم جیل میں آیا ہوا ہے۔ اسے ایک سال کی جیل ملی تھی جس میں سے وہ چھ مہینے گزار چکا ہے اور چھ مہینے مزید گزارنے ہیں۔ وہ مسلمان ہوا۔ میں نے اسے نماز سکھائی۔ ایک دن ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ مجھے کہنے لگا، میں آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔ میں آپ کو بتاؤں کہ اسلام لانے کے بعد میری زندگی بہت زیادہ تبدیل ہوگئی ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ تو سب کی ہوتی ہے۔ کہنے لگا، لیکن جتنی میری زندگی تبدیل ہوئی ہے اتنی اور لوگوں کی شاید نہ ہوئی ہو۔ میں نے کہا، وہ کیوں؟ وہ کہنے لگا، اسلام لانے سے پہلے میں بالکل ہی حیوان تھا۔ اور اب میں انسان بن کر زندگی گزار رہا ہوں۔ میں نے کہا، بھئی! تفصیل سے بتاؤ، کیا اشاروں میں بات کر رہے ہو۔ کہنے لگا، ابھی تو میں ایک چھوٹے سے جرم کی وجہ سے جیل میں آیا ہوں، ایک سال کی جیل ملی ہے، چھ مہینے گزر چکے ہیں اور چھ مہینے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن آپ کو دل کی بات بتلاتا ہوں کہ اسلام لانے سے پہلے مجھے دوسرے انسانوں کو قتل کرنے میں مزہ آتا تھا۔ جب کسی کو تڑپتے اور اس کے جسم سے

خون کے فوارے چھوٹتے دیکھتا تو میں لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ میں اب تک کئی آدمیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر چکا ہوں۔ گویا یہ میرا مشغلہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میرا دل اتنا بدلا ہے کہ اب میں اگر پیدل چل رہا ہوں اور میرے پاؤں کے نیچے اگر کوئی چیونٹی بھی آ کر مر جائے تو مجھے اس کا بھی افسوس ہوتا ہے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، یوں زندگیاں بدل رہی ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اس علاقے سے اسلام کا جھنڈا بلند ہوتے ہوئے دیکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

سویڈش کے نزدیک محمد عربی ﷺ کا مقام.

آج مغربی ممالک کے لوگ اسلام کو تو پسند کرتے ہیں لیکن جب ہم مسلمانوں کے دوغلے پن کو دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسے مسلمان نہیں بننا چاہتے۔ گویا آج کا کمزور مسلمان ان کے راستے کی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

فقیر 1992ء میں سویڈن میں تھا۔ ان دنوں وہاں کی حکومت نے ایک سروے کروایا۔ انہوں نے دس شخصیات کے نام لکھے۔ اس لسٹ میں ڈارون، نیوٹن، آئن سٹائن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد عربی ﷺ کے ناموں کے علاوہ بھی نام تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سروے کرنا چاہتے ہیں کہ سویڈش لوگوں کے نزدیک سب سے اچھی اور محبوب شخصیت کونسی ہے۔ ہمارے سامنے اخبارات میں خبریں آتی تھیں، فقیر خود وہ خبریں پڑھتا تھا۔ جس دن انہوں نے کمپیوٹر رزلٹ نکالے اور سویڈش لوگوں کی رائے بتائی تو فقیر اخبار میں یہ خبر دیکھ کر حیران ہوا کہ 67% لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہم محمد عربی ﷺ کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ایک عاشق صادق کا واقعہ:

سویڈن ہی کی بات ہے کہ وہاں کے عریانی اور فحاشی کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس نے ہر کام سنت کے مطابق کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ جب بھی اسے کوئی نیا مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ علمائے کرام

سے رابطہ کر کے اس کام کے کرنے کا سنت طریقہ پوچھتا ہے۔ وہاں اس ماحول میں وہ کھدر کا لباس پہنتا ہے اور شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھتا ہے۔

ایک دفعہ اس نے کوئی ایک تقریب منعقد کروائی۔ اس نے اس تقریب میں فقیر کو بھی دعوت دی ہوئی تھی۔ ان دنوں وہاں پاکستان کے ایک اور عالم بھی رہتے تھے۔ اس نے ان کو بھی دعوت دی ہوئی تھی۔ اس عالم صاحب نے ان سے کہا، بھئی! یہ شلوار تھوڑی سی نیچے تک بھی تو باندھی جا سکتی ہے۔ جیسے ہی اس عاشق صادق نے اس کے یہ الفاظ سنے تو اس وقت اس کو جو غصہ آیا اس کی کیفیت میں ہی جانتا ہوں۔ انہوں نے غصے کے لہجے میں کہا،

You are Muslim by chance, but I am Muslim by choice.

کہ آپ تو اتفاقی طور پر مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے تھے مگر میں نے چن کر اسلام کو قبول کیا ہے۔ گویا جو انسان خود اپنی مرضی سے مسلمان ہوتا ہے اس کے اندر دینی غیرت وحمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ایک سویڈش نوجوان کا قبول اسلام:

فقیر ایک مرتبہ لاہور میں تھا۔ وہیں سے مجھے بیرون ملک سفر پر جانا تھا۔ سفر پر روانہ ہونے سے ایک دن پہلے کسی آدمی نے ٹیلیفون پر کہا کہ جی میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے کہا کہ مجھے کل بیرون ملک سفر پر جانا ہے اس لئے تیاری کرنے کی مصروفیت ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی بیرون ملک سے آپ سے ملنے آیا ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو فقیر نے کہا، ٹھیک ہے تشریف لائیے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ٹیکسی میں آیا۔ اس کے گاڑی سے اترنے اور پھر چل کر آنے، ملنے، بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے انداز نے فقیر کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

وہ اتنا خوبصورت اور خوش اخلاق انسان تھا کہ اس جیسا انسان فقیر نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جب تعارف ہوا تو اس نے بتایا کہ میں سویڈن کا رہنے والا ہوں۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے سوچا کہ میرا بھی کوئی مذہب ہونا چاہئے۔ لہٰذا میں نے دنیا کے ۱۲۰ مذاہب کا مطالعہ کیا۔ ۱۲۰ مذاہب کے مطالعہ کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اسلام ہی دنیا کا سچا ترین مذہب ہے۔ لہٰذا میں نے اسے قبول کرلیا۔

اس کے بعد میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں پوری دنیا کے بڑے بڑے سکالرز سے ملوں تاکہ مکمل راہنمائی حاصل کرسکوں۔ لہٰذا اب میں آپ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

آسٹریلیا میں ایک لڑکی سے مکالمہ:

فقیر ایک مرتبہ آسٹریلیا (سڈنی) میں تھا۔ ایک عیسائی لڑکی نے وقت مانگا کہ میں آپ سے اسلام کے متعلق کچھ سوالات پوچھنا چاہتی ہوں۔ فقیر نے اسے ایک گھنٹہ دیا۔ وہ پہلے ایک گھنٹہ مجھ سے *Jesis Crist* (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے اٹھائے جانے اور ان کے واپس آنے کے بارے میں سوال پوچھتی رہی۔ پھر اس نے (قیامت کے دن) کے بارے میں پوچھا۔ پھر *Haven* (جنت) اور *Hell* (دوزخ) کے بارے میں پوچھا۔ حتیٰ کہ اس نے اسلام کے بارے میں بہت زیادہ تفصیلات پوچھیں۔ جب اس کی تسلی ہوگئی تو میں نے پوچھا کہ اب آپ بتائیں کہ کوئی سوال پوچھنا ہے۔ کہنے لگی کہ اب میرے دل میں اسلام کے بارے میں اور کوئی سوال نہیں ہے، میں سمجھتی ہوں کہ اسلام بہت ہی زیادہ خوبصورت مذہب ہے۔ جب اس نے خوبصورت کا لفظ استعمال کیا تو فقیر سمجھا کہ شاید اب یہ اسلام قبول کرلے گی۔ لہٰذا فقیر نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوچیں گی؟ وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ سارے کا سارا اسلام قرآن میں

موجود ہے۔ فقیر نے کہا، ہاں، وہی تو بنیادی ماخذ ہے۔ کہنے لگی، کیا آپ کے پاس قرآن ہے؟ فقیر نے کہا ہاں میرے پاس قرآن ہے۔ جب فقیر نے قرآن مجید دکھایا تو وہ کہنے لگی، آپ ایسا کریں کہ اس کے کئی نسخے مسلمان ملکوں میں بھجوائیں اور انہیں کہیں کہ تمہیں اس قرآن کے مطابق اپنی زندگیوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

اب بتائیے کہ میں اس کو کیا جواب دیتا۔ میرے دوستو! اگر ہم پکے سچے مسلمان بن جائیں اور اسلام کو ان لوگوں کے سامنے پیش کریں تو عین ممکن ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرلیں اور پوری دنیا میں اللہ رب العزت ہمیں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ آیئے، اس کو زندگی کا مقصد بنالیجئے۔

ہم اس کی ابتداء اپنی ذات سے کریں۔ آج دل میں عہد کرلیجئے کہ ہم آج کے بعد اپنے جسم پر اسلام کا قانون نافذ کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو بدلنا شروع کردیا تو اللہ رب العزت ہمارے ان اعمال کی برکت سے دنیا کے دوسرے انسانوں کو بھی بدل دیں گے۔

؎ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

تہجد کی پابندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا . وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

مقام انسانیت:

انسان دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ یہ اپنے مقام اور منصب تک پہنچنے کے لئے محنت کرے تو راستہ ہموار کر دیا جاتا ہے اور اگر محنت نہ کرے تو یہ اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔

؎ زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

بے عملی کی بنیادی وجہ:

عجیب بات تو یہ ہے کہ ہم اکثر و بیشتر نیکی کی باتیں اپنے بڑوں سے سنتے آئے ہیں مگر ہم توجہ نہیں دیتے، عمل کے جذبے سے نہیں سنتے اور معاملہ ایسے بن جاتا ہے کہ جیسے ہم نے سنا ہی نہیں ہوتا۔ ہم سنتے ہوئے بھی نہیں سنتے۔ وَ لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ خَیْرًا لَاَسْمَعَھُمْ اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرما لیتا تو انہیں سننے کی توفیق عطا فرما دیتا۔

اول تو سنتے ہی نہیں اور اگر سنتے بھی ہیں تو سمجھتے نہیں۔ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا کچھ ایسے ہیں جو سنتے نہیں اور جو سن لیتے ہیں وہ بات کو سمجھتے نہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ عمل کے لئے کھڑے نہیں ہوتے۔

......مگر دل نہ بدلا:

ہر سال تقریباً پچیس لاکھ آدمی حج پر جاتے ہیں اگر وہی بدل کر واپس آ جائیں تو اس دنیا کے اندر انقلاب آ جائے۔ وہ جاتے ہوئے کیا کہہ رہے ہوتے ہیں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ وہ بیٹھتے اٹھتے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کا نعرہ مارتے ہیں، وہ سوتے جاگتے لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ پڑھ رہے ہوتے ہیں، وہ اوپر چڑھتے ہیں اور نیچے اترتے تو لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ پکار رہے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کے گھر کا دیدار کرنے جا رہے ہوتے ہیں اور واپسی پر وہ اپنے گناہوں کو بخشوا کر آ رہے ہوتے ہیں۔ جن کو اتنا انعام دیا کہ جب حج سے واپس لوٹیں تو چالیس دن تک ان کی اپنے گھروں میں بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اے اللہ! تو حاجی کی بھی مغفرت فرما اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما۔ اب یہ حاجی خود بدل کے نہیں آیا۔ کتنے افسوس اور غم کی بات ہے کہ اللہ رب العزت کے گھر کا دیدار کر کے آئے مگر دل نہ بدلا۔ جب کہ ہمارے اسلاف حج کے سفر پر جایا کرتے تھے اور ایک ایک سفر میں ان سے ہزاروں آدمی اسلام قبول کیا کرتے تھے۔ آج ہم حج پر جا کر واپس آتے ہیں مگر خود صحیح معنوں میں مسلمان بن کر واپس نہیں آتے۔

ہماری کسمپرسی:

ہماری کسمپرسی اور بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ عبادات سے رغبت بالکل ختم

ہوتی جارہی ہے۔ چند منٹ مصلے پر بیٹھنا پڑ جائے تو ایک مصیبت نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی ایسی جگہ پر پہنچ جائیں جہاں لوگ قرآن پاک پڑھ رہے ہوں تو کئی کتراتے ہیں کہ قرآن نہ ہی پڑھنا پڑے اور اگر ایک پارہ پڑھ بھی لیں اور کوئی دوسرا کہہ دے کہ جی ایک پارہ اور پڑھ دیں تو چہرے پر ایسے اثرات ہوتے ہیں کہ جیسے پتہ نہیں کونسی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ عبادات کا شوق ختم ہوتا جارہا ہے۔ دنیا کی لذتوں کے پیچھے دیوانے بنے پھرتے ہیں اور روحانی لذتوں سے ناواقف اور ناآشنا ہوتے چلے جارہے ہیں۔

قرونِ اولیٰ اور زمانہ حاضر کا تقابل:

ایک وقت تھا کہ جب تہجد کے فوت ہونے پر لوگ رویا کرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے پر رویا کرتے تھے۔ لیکن آج وہ وقت آچکا ہے کہ فرض کی جماعت بھی حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ نماز بھی اگر قضاء ہوگئی تو کوئی انسان اس پر غم کرنے والا نظر نہیں آتا۔ آج کا زمانہ فتنے کا زمانہ ہے۔ فتنے سواری پر سوار ہو کر آرہے ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم پہلے سے کمزور ہوتے چلے جارہے ہیں۔

تہجد سے محرومی کی وجہ:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصروفیت اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہم سے تہجد میں اٹھا نہیں جاتا۔ ٹھیک ہے، یہ ان کی سوچ ہے۔ مگر کسی کی سوچ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرا چہرہ دیکھنا ہی پسند نہیں کرتے۔

تہجد کے وقت فرشتوں کی تین جماعتیں

جب رات کا آخری پہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی تین جماعتیں بنا دیتے

ہیں۔

(۱) تھپکیاں دے کر سلانے والے فرشتے:

ایک جماعت کو حکم دیتے ہیں کہ دیکھو، یہ میرے مقربین کے جاگنے کا وقت ہے، یہ میرے چاہنے والوں کے لئے مجھ سے راز و نیاز کرنے کا وقت ہے۔ تم دنیا میں جاؤ، فلاں فلاں میرے نافرمان بندے ہیں، انہوں نے مجھے ناراض کیا ہوا ہے، تم ان کے سرھانے جا کر کھڑے ہو جاؤ اور تھپکیاں دے دے کر ان کو سلا دو تا کہ یہ سوئے رہیں اور ان کی آنکھ نہ کھلے۔ میں چاہتا ہی نہیں کہ یہ اس موقع پر میرے سامنے کھڑے ہوں۔ فرشتے آتے ہیں اور ان لوگوں کو تھپکیاں دے کر میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد گپیں مارنا شروع کر دیتے ہیں، گپیں مارتے مارتے جب تہجد اور قبولیت کا وقت شروع ہوتا ہے تو سوئے پڑے ہوئے بلکہ موئے پڑے ہوتے ہیں۔ شادی بیاہ پر اس کی اکثر مثالیں آپ دیکھتے ہیں کہ عشاء کے بعد خوب گہما گہمی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جی ہم ساری رات جاگتے رہیں گے لیکن رات کے آخری پہر میں انہی لوگوں کو دیکھیں، سب سوئے موئے پڑے ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ مقربین کے اٹھنے کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے وقت میں ان کو جاگنے نہیں دیتے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہم نہیں جاگتے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اوپر سے توفیق ہی نہیں ہوتی بہانہ تھکاوٹ اور کاموں کا بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس وقت میں ان کا جاگنا بھی پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ ایسی برکت کا وقت ہوتا ہے کہ ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ جو عورتیں رات کے آخری پہر میں اٹھ کر اپنے گھر میں جھاڑو دیتی ہیں یا لسی بناتی ہیں جیسے کہ دستور ہے ہمارے علاقوں کا، اس وقت کوئی کام کرنے والی عورت بھی اللہ کی رحمت سے محروم نہیں رہتی۔ جب

رحمت کا یہ حال ہے تو ایسے وقت میں جو بھی جاگے وہ حصہ پائے گا۔ اس لئے جاگنے ہی نہیں دیتے۔ حکم ہوتا کہ سلا دو ان کو تا کہ فہرست میں نام ہی نہ آئے۔ ہم ان کو کچھ نہیں دینا چاہتے۔

(۲) پر مار کر جگانے والے فرشتے:

پھر فرشتوں کی ایک دوسری جماعت کو حکم ہوتا ہے کہ جاؤ فلاں فلاں بندے میرے پسندیدہ بندے ہیں، جاؤ اور ان کو پر مار کر جگاؤ تا کہ وہ میرے سامنے کھڑے ہو کر عبادت کریں، مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کریں۔ وہ مجھ سے مانگیں گے اور میں ان کی جھولیاں بھر دوں گا۔ چنانچہ کئی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ تھکے ہوئے ہوتے ہیں، تہجد کے وقت میں ایسے اچانک آنکھ کھل جاتی ہے کہ جیسے کسی نے اٹھا دیا ہو۔ ان کے اندر گھڑی فٹ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ آج ہم میں سے ہر ایک کی پیٹ کی گھڑی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ پیٹ کی گھڑی ہمیشہ ٹھیک وقت پر الارم بجا دیتی ہے اور ہر بندے کو پتہ چل جاتا ہے کہ بھوک لگی ہوئی ہے۔ تو جیسے ہمارے پیٹ کی گھڑی ٹھیک کام کرتی ہے اللہ والوں کے دل کی گھڑی ٹھیک کام کر رہی ہوتی ہے۔ وہ تہجد کے وقت الارم بجا دیتی ہے۔ کتنا تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں آخری پہر میں ان کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ اپنے رب کے آگے کھڑے ہو کر اپنے رب کو مناتے ہیں۔

تین گھنٹوں کی نیند تین منٹ میں:

ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میں بہت ہی تھکا ہوا تھا، کئی دن سے مسلسل کام کر رہا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، تھکاوٹ اتنی غالب تھی کہ میں عاجز آ گیا اور میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ بس آپ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ وہ کہنے لگے کہ حضرت! نماز میں بس دس پندرہ منٹ باقی ہیں، آپ

بعد میں سو جانا۔ میں نے کہا کہ بس آپ جائیں۔ میں نے ان سب کو کمرے سے باہر نکال دیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے کنڈی لگا دی اور آ کر بستر پر سو گیا، میں سوتا رہا سوتا رہا حتیٰ کہ میری نیند پوری ہو گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے ''ہم ہی سلاتے ہیں اور ہم ہی جگاتے ہیں''۔ اس بات کو سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ فرماتے ہیں کہ میری طبیعت تازہ دم تھی میں نے کہا اچھا اٹھ کر وضو کرتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں۔ جب میں اٹھا اور کنڈی کھولی تو دیکھا کہ جن لوگوں کو باہر نکالا تھا وہ دروازے پر ہی کھڑے تھے۔ دروازہ کھولا باہر نکلا تو وہ کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے سونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے کہا کہ نہیں میری تو نیند پوری ہو گئی۔ اس پر انہوں نے گھڑی دیکھی اور کہنے لگے، کہ ابھی ہمیں کمرے سے نکلے صرف تین منٹ ہی گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو تین منٹ میں اتنا سکون دے دیتا ہے کہ گویا ان کو تین گھنٹے کی نیند نصیب ہو گئی اور ہم ساری رات بھی سو کر تازہ دم نہیں ہوتے۔

مقربین کی کروٹ بدلنے والے فرشتے:

فرشتوں کی ایک تیسری جماعت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ جاؤ جو لوگ میرے مقربین میں سے ہیں ان کی جا کر کروٹ بدل دو، وہ چاہیں گے تو اٹھ کر نماز پڑھیں گے، تلاوت کریں گے اور مجھ سے مانگیں گے اور چاہیں گے تو لیٹے رہیں گے۔ میں جس طرح ان کی عبادت سے راضی ہوں اسی طرح ان کے سو جانے پر بھی راضی ہوں۔ نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ یہ وہ علماء ہوتے ہیں جو صاحب معرفت ہوتے ہیں اور ان کا سونا بھی اللہ رب العزت کے نزدیک عبادت میں شمار کر لیا جاتا ہے۔

ایک مثال سے وضاحت:

دیکھیں آپ ایک لکڑی کا کام کرنے والے کو گھر لائیں اور وہ آ کر آری سے اپنا

کام شروع کرے اور کچھ دیر کے بعد اس کے اوزار کند ہو جائیں تو وہ کیا کرتا ہے؟ وہ ذرا بیٹھ کے ان کو تیز کرتا ہے۔ اب جب وہ اپنے اوزاروں کو تیز کر رہا ہوتا ہے تو کوئی آدمی اس کا وقت نہیں کاٹتا۔ کوئی بھی آدمی یہ نہیں کہے گا کہ آپ نے آدھا گھنٹہ آری تیز کرنے میں لگایا ہم تو آپ کا وقت کاٹیں گے۔ وہ کہے گا بھئی! آری کو تیز کرنا اس کام کرنے میں شامل ہے۔ اسی طرح یہ وہ اللہ والے ہوتے ہیں جو ہر وقت اللہ کی یاد میں اور اس کے دین کے کام کرنے میں لگے ہوتے ہیں۔ جب یہ سو جاتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بدن کو آرام مل جائے تاکہ تازہ دم ہو کر دوبارہ کام کریں۔ یہ اس وقت اس بندے کی مانند ہوتے ہیں جو لکڑی کو کاٹنے کے لئے اوزاروں کو تیز کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے سونے پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مزدوری عطا کر دی جاتی ہے کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کا سونا بھی اب میرے نزدیک عبادت کا حکم اختیار کر گیا ہے۔

نوجوانوں کی زبوں حالی:

آج عبادت کا شوق نکلتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ نوجوانوں میں سے آج مشکل سے ہی کوئی نوجوان نظر آئے گا جس کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ میں جاگوں اور اپنے رب کو مناؤں اور مجھے تہجد کی توفیق مستقل نصیب ہو جائے۔ عجیب بات تو یہ کہ اب اس کے لئے دعائیں بھی نہیں کرواتے۔ دعاؤں کے لئے آتے ہیں تو کئی دعائیں کرواتے ہیں، نوکری کی دعائیں، قرضے کی دعائیں، کاروبار کی دعائیں، مکان کی دعائیں، اپنی شادی کی دعائیں، اپنی بیماری کی دعائیں الا ماشاء اللہ قسمت سے کوئی ہوگا جو آ کر کہے گا کہ حضرت! دعا کیجئے کہ اللہ تہجد کی پابندی عطا فرما دے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب:

عوام الناس تو ہیں ہی عوام الناس اس وقت اہل علم حضرات کو بھی مغالطہ لگ رہا ہے۔ آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں کہ جی ہم مدرسوں کے ماحول میں رہنے والے بہت سے کبائر سے تو مدرسے کے ماحول میں رہنے کی وجہ سے ویسے ہی بچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی سارا دن جو ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں تو پھر رات کی عبادت کا ثواب تو پڑھنے پڑھانے میں مل ہی جاتا ہے۔ جی ہاں، کیا صحابہ کرامؓ سارا دن دکانداریاں کرتے تھے اسی لئے ان کو رات کو تہجد پڑھنے کی ضرورت پیش آتی تھی؟ محدثین اور فقہاء سارا دن کاروبار کرتے تھے اسی لئے عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھتے تھے؟ اب نئے پڑھنے پڑھانے والے تشریف لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی پڑھنے پڑھانے میں رات کی عبادت کا اجر تو مل ہی جاتا ہے۔ جی ہاں، کتنا حسین اور خوبصورت دھوکا ہے جو شیطان دے رہا ہے۔ اٹھنے کی تڑپ ہی نہیں رہی چنانچہ تہجد تو کیا گئی فجر کی تکبیر اولیٰ جاتی ہے۔ تکبیر اولیٰ تو کیا گئی فجر کی جماعت چلی جاتی ہے۔ بعض دوستوں نے خود اپنے زبان سے کہا کہ بسا اوقات ہماری فجر کی نماز بھی قضاء ہو جاتی ہے۔ اب بتایئے جب وہ لوگ جو دین کا علم رکھنے والے ہیں، ورثۃ الانبیاء میں شامل ہونے کے متمنی ہیں، جب اس دور میں ان کی کیفیت یہ بن جائے تو پھر سوچئے کہ عوام الناس کا کیا حال ہوگا۔ اس لئے آج کل مسجدوں کے اندر فجر کی نماز کی حاضری بہت تھوڑی ہے۔

سلطنت کے زوال کی علامت:

ایک وقت وہ تھا جب لوگ تہجد میں جاگتے تھے اور ان کے گھروں سے قرآن پاک پڑھنے کی آوازیں ایسے آتی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آوازیں

آیا کرتی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ خلیفہ بغداد کی ماں آ کر اسے کہتی ہے کہ بیٹا! تمہاری سلطنت کو زوال آنے والا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں، امی جان! آپ کو کیسے پتہ چلا؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے محلے کی عورتیں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے سو سے بھی زیادہ آتی تھیں اور آج رات صرف ستر عورتیں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے آئی ہیں اور آج وہ کیفیت نہیں۔

نور پیر دا ویلا:

آج کل کے جو نیک لوگ ہیں وہ بھی فجر بین النومین پڑھتے ہیں۔ سنت تو یہ ہے کہ تہجد بین النومین پڑھے مگر آج کل کے نیک لوگ بھی فجر کی نماز بین النومین پڑھتے ہیں۔ بس بڑی مشکل سے اٹھے اور فجر پڑھ کے سو گئے۔ وہ اوراد و وظائف جو فجر کے بعد کئے جاتے تھے ان کا اہتمام نہ رہا۔ حالانکہ ہمارے مشائخ نے اس قدر اس کی پابندی کروائی کہ صبح کے وقت کا نام ہی "نور پیر دا ویلا" پڑ گیا۔ او خدا کے بندے! ہمارے مشائخ اتنا اوراد و وظائف کا اہتمام کرتے تھے اور آج وہ وقت سو کر گزر جاتا ہے اور معمولات اللہ کے حوالے ہو جاتے ہیں۔

قحط الرجال کا دور:

اسی لئے آج خانقاہیں اعمال سے خالی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

آج وہ لوگ جنہوں نے لوگوں کو شب زندہ دار بنانا تھا، لوگوں کے اندر اللہ رب العزت کی محبت بھرنی تھی اور لوگوں کو دنیا سے کاٹ کر اللہ سے جوڑنا تھا، ان کے اپنے اندر بھی سہولت پسندی آ گئی۔ دکان داری چل رہی ہے، مریدین آتے ہیں، تحفے تحائف چل رہے ہیں اور ماشاء اللہ لاکھوں مریدین کے روحانی پیشوا ہیں۔ سیاست

سے فرصت ملے یا نہ ملے روحانی پیشوا بنے ہوتے ہیں۔تو جب خانقاہوں کا یہ حال ہے تو پھر اللہ اللہ سیکھنے والوں کا کیا حال ہوگا۔اس لئے آج قحط الرجال کا دور ہے۔ کہیں کہیں کوئی کوئی چراغ ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے۔

کیمیائے احمر سے قیمتی شخصیت:

شیطان نے ہر طرف اندھیرا پھیلایا ہوا ہے۔خواہشات نفسانی کا غلبہ ایسا ہے کہ باہر بھی اندھیرے ہیں اور من میں بھی اندھیرے ہیں۔اب ایسے میں اگر کوئی ایسا شیخ مل جائے جو آپ کو سلوک سکھانے کے لئے محنت کرنے والا ہو، اخلاص کے ساتھ سلوک کے راستے پر چلانے والا ہو تو بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ اس کو کیمیائے احمر سے کم نہ سمجھنا چاہیے اس لئے کہ جس دور میں لوگ کم ہوں پھر اس دور میں جو بھی ہوتے ہیں اللہ رب العزت ان کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا کرتے ہیں

تین راتوں میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت:

اللہ تعالیٰ حضرت بابو جی عبداللہؒ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔وہ بہت مستجات الدعوات بزرگ تھے۔ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ جس بندے کے لئے دعا کر دیتے تھے کہ اللہ اس کو اپنے محبوب ﷺ کی زیارت نصیب فرما، تین راتوں کے اندر اس کو حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو جاتی تھی۔ہم نے اپنی زندگی میں اس کا بار بار تجربہ کیا ہے۔متعدد دوستوں کے لئے دعائیں کروائی اور الحمد للہ ہر بندے کو اللہ رب العزت نے تین دنوں میں یا تین راتوں میں نبی اکرم ﷺ کا دیدار نصیب فرما دیا۔

ذکر الٰہی کے فائدے:

حضرت بابو جی عبداللہؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو ذاکر شاغل آدمی ہوتا ہے ایک تو

اسے موت کے وقت پیاس نہیں لگتی اور دوسرا اللہ رب العزت قبر کا عذاب اس بندے کو معاف فرمادیتے ہیں۔تو یہ دو بڑی نعمتیں ہیں۔اگر اچھی موت مرنا چاہیں اور قبر کے اندر آسانی کا وقت گزارنا چاہیں تو اس کے لئے ذکر بالکل تریاق کی مانند ہے اس لئے کثرت کے ساتھ ذکر کریں۔ذکر سے اللہ رب العزت بندے کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں اور اس کے اندر قوت ارادی پیدا کر دیتے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ اپنے رب کی عبادت کیا کرتا ہے۔

میاں بیوی کے اوقات کی تقسیم:

ایک وہ وقت تھا کہ ہمارے اسلاف عبادت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوششیں کیا کرتے تھے۔بھائی بھائی آپس میں بڑھنے کی کوششیں کر رہے ہوتے تھے،میاں بیوی نے اوقات تقسیم کیے ہوتے تھے۔میاں سوچتا کہ میں رات کے پہلے حصہ میں سو جاؤں اور رات کے آخری حصے میں گھر کے اندر تہجد پڑھوں گا۔بیوی کہتی کہ میں رات کے اول حصے میں نفلیں پڑھ لوں گی اور باقی حصے میں سو جاؤں گی۔میاں بیوی کی زندگی ایسی ہوتی تھی کہ پورے چوبیس گھنٹے میں گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت میں مشغول ہوا کرتا تھا۔اوقات کی تقسیم کر رکھی ہوتی تھی۔

باوضو زندگی گزارنے کی تڑپ:

اسی طرح باوضو زندگی گزارنے کی تمنا ہوتی تھی۔چنانچہ مجھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے ایک صاحب کے گھر جانے کا موقع ملا۔ان کے بچے گھر کے گراؤنڈ میں فٹ بال کھیل رہے تھے۔نئی آبادی تھی۔مسجد قریب نہیں تھی اس لئے گھر میں ہی جماعت سے نماز ادا کرنا پڑتی تھی۔جب ہم نے مغرب کی نماز کے لئے اذان دی اور صفیں بنانی شروع کیں تو ہم نے دیکھا کہ وہ بچے جو فٹ بال کھیل رہے

تھے چھوٹے بڑے سارے ہی آئے اور آکر صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے صاحب خانہ سے پوچھا کہ ان بچوں نے وضو نہیں کرنا؟ انہوں نے کہا کہ وضو کیا ہوا ہے۔ اس عاجز نے سمجھا کہ شاید انہوں نے سوچا ہوگا کہ مہمان آیا ہوا ہے نماز تو پڑھنی ہی ہے اس لئے ہم پہلے سے وضو کر کے کھیلتے ہیں۔ لیکن نماز پڑھنے کے بعد صاحب خانہ نے بتایا کہ ہمارے خاندان میں اوپر مشائخ سے یہ عمل چلتا آرہا ہے کہ کوئی بچہ بھی جب چار پانچ سال کی عمر سے بڑا ہو جاتا ہے تو ہم اس کو ہر وقت باوضو رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارے گھر میں آپ کسی بندے کو بھی جاگتے ہوئے ہوش کی حالت میں بے وضو نہیں دیکھیں گے۔ آج کے دور میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ جن کو باوضو زندگی گزارنے کی تڑپ اور تمنا ہوتی ہے۔ كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ فرمایا تم جس حال میں زندگی گزارو گے تمہیں اسی حال میں موت آئے گی۔ تو باوضو زندگی گزارنے والوں کو اللہ تعالیٰ باوضو موت عطا فرمائیں گے۔

ایک باندی کا ذوق عبادت:

ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک باندی خرید کر لایا۔ دیکھنے میں وہ کمزور سی تھی، بیماری سی لگتی تھی۔ سارا دن اس نے گھر کے کام کئے اور عشاء کے بعد مجھ سے پوچھنے لگی کہ کوئی اور کام بھی میرے ذمے ہے۔ میں نے کہا، جاؤ آرام کرلو۔ اس نے وضو کیا اور مصلے پر آگئی اور مصلے پر آکر اس نے نفلیں پڑھنی شروع کر دیں۔ کہنے لگے، میں سو گیا۔ تہجد کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہی تھی، مناجات کر رہی تھی اور مناجات میں یہ کہہ رہی تھی کہ اے اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! آپ میری یہ بات پوری فرما دیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا کہ اے اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم، تو میں نے

اس کو تو کا اور کہا، اے لڑکی! یہ نہ کہہ کہ اے اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم، بلکہ یوں کہہ کہ اے اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم۔ فرماتے ہیں کہ جب اس نے یہ سنا تو وہ ناراض ہونے لگ گئی، بگڑ گئی اور کہنے لگی میرے مالک! بات یہ ہے کہ اگر اللہ رب العزت کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو یوں وہ مجھ کو مصلے پر نہ بٹھاتا اور آپ کو ساری رات میٹھی نیند نہ سلاتا۔ آپ کو جو میٹھی نیند سلا دیا اور مجھے مصلے پر بٹھا کر جگا دیا، میرے ساتھ کوئی تعلق تو ہے کہ مجھے جگایا ہوا ہے۔ سبحان اللہ، ایک وہ وقت تھا کہ تہجد کے وقت اپنے رب سے یوں اپنے تعلق کے واسطے دیا کرتے تھے۔ اے اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم، واقعی اللہ رب العزت کو ان سے محبت ہوتی تھی اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی تھی۔

روزانہ ستر طواف کرنے والے بزرگ:

ایک بزرگ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ستر سال کی عمر تھی اور ستر سال کی عمر میں وہ روزانہ ستر مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ ہر طواف کے سات چکر ہوتے ہیں اور ستر طواف کے ۴۹۰ چکر اور ہر طواف کے دو رکعت واجب الطواف واجب لغیرہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ ستر ہوں تو ۱۴۰ رکعت نفلیں۔ اب ہم ۱۴۰ رکعت نفلیں ہی پڑھ کر دیکھ لیں کہ حالت کیا بنتی ہے۔ یہ ان کے عملوں میں سے ایک عمل تھا کہ ۴۹۰ چکر لگاتے اور اس کے اوپر ۱۴۰ رکعت نفلیں پڑھتے اور یہ زندگی کا ایک معمول تھا باقی معمولات اسکے علاوہ ہوا کرتے تھے۔

امام شافعیؒ کا ذوق عبادت:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گیا، مجھے جاتے ہوئے سواری کے اوپر ۱۶ دن لگے اور ۱۶ دنوں میں میرے ۱۶ قرآن مکمل ہو گئے۔ ان

کو کیوں اتنا عبادت کا شوق ہوتا تھا؟ آپ کو پھل کھانے کا شوق ہے، جوس پینے کا شوق ہے، آئس کریم کھانے کا شوق ہے اسی طرح ان حضرات کو بھی عبادت کا شوق ہوتا تھا۔ آپ کو مختلف کھانے کھا کر مزہ آتا ہے ان کو مختلف عبادات کر کے مزہ آتا تھا۔

ایک انمول تمنا:

ایک بزرگ سے موت کے قریب پوچھا گیا آپ کی زندگی کی کوئی آخری تمنا ہے تو بتائیں۔ فرمانے لگے، میرے دل میں ایک ہی تمنا ہے کہ ایک لمبی سردیوں کی رات ہوتی جسے میں اپنے رب کے حضور اسے منانے میں گزار دیتا۔ سبحان اللہ

سعید ابن جبیرؒ کا ذوق عبادت:

سعید ابن جبیرؒ کو جب حجاج بن یوسف نے شہید کرنا تھا تو پوچھا کہ تمہاری آخری تمنا کیا ہے؟ فرمانے لگے، کہ دو رکعت نفل پڑھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے جلدی جلدی نفل پڑھ لئے۔ حجاج نے پوچھا، کہ جلدی کیوں پڑھ لئے؟ فرمایا جی تو چاہتا تھا کہ لمبا قیام کروں مگر دل میں خیال آیا کہ تو یہ سوچے گا کہ موت کے ڈر کی وجہ سے نماز لمبی کر لی۔ اس لئے میں نے جلدی پڑھ لی۔ اب ذرا سوچئے ادھر جلاد ان کا سر قلم کرنے کو تیار ہے اور ادھر ان کی حالت یہ ہے کہ جی تو چاہتا تھا کہ دو رکعت لمبی پڑھ لیتا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر لطف عطا فرما دیا تھا۔ ان کے لئے راتوں کو جاگنا کوئی مشکل نہیں تھا۔

تہجد کی نماز اور سورو پیہ:

راتوں کو جاگنا کوئی مشکل نہیں ہوتا جب کہ آدمی کو پتہ ہو کہ مجھے اس پر تنخواہ ملے

گی۔ایک آدمی جو بازار کے اندر چوکیداری کرتا ہے، پہرہ دیتا ہے وہ ساری رات جاگتا ہے۔اس لئے کہ مہینے کے بعد تین ہزار روپے تنخواہ ملے گی۔اب اس بندے کو ہر رات جاگنے پر ۱۰۰ روپیہ ملنے کی توقع ہوتی ہے اور وہ آنکھ بھی نہیں جھپکتا۔بیٹھتا بھی نہیں، چلتا رہتا ہے اور پہرہ دیتا رہتا ہے۔جاگتا بھی رہتا ہے اور جگاتا بھی رہتا ہے ۔میرے دوستو! ہم تہجد کی نماز میں کھڑے نہیں ہو سکتے کہ جی نیند آئی ہوئی ہے۔معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک تہجد کی قیمت ۱۰۰ روپے کے برابر بھی نہیں اور کہتے ہیں او جی آنکھ نہیں کھلتی۔

من حرامی تے حجتاں ڈھیر

اصل میں اندر چور ہوتا ہے اور اوپر سے بہانے تراش رہے ہوتے ہیں۔ٹھیک ہے ہم جھوٹے بہانے بنا کر لوگوں کو راضی کر لیں گے لیکن پروردگار تو جانتے ہیں کہ اٹھتا اس لئے نہیں کہ دل کے اندر گناہ بہت زیادہ ہیں۔

تہجد سے محرومی کا علاج:

حسن بصریؒ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا، حضرت! مجھے رات جاگنے کی توفیق نہیں ہوتی۔فرمایا کہ اے دوست! تو دن کے وقت میں اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ کر لے اللہ تعالیٰ تجھے رات کے اعمال کی توفیق نصیب فرما دیں گے۔اگر ہم دن میں گناہوں سے بچ جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں رات کو تہجد کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

مشتبہ لقمے کی نحوست:

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی کے ہاں دعوت کھائی اور کوئی مشتبہ لقمہ میرے منہ میں چلا گیا۔شبہ والا لقمہ تھا حرام نہیں، حرام تو بڑا واضح ہوتا

ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ لقمہ میرے اندر چلا گیا تو ۴۰ دن کے لئے میری تمام کیفیات کو سلب کر لیا گیا۔

تہجد سے محرومی کی ایک عجیب وجہ:

ایک مفتی صاحب اپنی زبان سے فرمایا کرتے تھے کہ ان کی بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ سے تھا، وہ بہت بڑے عالم اور بزرگ گزرے ہیں۔ یہ بات مفتی صاحب خود سنایا کرتے تھے کہ میں جب بیعت تھا تو کئی مرتبہ حضرتؒ کی خدمت میں آنا جانا رہتا تھا اور اس دور میں ہماری تہجد کے قضاء ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ہم واپسی کی اجازت لینے کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور حضرتؒ کا جی چاہتا تھا کہ ہم ایک دو دن رک جائیں، وجہ کیا تھی کہ شیخ کی مہلت تھوڑی تھی۔ اس کے چند دن بعد ان کا انتقال ہونا تھا۔ تو اللہ نے دل میں ڈالا ہوگا کہ یہ آئے ہیں تو کچھ لے کے جائیں۔ شیخ تو اس کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ بھئی ذرا ایک دو دن ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو! یہ نعمت پالو۔ مگر فرمانے لگے کہ حضرت! ہمارے اوپر درس و تدریس کا بھوت سوار تھا اور ہم اپنے مدرسوں میں واپس آ گئے۔ پھر حضرتؒ کی وفات ہوگئی اور ان کی وفات کے بعد آج تک ہمیں تہجد میں استقامت نصیب نہ ہوسکی۔

بیالیس سال تک تلاوت قرآن کا معمول:

یہ نعمتیں گھر بیٹھے نہیں ملتیں یہ مشائخ کی صحبت میں آ کر ملتی ہیں۔ یہ ان کے پاس رہنے سے ملتی ہے۔ آج کے دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ میری ملاقات ایک عالم سے ہوئی ان کی بیعت کا تعلق حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ جو ہمارے دادا پیر ہیں ان کے ساتھ تھا۔ عاجز نے خود یہ بات سنی فرمانے لگے، حضرتؒ سے

بیعت کئے ہوئے مجھے بیالیس سال گزر گئے ہیں، بیالیس سال میں قرآن پاک کا ایک پارہ تلاوت کرنے والے عمل میں ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا۔

ستائیس سال سے اوّابین کی پابندی:

کچھ عرصہ پہلے ایک دوست نے خط لکھا۔ وہ جوان العمر ہے، اس کی داڑھی میں مشکل سے کوئی سفید بال نظر آئے گا۔ لکھتا ہے کہ حضرت! الحمد للہ ۲۷ سال سے میرے اوابین کے نوافل کبھی قضا نہیں ہوئے۔ آج کے دور میں بھی کرنے والے کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کی تہجد کی نماز گیارہ گیارہ سال سے کبھی قضا نہیں ہوئی

ایک خاتون کا ذوق عبادت:

پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست کی والدہ فوت ہوئی۔ ان کی والدہ کی بیعت کا تعلق ہمارے پیرومرشدؒ کے ساتھ تھا۔ پھر اس کے بعد اس عاجز سے ہوا۔ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے اپنے سارے گھر کے بچے، بچیوں، مردوں اور عورتوں کو بلایا اور انہیں فرمایا کہ دیکھو! میری جب شادی ہوئی اس وقت میری عمر بیس سال تھی اور آج میری عمر ۸۰ سال ہے۔ اس ساٹھ سالہ ازدواجی زندگی میں میری کبھی بھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔

دورحاضر کا المیہ:

اگر ایسی عورتیں آج زندگی گزار رہی ہیں تو بتایئے وہ عورتیں جو بہانہ کرتی ہیں کہ جی بچوں کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتیں۔ لگتا ایسے ہے کہ جتنی نمازیں پڑھنے والی ہوتی ہیں سب کے بچے نہیں ہوتے تھے۔ یہ نئی آئی ہیں کہ اب ان کو اولادملنی شروع ہوئی ہے، پہلے نہیں ہوتی تھی۔ سب بہانے کہ جی مہمان آ گئے تھے، نماز قضاء ہوگئی۔ مہمان کی رعایت کرتے ہیں پروردگار اور رحمان کی رعایت نہیں کرتے۔ آج عبادات کا

شوق ختم ہوتا جا رہا ہے اور یہ المیہ ہے اس وقت کا۔

عبادت کا شوق کیسے پیدا ہوتا ہے؟

یہ عبادت کا شوق کیسے آئے گا؟ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ جو آدمی کپڑے والوں کے پاس بیٹھے گا اسے کپڑے کا کاروبار کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، جو کمپیوٹر والوں کے پاس بیٹھے گا اس کے ذہن میں وہ کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، جو آدمی کسی بزنس مین کے پاس بیٹھے گا اس کے ذہن میں وہ کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور آدمی شب زندہ دار، عبادت گزار لوگوں کی محفل میں بیٹھے گا اس کے دل میں عبادت زیادہ کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

شب بیداری کی برکات:

یہ جو ماہانہ اجتماع رکھتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کم از کم ایک رات تو اکٹھا مل بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنا وقت گزاریں۔ مہینے میں کم از کم ایک رات تو ایسی ہو جو ہم اسلاف کے نقش قدم پر گزاریں تاکہ اس رات کو ہمارے مشائخ کی راتوں کے ساتھ مشابہت نصیب ہو جائے۔ آپ دیکھیے گا کہ اس کے اثرات آپ کو خود اپنی زندگی میں آتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ جن جن شہروں میں ہمارے دوستوں نے یہ ماہانہ پروگرام کرنا شروع کیا اس کی برکات محسوس ہو رہی ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو آ کر بتاتے ہیں کہ اس ایک رات کی برکت سے مہینے کی کتنی اور راتوں میں اللہ تعالیٰ انہیں تہجد کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

شب زندہ داروں کا اکاؤنٹ:

ایک بات ذہن میں رکھیے ذرا مثال سمجھنے کی کوشش کرنا۔ ایک بنک ہے جس میں

اربوں کھربوں روپوں کے مالکوں نے اکاؤنٹ کھولے ہوئے ہیں۔ ایک بندے نے اکاؤنٹ کھولا اور ایک ہزار روپے جمع کروا دیئے۔ اب بتائیں جب وہ لسٹ بنائیں گے کہ اس بنک میں کس کس بندے کا اکاؤنٹ موجود ہے تو یہاں اربوں کھربوں پتی لوگوں کے نام آئیں گے اس ایک ہزار روپے والے کا نام بھی فہرست میں آئے گا۔ بالکل اسی طرح ہمارے اسلاف کے اکاؤنٹ شب زندہ داریوں کے کھلے ہوئے تھے، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے شب زندہ دار بندے کہاں ہیں؟ تو اس فہرست میں جہاں ہمارے ان اسلاف کا نام آئے گا تو اگر مہینے میں ایک رات ہم نے بھی جاگ لی اور ہمارے نامہ اعمال میں بھی وہ شب زندہ داری کی رات گزری تو کیا فہرست میں ہمارا نام نہیں آئے گا؟ بھئی اکاؤنٹ میں رقم تھوڑی سہی مگر کھلا تو ہوا ہے۔ اسی طرح سمجھئے کہ ہم اپنے رب کی عبادت کے لئے آج رات اپنا اکاؤنٹ کھلوا رہے ہیں۔ لہذا ہم اس رات کو جاگیں گے اور اپنے جسم کو اللہ کی عبادت میں جگانے کا اجر پائیں گے۔

بغیر اجر کے جاگنے والے لوگ:

یہ جسم معلوم نہیں دنیا کی خاطر کتنی مرتبہ جاگا ہوگا، کبھی تو اللہ کے لئے بھی جاگے۔ دیکھیں ذرا! ائیر پورٹوں پر، ریل گاڑیوں کے اسٹیشنوں پر، بسوں کے اسٹینڈ پر، کارخانوں میں اور فیکٹریوں میں لوگ راتوں کو جاگ رہے ہوتے ہیں۔ ہر جگہ لوگ راتوں کو جاگ رہے ہوتے ہیں۔ اگر لوگ دنیا کی خاطر راتوں کو جاگ رہے ہوتے ہیں تو کیا زندگی میں ایک رات ہم اللہ کے لئے عبادت کی نیت سے نہیں جاگ سکتے۔ وہ جاگتے ہیں تو ان کو اجر نہیں ملتا لیکن جب ہم عبادت کی نیت سے جاگیں گے تو اللہ رب العزت سے اجر پائیں گے۔

جاگ کر کون سے اعمال کیے جائیں:

ہم اس رات میں ذوق شوق کے ساتھ آئیں اور یہاں پر عبادت میں اپنا وقت گزاریں۔ نماز پڑھیں، صلوٰۃ التسبیح پڑھیں، زندگی کی جو نمازیں قضاء ہوئیں وہ پڑھ لیں، قرآن پاک کی تلاوت کر لیں، لمبا مراقبہ کر لیں، اللہ تعالیٰ سے تسلی کی دعا مانگ لیں، کوئی کام تو کریں۔ ایک رات تو ہمیں سکون اور تسلی سے عبادت کرنے کی مل جائے تاکہ ہمیں اللہ والوں کے ساتھ مشابہت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت مل جائے کہ میرا یہ بندہ میری یاد میں اور میری محبت میں رات بھر جاگتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قبولیت ہوگی۔

خشیت الٰہی کی پہچان:

جب ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ خشیت عطا فرما دیتے ہیں تو اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ آدمی گناہوں سے بچ جایا کرتا ہے۔ یاد رکھنا ہر چیز کی کوئی دلیل ہوتی ہے اگر کوئی پوچھے کہ اس کو خشیت الٰہی حاصل ہے یا نہیں تو اس کی دلیل یہ ہوگی کہ اس نے اپنی زندگی میں گناہوں کو ترک کر دیا ہے یا نہیں۔ اگر گناہوں کو ترک کر چکا ہے پھر اسے خشیت کی وہ کیفیت حاصل ہے۔ گناہوں کو ترک کر دینا یہ مومن کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس لئے کہ گناہوں کی لذت ابتداء میں شہد کی مانند ہوتی ہے مگر گناہوں کا انجام زہر کی کرواہٹ کی طرح ہوا کرتا ہے۔

عزازیل سے شیطان بننے کی پانچ وجوہات:

عزازیل جس نے اتنی عبادت کی کہ چپے چپے پر سجدے کیے اور بالآخر شیطان بنا، ابلیس بنا۔ جانتے ہیں اس کو کس چیز نے ابلیس بنایا۔ مزے کی بات ہے، ذرا سنئے اور

سمجھنے کی بات ہے۔ علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ باتوں نے طاؤس الملائکہ کو ابلیس بنا دیا، راندۂ درگاہ بنا دیا۔

سب سے پہلی بات یہ کہ گناہ تو کیا مگر گناہ کا اقرار نہ کیا، یہ شیطان کی نشانی ہے۔ دوسری بات یہ کہ گناہ تو کیا مگر گناہ پر ندامت نہ ہوئی۔ اس کو گناہ کے اوپر شرمندگی نہ ہوئی بلکہ ڈھیٹ بن کر کہنے لگا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں تو اس سے افضل ہوں۔ تیسری بات یہ کہ گناہ تو کیا مگر اپنے نفس کو بھی ملامت نہ کی یعنی یہ بھی نہیں کہ اپنے من میں ہی اپنے نفس کو کہہ دیتا کہ تو نے برا کیا۔ چوتھی بات یہ کہ اپنے گناہ سے توبہ بھی نہ کی کہ اگر گناہ کر بیٹھا تھا تو توبہ کر لیتا۔ اور پانچویں بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔ ان پانچ باتوں نے اس کو ابلیس بنا دیا۔

قبولیت توبہ کی پانچ وجوہات:

اس کے بالمقابل سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھئے۔ ان کے اندر پانچ خصلتیں موجود تھیں۔

پہلی یہ کہ انہوں نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہا۔ دوسری یہ کہ غلطی کا اقرار کر لینے کے بعد اپنی غلطی پر بہت نادم بھی ہوئے کہ مجھ سے کوتاہی ہوئی، بھول ہو گئی۔ اور تیسری یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو ملامت بھی کیا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ پھر اس کے بعد انہوں نے سچی توبہ بھی کی۔ اور آخری بات یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس بھی نہ ہوئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا۔

ہماری ذمہ داری:

ہمیں چاہئے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلیں۔ ایک تو گناہوں کا

اقرار کریں اور اس پر نادم بھی ہوں۔ اپنے نفس کو بھی ملامت کریں، اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ بھی کریں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہوں۔ امید لگائے رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی سچی نیت کو لے کر بیٹھیں کہ رب کریم! اب تک جتنے گناہ کر چکے، ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ دل میں نیکی کا شوق لے کر بیٹھیں کہ پروردگار! ہمیں اپنی زندگی میں عبادت اور نیکی کرنے کا لطف اور مزہ نصیب فرما۔

لذت آشنائی:

جس بندے کو اللہ تعالیٰ عبادت کا شوق عطا کر دیتے ہیں تو اپنی محبت کی شراب کا ایک قطرہ اس کے حلق میں ٹپکا دیتے ہیں اور پھر اس بندے کا عبادت میں خود بخود دل لگ جاتا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہ عجیب نعمت ہے۔ یہ جو حضرات مصلے پر بیٹھ کر ساری ساری رات گزار دیا کرتے تھے، یہ نہیں کہ ان کو کوئی مارے باندھے جاگنا پڑتا تھا۔ نہیں بلکہ وہ لذتوں کی خاطر جاگتے تھے۔ ان کو مزہ آتا تھا رات کو جاگنے کا، اتنا مزہ آتا تھا کہ رات کے گزرنے کا بھی ان کو پتہ نہ چلتا تھا۔

ایک مثال سے وضاحت:

دیکھئے، ایک ماں زیادہ کام کر کر کے تھکی ہوئی ہے اور سارے گھر میں کہتی ہے کہ میں آج اتنا تھک گئی ہوں کہ بس میں نے آج پڑتے ہی سو جانا ہے۔ آج مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے کیونکہ میری نیند پوری نہیں ہوئی، میرا بدن تھکا ہوا ہے، میرے بدن

میں درد ہیں، میں تو فوراً سو جاؤں گی۔ اگر اس نے نیت کر لی فوراً سو جاؤں گی اور یہ واقعی لیٹ بھی گئی اور عین اسی وقت دروازے پر گھنٹی بجی، اس کا وہ بیٹا جو کئی سالوں سے پردیس گیا ہوا تھا وہ اچانک واپس آ گیا۔ تو بتائیے کہ اس ماں کی نیند رہے گی یا اڑ جائے گی؟ وہ اس کے ساتھ مزے سے بیٹھی دو تین گھنٹے باتیں کر رہی ہوگی۔ اگر سارے گھر والے پوچھیں، امی! آپ کی نیند کہاں گئی؟ امی! آپ کی تھکن کہاں گئی؟ تو کہے گی، کہ بس بیٹا آ گیا، میری تھکن دور ہوگئی اور بیٹے کو دیکھ کر میری نیند اڑ گئی۔ جیسے یہ تھکی ہوئی ماں اپنے بیٹے کو دیکھتی ہے، اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو تھکن بھول جاتی ہے اور اس کی نیند اڑ جاتی ہے بالکل اسی طرح ہمارے اسلاف رات کو جب مصلے پر بیٹھ کر اللہ کی عبادتیں کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے جمال کے جلوے ان کو دکھائی دیتے تھے تو ان کی تھکن دور ہو جاتی تھی۔ وہ تازہ دم ہو جایا کرتے تھے۔ ہمیں عبادت تھکا دیتی ہے اور ان کو عبادت تازہ دم بنا دیا کرتی تھی۔ وہ قرآن پڑھ کر تازہ دم، نفلیں پڑھ کر تازہ دم اور لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگا کر تازہ دم ہو جاتے تھے۔

ہمارے لئے دوا اور ان کے لئے غذا:

اگر بھوک لگی ہو تو پلاؤ اور قورمے کھانے کتنے اچھے لگتے ہیں۔ اس لئے کہ بندے کی غذا ہوتے ہیں لیکن دوا پینی اور کھانی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ بلکہ کئی بچے اور عورتیں تو بیمار رہنا پسند کر لیتے ہیں لیکن دوا نہیں کھاتے۔ کیونکہ کڑوی ہوتی ہے۔ لیکن غذا کھانا آسان۔ ہمارے اسلاف کے لئے یہ عبادات غذا کی مانند تھیں اور ہمارے چونکہ مزاج بگڑے ہوئے ہیں ہمارے لئے یہ دوا کی مانند ہیں۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ چلو ایک رات تو سب کو دوا پلائیں، کاڑھا پلائیں۔

مسجد میں گدھا:

ایک دیہاتی کا گدھا مسجد میں آ گیا۔ مولانا صاحب نے دیکھا تو اس کو ایک ڈنڈا

لگایا۔ دیہاتی نے پوچھا کہ، مولانا صاحب! اس کو ڈنڈے کیوں مار رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مسجد میں جو گھس آیا۔ کہنے لگا، جی کیا کروں، وہ جانور ہے اسے پتہ نہیں تھا، کبھی مجھے بھی آپ نے مسجد میں دیکھا ہے؟ تو کئی لوگوں کو نفس یہ سکھا رہا ہوگا کہ اس دفعہ تو پھنس گئے آئندہ سہی۔

خوشی دیاں ونگاں:

یہ ''خوشی دیاں ونگاں'' ہیں۔ جی ہاں خوشی میں عورتیں چوڑیاں پہنتی ہیں اسی طرح یہ خوشی کی چوڑیاں ہیں جس کا جی چاہے وہ آئے، جس کو اپنا فائدہ نظر آئے وہ آئے اور جس کو نیند میں فائدہ نظر آئے وہ بے شک آرام سے سو جائے۔ اس لئے کہ آپ یہاں کچھ لینے کے لئے آئے ہیں، کچھ دینے کے لئے نہیں۔

بیعت کرتے وقت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی کیفیت:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے تھے کہ جب کوئی بندہ مجھ سے بیعت ہونے کے لئے آتا تو مجھے اس سے یوں ہیبت محسوس ہوتی جیسے بندے کو شیر سے ہیبت محسوس ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے اعمال کے بارے میں اس سے بھی پوچھا جائے گا اور مجھ سے بھی پوچھا جائے گا کہ شیخ ہونے کے ناطے تم نے حق ادا کیا تھا یا نہیں۔ تم نے اسے خیر کی طرف بلایا تھا یا نہیں۔

جان بخشی:

عزیز دوستو! یہ مہینے میں ایک پروگرام ہم نے اپنی جان بچانے کے لئے رکھا ہے کہ آپ کی باتوں کا آپ سے حساب تو ہوگا ہی سہی لیکن جس کے ہاتھ میں آپ نے ہاتھ دیا ہے اس سے بھی پوچھا جائے گا۔ یہ مصیبت پڑی ہوئی ہے، اپنا بوجھ تو ہے ہی

سبھی جس جس بندے نے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہر اس بندے کا بوجھ سر کے اوپر ہے۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ

قرآن پاک کی اس آیت سے مشائخ نے یہ مطلب لکھا ہے کہ قیامت کے دن شیخ کو اللہ تعالیٰ زنجیروں سے باندھ کر کھڑا کریں گے اور اس وقت تک نہیں کھولیں گے جب تک وہ یہ ثابت نہیں کر دیں گے کہ میں نے اپنے متعلقین کی اصلاح کے لئے اپنی طرف سے پورا زور لگا دیا تھا۔ اس لئے یہ جو پروگرام رکھا ہے یہ اپنی جان بچانے کے لئے ہے۔ اب ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جی ہمیں تو وقت نہیں ملتا تھا۔ جی ہمارے شیخ مصروف رہتے ہیں اور ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔

روحانیت میں ظاہری فاصلوں کی حیثیت:

چلیں یہ ایک رات عبادت میں گزارنے کے لئے ہے ذرا آپ اس معمول میں جڑیئے پھر دیکھیں کہ آپ کو دور بیٹھے تو جہات ملتی ہیں یا نہیں ملتیں۔ باطنی توجہات کے لئے یہ ظاہر کے فاصلے کچھ حیثیت نہیں رکھتے، مشرق اور مغرب کا فاصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے آپ حضرات اگر اصلاح کی نیت سے یہاں آئیں گے تو جن حضرات کو اس عاجز نے یہاں نمائندہ بنایا ہے وہ آپ کو مراقبہ بھی کروائیں گے، رات کے اعمال میں بھی لگائیں گے اور آپ انشاء اللہ جھولیاں بھر کے واپس جائیں گے۔

جماعتی کام کی فضیلت:

ایک مسئلہ سنئے کہ اکیلا بندہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن فقہ کا مسئلہ ہے کہ جس آدمی نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اب اگر پوری جماعت کے بندوں میں سے ایک کی نماز بھی قبول ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو

بھی قبول فرمالیں گے۔ بالکل اسی طرح جب اتنے بندے رات کے اعمال کریں گے تو ان بندوں میں سے کسی ایک کی عبادت بھی قبول ہوگئی تو جماعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سب کا جاگنا قبول فرمالیں گے۔

گزشتہ رمضان المبارک کی تھکاوٹ:

جب پچھلی دفعہ ہم نے روزے رکھے، تراویح پڑھی، اس وقت ہمیں تھکن محسوس ہوتی تھی، آج ہمیں یاد نہیں کہ رمضان شریف میں جسم تھکا تھا۔ اگر پچھلے رمضان کی تھکاوٹ یاد نہیں، وہ ختم ہوگئی لیکن اجر باقی ہے تو اسی طرح اگر آج کی رات جاگیں گے تو یہ تھکاوٹ بھی کل شام تک بھول جائیں گے اور اس پر ملنے والا اجر نامہء اعمال میں باقی رہے گا۔

نفس پر بوجھ ڈالیے:

نفس نے اگر جاگ جاگ کر گناہ کروائے تو ہم اس کو جگا جگا کر عبادت کیوں نہ کروائیں۔ اچھا ہے کہ کبھی ہماری آنکھوں میں بھی سرخ ڈورے پڑیں جیسے صحابہ کرامؓ کی آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑے ہوتے تھے آنکھیں نیند کو ترستی تھیں۔ ہماری آنکھیں بھی نیند کو ترسیں۔ کس کے لئے؟ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے۔ ہم عبادت نہیں کر سکتے جیسے عبادت کرنے کا حق ہے لیکن ہم کچھ نیت تو کر سکتے ہیں، کچھ قدم تو بڑھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی قدم بڑھانے کو قبول فرمالیں گے اور اس کی برکتیں آپ محسوس کریں گے۔

شب بیداری کا پروگرام رکھنے کی وجہ:

یہ جو رات کا پروگرام رکھا یہ فقط اس لئے رکھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ مہینے کی ایک

رات سب سالک ایک جگہ مل بیٹھیں اور اپنے رب کو یاد کریں۔ جی تو چاہتا تھا کہ دن کا وقت ہوتا مگر آپ لوگوں میں سے کسی کی مجبوریاں ہوتی ہیں، گھر کے کام ہوتے ہیں۔ آپ لوگ کہتے ہفتے بعد ایک چھٹی ملتی ہے وہ بھی اگر پیر صاحب کے پاس جانا پڑ گیا تو گھر کے کام کون کرے گا؟ تو شکوے شکایتیں ہوتیں۔ ہم نے کہا چلو دن کا وقت تم اپنے کاموں میں گزار لینا ہم آپ کو رات کو یہاں کچھ دیر عبادت میں مشغول رکھ لیتے ہیں۔ سیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ سال میں اور نہیں تو بارہ راتیں تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں جاگ کر گزر جائیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی بندہ محبوب ہوتا ہے جو دوسروں سے نسبتاً زیادہ محنت کر رہا ہو۔ آج کے دور میں جو لوگ ہیں ان سے کوئی تابعین والے حالات نہیں مانگے جائیں گے یا تبع تابعین والے حالات نہیں مانگے جائیں گے کہ اس دور کے حالات تمہارے پاس کیوں نہیں؟ احوال کیوں نہیں؟ ایسا نہیں بلکہ ہم سے آج کے دور کے حالات طلب کئے جائیں گے۔ اس لئے کہ پیدا جو اس دور میں ہوئے۔ لہٰذا آج کے دور کے بارے میں سوال ہوگا۔ جو بندہ نسبتاً زیادہ کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو توفیق عطا فرمائیں گے اور قبولیت عطا فرمائیں گے۔

ایک واقعہ حدیث پاک میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ دو بندوں کو قبول فرما لیتے ہیں اور ان سے خوش ہو کر فرشتوں میں ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ایک جب کوئی قافلہ تھکا ہوا آئے اور رات کے آخری پہر میں آکر سو جائے۔ ایک آدمی ان میں سے تھکا ہوا تھا وہ اٹھا، اس نے وضو کیا اور مصلے کے اوپر کھڑا ہو کر عبادت کرنے لگ گیا۔ اللہ تعالیٰ مسکرا کر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو باقی بھی تھکے ماندے تھے، یہ بھی تھکا ہوا تھا لیکن اس کو میری محبت نے جگائے رکھا یہ کھڑا نفل پڑھ رہا ہے۔ ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ اور دوسرا فرمایا کہ ایک وہ نوجوان کہ جس کی تہجد کے وقت آنکھ

کھلی اور اس نے وضو کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی جب کہ خوبصورت بیوی گھر میں موجود تھی۔ وہ چاہتا تو اپنا وقت اس کے ساتھ گزار سکتا تھا۔ لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ خوش ہو کر اس کو دیکھتے ہیں اور فرشتوں میں اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی نیند کی، اپنی خواہشات کی قربانی دے کر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو قبول بھی فرماتے ہیں اور مسکرا کر اس کا تذکرہ فرشتوں کی محفل میں بھی فرما دیتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنے شب زندہ دار لوگوں میں شامل فرما دے اور ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

مجاذیب کی پراسرار دنیا

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا

عِلْمًا ○ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

دنیا میں ظاہری اسباب کی اہمیت:

یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ رب العزت نے اس کے نظام کو اسباب کے تحت چلایا ہے۔ ہر چیز کا طریقہ کار اور اصول وضوابط متعین فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو بغیر روٹی کے بھی بھوک مٹا سکتے ہیں مگر ایک دستور بنا دیا کہ روٹی کھاؤ گے تو بھوک مٹے گی، پانی پیو گے تو پیاس بجھے گی، نکاح کرو گے تو اولاد ملے گی، کوشش کرو گے تو تمہیں روزی دی جائے گی۔ جب نبی اکرم ﷺ کو میدان احد میں زخم لگا تو سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے لکڑی جلا کر راکھ بنائی اور آپ ﷺ کے زخم مبارک پر لگائی۔ شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر زخم پر راکھ لگانی پڑی۔ سخت بھوک کی حالت میں بے تابی تھی کھانے کو کچھ نہیں تھا جس کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔ قانون خداوندی ہے کہ لوہا مضبوط ہوتا ہے آپ دنیا میں جہاں کہیں بھی چلے جائیں آپ آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ لوہا مضبوط ہوتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ وہ ایک جگہ تو مضبوط ہو اور جب اسے پل بنانے کے لئے استعمال کریں تو وہ پلاسٹک کی طرح نرم ہو جائے۔ لوہا

ہر جگہ لوہا ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے آج کے انجینئر آنکھ بند کر کے ایک سو دس منزلہ بلڈنگ ڈیزائن کر دیتے ہیں کہ لوہے کی مضبوطی کی وجہ سے یہ عمارت یونہی کھڑی رہے گی۔ اور وہ واقعی کھڑی رہتی ہے۔ اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہوتا تو نہ پل بنتے، نہ عمارتیں بنتیں، نہ مشینیں بنتیں اور نہ ہی انسان کی زندگی کا کاروبار چلتا۔

قدرت الٰہی کا اظہار:

عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ انسان رات کو سوئے تو فاسق ہو اور صبح کو اٹھے تو کامل ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا فرما دیں تو یہ اس کی قدرت ہے۔ یوں تو بی بی مریم کو بغیر خاوند کے بھی بیٹا دے دیا تھا۔ بعض انبیاءؑ کو ایسی عمر میں اولاد ملی جب کہ عورت بانجھ ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بشارت ملی کہ بیٹا ہوگا تو **فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ** (چہرے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی، اوہ! میں بڑھیا! اس حالت میں ماں بنوں گی) مگر یہ قدرت خداوندی کا ظہور ہے۔

عام طور پر دنیا کا نظام اسباب کے ماتحت چل رہا ہے۔ لیکن کبھی کبھی مسبب الاسباب اپنی قدرت کا اظہار فرما دیتے ہیں تاکہ لوگوں کا ایمان سلامت رہے اور وہ اسباب ہی کو خدا نہ سمجھ بیٹھیں۔ گویا اللہ رب العزت اپنی قدرت کا اظہار فرما دیتے ہیں کہ ہم نظام بنا کر اس کے پابند نہیں ہو گئے بلکہ مرضی اب بھی ہماری ہی چلتی ہے۔

روحانی اسباب:

جس طرح ظاہری طور پر مادی نظام اسباب کے تحت ہے اسی طرح روحانیت کا نظام بھی اسباب کے تحت ہے۔ جس طرح انسان مادی علوم سیکھتا ہے اسی طرح اسے روحانیت کو بھی سیکھنا پڑے گا۔ شیخ سے بیعت ہونا، ان سے ذکر و مراقبہ سیکھنا اسباب ہیں۔ رحمتیں تو اللہ تعالیٰ ہی بھیجتے ہیں مگر مراقبہ میں بیٹھنا اس کا سبب بن جاتا ہے۔

دو طرح کے انتظامات

گلشن دنیا کے کاروبار کو چلانے کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے دو طرح کے انتظامات ہیں۔

(۱) فرشتوں کے ذریعے:

کچھ تو فرشتے متعین ہیں جو دنیا کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ مثلاً پانی کے ہر قطرے کے ساتھ ایک فرشتہ ہے، جب تک وہ قطرہ پینے والے کے منہ میں نہیں چلا جاتا، وہ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہواؤں کا نظام فرشتے کے تحت، پہاڑوں کا نظام فرشتے کے تحت، رزق کا نظام فرشتے کے تحت، بندوں کی حفاظت کا نظام فرشتوں کے تحت۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے متعین ہوتے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو جن انسانوں کا نام ونشان ہی مٹا دیتے۔ اعمال لکھنے کا انتظام فرشتوں کے تحت، وَ اِنَّ عَلَیْکُم لَحَافِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اور جب مرنے لگتا ہے تو روح قبض کرنے کا انتظام فرشتوں کے تحت۔ پس اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام چلانے کے لئے کچھ انتظام فرشتوں کے ذمے لگا دیا ہے۔

(۲) انسانوں کے ذریعے:

اللہ رب العزت نے کچھ انسانوں کو بھی اس خدمت کے کام پر متعین کر دیا ہے۔ جب کوئی حاکم ملک پر حکومت کرتا ہے تو اس کے ملک میں عموماً تین طبقے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک عوام الناس کا طبقہ ہے جن کو ایک نظام کے تحت اپنی زندگی گزارنا پڑتی ہے، وہ کاروبار کریں یا نوکری کریں یا جو مرضی کریں انہیں بہر حال اس نظام کے تحت اپنی زندگی گزارنا ہے۔ دوسرا طبقہ حاکم کے نمائندوں کا ہے جو حکومتی پالیسیاں بناتے ہیں، سمجھاتے ہیں اور لوگوں کو اس قانون کے تحت زندگی گزارنے کا پابند

بناتے ہیں۔ اور تیسرا طبقہ فوج یا پولیس کا ہوتا ہے۔ یہ محکمہ جات مملکت کے کچھ خاص کاموں کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ فوج کا شعبہ مملکت کی حفاظت کے لئے متعین ہوتا ہے جب کہ پولیس کا شعبہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔

خدائی نظام:

خدائی نظام کے بھی تین حصے ہیں۔ ایک عوام الناس، جن میں سے کوئی سعید ہوگا کوئی شقی ہوگا۔ انہیں دنیا میں اپنی زندگی گزار کر آخرت کے سفر پر روانہ ہونا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے دو شعبے اور بنائے ہیں جو خدائی کام پر مامور ہوتے ہیں۔

قطب ارشاد کے فرائض:

ایک شعبے کے بڑے کو "قطب ارشاد" کہتے ہیں۔ ارشاد کہتے ہیں دعوت کو، تبلیغ کو، احیائے سنت کو، احیائے دین کے کام کو۔ قطب ارشاد اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ ہوتا ہے جس کو روحانی طور پر نبی اکرم ﷺ کا ممتاز وارث ہونے کی نسبت حاصل ہوتی ہے اور دعوت وتبلیغ کا جو کام نبی اکرم ﷺ اپنے دور میں کرتے تھے، ان کی وکالت کرتے ہوئے، ان کی نمائندگی کرتے ہوئے اور ان کا وارث ہوتے ہوئے قطب ارشاد وہی کام کر رہا ہوتا ہے۔ گویا قطب ارشاد لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے گرما رہے ہوتے ہیں اور شریعت کی بالادستی اور حاکمیت اعلیٰ کے احکامات کی تعمیل کروانے کے لئے کوششیں کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر ان کے تحت کئی اولیائے کرام ہوتے ہیں جو ان سے فیض پاتے ہیں اور آگے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اسے دعوت و ارشاد کا ایک مستقل شعبہ سمجھ لیجئے۔

قطب مدار کے فرائض:

ایک شعبہ اور ہوتا ہے جس کا فوج کی طرح رعایا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ان کا تعلق ملک کی حفاظت، سلامتی اور امن وامان سے ہوتا ہے۔ اس شعبے کے بڑے کو "قطب مدار" کہتے ہیں۔ ان کے تحت آگے اور کئی اولیائے کرام ہوتے ہیں۔ جن کے ذمے مختلف کام لگے ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق کائنات کے نظام کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے فرشتوں کی جماعت نظام سنبھالنے کے لئے بنی، یہ بندے بھی نظام سنبھالنے کے لئے پیدا کئے گئے۔

جب کسی کو فوجی بنایا جاتا ہے تو اسے وردی پہنا دی جاتی ہے تاکہ عوام میں اور ان میں فرق ہو سکے۔ اسی طرح اللہ رب العزت جب کسی بندے کو تکوینی نظام سے متعلق کسی کام پر متعین فرماتے ہیں تو ظاہری طور پر اس پر نیم بے ہوشی کا عالم طاری فرما دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ عام دنیا کے لوگوں سے بات چیت کے قابل نظر ہی نہیں آتے۔ وہ لگن کے ساتھ اپنے کام میں مگن ہوتے ہیں۔

قطب ارشاد کی فضیلت:

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ دعوت وارشاد کا راستہ افضل ہے۔ اسی لئے قطب مدار ہمیشہ قطب ارشاد کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں قطب ارشاد بھی ہوں گے اور قطب مدار بھی ہوں گے مگر قطب مدار ماتحت ہوں گے قطب ارشاد کے۔ وہ اپنے سب معاملات کی رپورٹ قطب ارشاد کو بتائیں گے۔ چونکہ قطب ارشاد دعوت وتبلیغ، اشاعت دین، شریعت کا کام، مدارس، مساجد، مکاتب اور روحانیت کا نظام چلاتے ہیں اس لئے شریعت نے قطب ارشاد کو فضیلت بخشی ہے۔

مجنون اور مجذوب میں فرق:

جو لوگ ظاہراً ایک عام انسان کی طرح عقلمند نظر نہیں آتے اور ایک خاص حالت میں رہتے ہیں، لوگ ان کو مجنون کہتے ہیں یا مجذوب۔ یعنی مجنون کو دیکھو تو وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے، نہ کھانے سے واسطہ، نہ پینے سے واسطہ اور نہ ہی دوسری

چیزوں سے تعلق ہوتا ہے۔ مجذوب کا لفظ "جذبہ" سے نکلا ہے۔ لہٰذا مجذوب کے اندر ایک خاص جذبہ ہوتا ہے مگر یہ بھی ظاہراً مجنون کی طرح ہی عجیب سی حرکتیں کرتا ہے۔ مجنون اور مجذوب دونوں کی زندگی عام لوگوں سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ مگر مجنون بیمار ہوتا ہے جب کہ مجذوب اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ دونوں کی ظاہری مشابہت کی وجہ سے سالکین پریشان ہوکر ان کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو مجنون کو بھی مجذوب ہی کہہ دیتے ہیں۔ جو بھی پاگل اور دیوانہ دیکھا اسی کو مجذوب اور خدا کا ولی سمجھ لیا۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو مجذوب لوگوں کو بھی مریض سمجھ لیتے ہیں۔ اعتدال کی راہ اپنانے کے لئے چند نکات بیان کئے جاتے ہیں تا کہ آپ کا عقیدہ اور عمل سلف صالحین کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہو جائے۔

سب سے بڑی نشانی تو یہ ہے کہ مجنون ہمیشہ بے چین نظر آئے گا جب کہ مجذوب ہمیشہ مطمئن نظر آئے گا۔ یعنی مجنون کو کسی کل چین نہیں ہوتا، اس کا دماغ خراب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر وقت ہلتا جلتا رہتا ہے۔ بے چینی کی وجہ سے وہ کبھی کوئی حرکت کرتا ہے اور کبھی کوئی۔ مجذوب بھی ظاہر میں اسی طرح ہوتا ہے مگر اس کے اعمال میں آپ کو بے چینی نظر نہیں آئے گی۔ گویا مجنون پر بے چینی غالب ہوگی اور مجذوب پر اطمینان غالب ہوگا۔

مجذوب بننے کے لئے ہاتھ کھڑا کریں:

اگر کوئی آدمی مجذوب کے پاس جائے، اس کی خدمت کرے اور مجذوب اس پر مہربان ہو جائے تو مجذوب اس کو اس درجہ تک پہنچا سکتا ہے جہاں پہ وہ خود ہوتا ہے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ کرے گا تو وہ اسے اپنی طرح کا مجذوب بنا دے گا۔ اب بتاؤ، بھئی! جس جس نے مجذوب بننا ہو وہ ہاتھ کھڑا کریں۔ ہم میں سے تو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ ایسی زندگی گزارے۔ ہر بندہ پسند کرے گا کہ شریعت وسنت کی

اتباع کی جائے تا کہ روز محشر شرع شریف پر عمل کرنے والے بندوں میں ہمارا شمار کر لیا جائے۔

مجذوب کی اقسام:

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مجذوب بنتے کیسے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مجذوب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہبی مجذوب اور دوسرے کسبی مجذوب۔

(۱) وہبی مجذوب:

اللہ رب العزت نے جب روز میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ارشاد فرمایا اور اپنے جمال کا جلوہ دکھایا تو کچھ عشق والے ایسے تھے جو مست ہو گئے۔ وہ جمال الٰہی کے مشاہدے میں ایسے مستغرق ہوئے یا اس تجلی کا نقش ان کے دل و دماغ پر یوں بیٹھا کہ اپنے ہوش گم کر بیٹھے۔ ان کو وہبی مجذوب کہتے ہیں۔ وہ ماں کے پیٹ میں بھی مجذوب، بچپن میں بھی مجذوب، جوانی میں بھی مجذوب، بڑھاپے میں بھی مجذوب رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں دنیا سے گزر جاتے ہیں۔

(۲) کسبی مجذوب:

کسبی مجذوب عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو ابتدا میں دعوت و ارشاد کے صحیح راستے پر چلتے ہیں، سالکین طریقت بنتے ہیں مگر سلطان الاذکار کے سبق پر رک جاتے ہیں۔ ان کے رگ و ریشہ سے جو اللہ اللہ نکلتی ہے وہ اس حال میں مغلوب ہو جاتے ہیں۔

دوسرے وہ جو کسی مجذوب کے پاس جاتے ہیں اور راہ و رسم رکھنے یا کسی خدمت کی وجہ سے مجذوب کسی طرح ان پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بھی مجذوب

بن جاتے ہیں۔

حضرت بابو جی عبداللہؒ پر ایک مجذوب کا وار:

حضرت بابو جی عبداللہؒ نے فرمایا کہ ایک مجذوب مجھ پر بہت مہربان تھا۔ ایک مرتبہ وہ مجھے ملا اور کہنے لگا لا الہ الا اللہ پڑھو۔ میں نے پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس نے ہر چند زور لگایا کہ میں لا الہ الا اللہ پڑھوں مگر میں ہر بار لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا رہا۔ فرمانے لگے اگر میں واقف نہ ہوتا اور اس کے کہنے پر فقط لا الہ الا اللہ پڑھ دیتا تو میں اسی وقت مجذوب بن جاتا۔

ایم بی بی ایس ڈاکٹر ابدال کیسے بنا؟

حضرت سید زوار حسین شاہؒ سے اس عاجز نے ایک واقعہ خود سنا۔ ان کے دور میں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر صاحب کا ایک مجذوب کے پاس اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ مجذوب فوت ہونے لگا تو ان کو کوئی چیز کھانے کو دے گیا۔ انہوں نے وہ چیز کھائی تو وہ بھی مجذوب بن گئے۔ اب وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بغیر ازار بند کے صرف ایک پاجامہ پہننے لگ گئے۔ حالت یہ تھی کہ پاجامہ ہاتھ میں لے کر چلتے پھرتے تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب ایک حکیم صاحب کے پاس آتے جاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم بھی حکیم صاحب سے ملنے گئے تو اوپر سے وہ ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے۔ حکیم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر انہیں فرمایا کہ میں ذرا مصروف ہوں، ملنے والے بیٹھے ہیں، اس لئے تھوڑی دیر تشریف رکھیں۔ انہوں نے اشارہ کیا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد وہ ہمارے ہی پاس بیٹھ گئے۔ میں حیران تھا کہ جب میں ان کی طرف دیکھتا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگتے اور جب میں ادھر ادھر دیکھتا تو وہ فوراً میرا چہرہ دیکھنا شروع کر دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے حکیم صاحب کے کاغذوں میں سے ایک کاغذ اٹھایا اور قلم لے کر کچھ گنگنانے بھی لگے اور لکھنے بھی لگے۔

جب میں نے ان کی گنگناہٹ پر تھوڑی سی توجہ دی تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ عربی کے بہت ہی عجیب اشعار پڑھ رہے ہیں۔ سمجھ میں تو نہیں آتی تھی مگر اس کی سُر ایسی بنتی تھی کہ اس سے میں نے پہچان لیا کہ وہ محبت الٰہی کے اشعار گنگنا رہے ہیں۔ حالانکہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر کو عربی سے کیا واسطہ؟ یہ بیچارے تو ٹوٹ مٹ پڑھتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈاکٹر صاحب اٹھے اور اشارہ کیا کہ اب میں جاتا ہوں۔ حکیم صاحب نے کہا ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے کہ آپ اتنے دن ہمارے پاس نہیں آئے؟ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے "اب ہم دال ہو گئے ہیں" یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔ بعد میں حکیم صاحب نے سید زوار حسین شاہؒ سے عرض کیا، کیا آپ کو پتہ چلا کہ یہ کیا کہہ گئے ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا، میں تو نہیں سمجھا۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ یہ کہہ گئے ہیں "اب ہم دال ہو گئے" مطلب یہ کہ اب میں ابدال بن گیا ہوں۔ صحیح بتانے کی بجائے کہ ہم ابدال ہو گئے، اس نے اب کو پہلے کہا اور دال کو بعد میں۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی حیرانی ہوئی کہ واقعی بات تو ایسی ہی کر گیا ہے لیکن حکیم صاحب نے اشارہ سمجھ لیا۔

پھر اس کے بعد انہوں نے ایک عدسہ منگوایا جو حروف کو بڑا کر کے دکھاتا ہے۔ اس کی مدد سے دیکھا تو میں حیران رہ گیا کہ ظاہراً تو نظر آتا تھا کہ انہوں نے ایسے ہی نشان سے لگا دیئے ہیں لیکن جب اس سے بڑا کر کے دیکھا تو پتہ چلا کہ عربی کا شعر اتنا خوبصورت لکھا ہوا تھا کہ ایسا تو کوئی کاتب بھی نہیں لکھ سکتا تھا۔

مجذوب کی ایک خاص کیفیت:

مجذوب لوگ قدرت کی طرف سے انتظامی امور سے متعلق خاص کاموں پر متعین ہوتے ہیں مگر ان سے عموماً کوئی کام بھی خلاف شرع نہیں ہوتا۔ ان سے قلم اٹھا لیا جاتا ہے۔ ان میں بسا اوقات اتنی ہوش ضرور ہوتی ہے کہ کبھی کبھی بات چیت کر لیتے

ہیں۔ جیسے جانوروں میں عقل تو نہیں ہوتی مگر انہیں اپنے مالک کی یا غیر کی پہچان ضرور ہوتی ہے۔ کیا چیز کھانی ہے اور کیا چیز نہیں کھانی، اس کی بھی انہیں پہچان ہوتی ہے۔ عام طور پر ان کو ہوش نہیں ہوتا۔

کامل مجذوب کی پہچان:

سید غوث علیؒ نے دو مجذوبوں کو دیکھا، کسی ظالم نے ان کو پکڑ کر ان کی رانوں پر انگارے رکھ دیئے۔ ان میں سے جو کامل تھا وہ جل گیا اور جو کامل نہ تھا اس نے انگارے کو ہٹا دیا۔ اس لئے مجذوبوں میں جو جتنا کامل ہوگا وہ اتنا ہی بے ہوش ہوگا۔ بے ہوش سے مراد یہ کہ اسے دنیا کی ہوش نہیں ہوتی۔ بس وہ ایک خاص حال میں مگن نظر آتے ہیں۔

مجنون لوگوں کا جنت میں داخلہ:

مجنون سے بھی مجذوب کی طرح شریعت کا قلم اٹھالیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجنون لوگوں کو اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دیں گے۔ علماء نے اس کی وجہ لکھی ہے کہ چونکہ اس کی شکل انسانوں والی ہوتی ہے اس لئے احترام انسانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کی بجائے جنت عطا فرما دیں گے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ احترام انسانیت کی وجہ سے بعض بندوں کو جہنم سے بچا لیں گے تو جو لوگ شریعت و سنت پر چلنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مہربانی کیوں نہ فرمائیں گے۔

مجاذیب کے حیرت انگیز واقعات

مجذوب لوگوں کے واقعات بھی بڑے عجیب وغریب ہوتے ہیں، ان کو پڑھ سن کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔

مجذوب کی دعا کے ثمرات:

حکیم سنائیؒ کے والد مخدوم صاحب کو ایک مجذوب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے بیٹا دے گا جو مرد ہوگا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد حکیم سنائی پیدا ہوئے۔ حکیم سنائی لڑکپن میں اپنے ایک دوست عثمان خیر آبادی کے ساتھ مل کر کھیلتے تھے۔ ایک دن ان دونوں کو ایک مجذوب کہنے لگا، کاک (روٹی) اور شوربہ لاؤ۔ دونوں نے کہا، اچھا۔ ان کے پاس پیسے نہیں تھے چنانچہ ایک نے اپنی کوئی چیز بیچ کر کاک (روٹی) خریدی اور دوسرے نے اپنی کوئی چیز بیچ کر شوربہ خریدا اور وہ دونوں چیزیں مجذوب کے پاس لائے۔ اس نے کھا کر ان دونوں کو دعا دی۔ وہ دونوں اپنے وقت کے بڑے نامور لوگ بنے۔ عثمان خیر آبادیؒ سے اللہ تعالیٰ نے روحانیت کا کام لیا اور حکیم سنائیؒ اپنے وقت کے حکیم بھی تھے اور شاعر بھی۔ حتیٰ کہ علامہ اقبال نے بھی ان کے اشعار پر تضمین لکھی۔

ابن عربیؒ کی ایک مجذوب سے ملاقات:

ابن عربیؒ نے ایک مجذوب کو دیکھا کہ وہ ظاہر میں نماز بھی پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا، میاں! کیا کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگا، مجھے تو پتہ ہی نہیں، وہی مجھے اٹھاتا ہے اور وہی مجھے بٹھاتا ہے۔ ابن عربیؒ نے اپنی کتاب میں اس کو نقل کیا ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی ایک مجذوب سے ملاقات:

خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو جب خلافت ملی تو وہ حضرت خواجہ رتنؒ کے مزار پر چالیس دن تک معتکف رہے۔ اسی دوران انہوں نے پھولوں کی ایک بیل دیکھی، جو تازہ تازہ لگائی گئی تھی۔ پر وہ بیل چند دنوں میں بڑی ہوگئی۔ ایک دن جب دیکھا کہ

پھول بھی لگ چکے ہیں تو دعا مانگی، رب کریم! اتنے دنوں میں تو ایک بیل پر بھی پھول لگ گئے، میں تیری عبادت میں یہاں بیٹھا ہوں، اے اللہ! میرے اندر بھی تقویٰ کے پھول لگا دے۔ ان کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ چالیس دن مکمل کر کے جب نکلے تو راستے میں ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے توجہ دی اور آپ کا معاملہ ہی کچھ اور بن گیا۔

نسل در نسل بادشاہت:

سبکتگین غزنی کے بادشاہ اور سلطان محمود غزنوی کے والد تھے۔ وہ فوج میں ایک عام سپاہی تھے۔ ان کے گھر میں ایک اللہ والے آئے۔ وہ اللہ والے کی مہمان نوازی کرتے، مسجد جاتے تو وہ ان کے ادب کی وجہ سے چند قدم پیچھے چلتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا کہ وہ سپاہی سے جرنیل بنے، پھر وقت کے بادشاہ بن گئے۔ جتنے قدم اس بزرگ سے پیچھے چلتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اتنی ہی نسلوں میں بادشاہت چلا دی۔

مجذوب نے ہاتھی کو گرا دیا:

ایک مرتبہ سبکتگین کے ہاتھی کسی راستے پر جا رہے تھے۔ ایک مجذوب ہاتھی کے قریب سے گزرنے لگا۔ راستہ تھوڑا ہونے کی وجہ سے وہ مجذوب دیوار اور ہاتھی کے درمیان آ گیا۔ مجذوب نے ہاتھی کو بس ہاتھ لگایا اور کہا، پیچھے ہٹ۔ اتنا بڑا ہاتھی وہیں گر گیا۔

چاند کو پیالے میں چھپانا:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد شاہ عبدالرحیم نقشبندیؒ نسبت کے حامل تھے مگر اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔ ایک مرتبہ سوچا کہ میں ظاہر میں مجاہدین والا لباس کیوں نہ پہن لوں؟ چنانچہ مجاہدوں والی وردی پہن کر پھرتے رہتے۔ ایک مرتبہ

ایک مجذوبہ نے دیکھ لیا تو کہنے لگی، دیکھو! یہ چاند کو پیالے کے نیچے چھپاتا پھرتا ہے۔

ایک مجذوبہ کا پردہ کرنے کا واقعہ:

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ امام مالک کی اولاد میں سے تھے اور ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل بزرگ تھے۔ ان کا گھر بخارا سے ۱۸ کلومیٹر کے فاصلے پر غجدوان میں تھا۔ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے کہ ایک مجذوبہ نے دیکھ لیا۔ اس کے جسم پر پورے کپڑے بھی نہ تھے۔ جیسے ہی انہیں دیکھا اس نے اسی وقت ایک تنور میں چھلانگ لگا دی۔ حالانکہ آگ جلنے کے بعد اس میں انگارے موجود تھے۔ جب حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ چلے گئے تو وہ تنور سے باہر نکلی۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو ویسے تو ننگی پھرتی رہتی ہے اور ان کو دیکھ کر تو نے تنور میں چھلانگ لگا دی۔ وہ کہنے لگی، ہاں بڑی مدت کے بعد ایک مرد نظر آیا، مرد سے پردہ کرنے کا حکم ہے، ڈنگروں اور جانوروں سے تو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

بکریوں کی حفاظت کرنے والے بھیڑیئے:

حضرت اقدس تھانویؒ کے نانا نے ایک مجذوب کو دیکھا کہ بھیڑیئے اس کی بکریوں کی حفاظت پر مامور ہیں۔ انہوں نے پوچھا، میاں! بھیڑیئے تو جانوروں کو کھا جاتے ہیں، تیری بکریوں کو کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے جواب دیا، کہ میں اپنے مولا کا کام کرنے میں مشغول ہوں تو اس کے بھیڑیئے میری بکریوں کی حفاظت کرنے میں مشغول ہیں۔

خواجہ باقی باللہؒ کو ایک مجذوب کی نصیحت:

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو ایک مجذوب ملا۔ حضرتؒ کو ان دنوں علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ پاس سے گزرے تو اس مجذوب نے ایک شعر پڑھا۔ کہنے لگا

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدارا
سیپارۂ دل بیں کہ کتاب بہ ازیں نیست

(تجھے صرف کنز اور ہدایہ پڑھنے سے خدا نہیں ملے گا۔ دل کے سیپارے کو پڑھ لے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔)

حالانکہ اس مجذوب کو پتہ بھی نہ تھا کہ وہ کون ہیں۔

تفسیر دل:

حضرت مرشد عالمؒ فرماتے تھے کہ میں درس قرآن کے وقت قرآن مجید کی تفسیر کرتا تھا تو بعض علما حضرت صدیقیؒ سے آکر پوچھتے تھے کہ حافظ غلام حبیب صاحب کونسی تفسیر پڑھتے ہیں؟ حضرت صدیقیؒ فرماتے کہ وہ تفسیرِ دل پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر علوم و معارف کی بارش برساتے ہیں۔

دو مجذوبوں کی انتظامی امور میں تعیناتی:

کچھ مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو انتظامی امور پر مامور ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا، حضرت! آج کل تو حالات بہت ہی ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ کوئی نظم و نسق اور قانون نہیں ہے، سب لوگ من مرضی کرتے پھرتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، ہاں بھئی! جو بندہ انتظامی امور پر متعین ہوا ہے وہ طبیعت کے لحاظ سے بہت ہی ڈھیلا ہے۔ اس نے پوچھا، حضرت! وہ کون ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا، وہ جو جامع مسجد کے سامنے خربوزے بیچ رہا ہے۔ وہ آدمی گیا تو دیکھا کہ ایک سادہ سا آدمی بیٹھا ہوا خربوزے بیچ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خربوزے خریدنے ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ خرید لیں۔ اس آدمی نے کہا کہ چکھنے کے بعد خریدوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ چکھ لو۔ اب اس نے ایک خربوزہ کاٹا، چکھا اور کہنے لگا کہ یہ تو مجھے پسند نہیں ہے، دوسرا کاٹا اور کہا پسند نہیں ہے حتیٰ کہ سارے خربوزے کاٹ کر

چکھے اور کہا کہ مجھے تو کوئی بھی خربوزہ پسند نہیں۔ اس نے کہا، اچھا اگر کوئی بھی پسند نہیں تو چلے جاؤ۔ وہ کہنے لگا بالکل ٹھیک، نظام بھی ایسا ہی ہے۔

کچھ دن گزرے تو نظام ایسا ٹھیک ہوا کہ حکام سخت ہو گئے۔ وہ پھر کہنے لگا، حضرت! آج کل تو بڑی سختی ہے۔ حضرتؒ فرمانے لگے، میاں! آج کل بڑا سخت بندہ آیا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا، حضرت! وہ کون ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا، وہ جو فلاں جگہ پر مشک سے پانی پلاتا ہے۔ اس نے کہا اچھا جا کر دیکھتا ہوں۔ گرمی کا موسم تھا، وہ شخص گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی دوپہر کے وقت پانی پلانے کے لئے مشک بھر کر کھڑا ہے۔ اس نے اس سے کہا، جی پانی تو پلا دیں۔ اس نے پیالہ بھر کر دے دیا۔ اب اس شخص نے پیالے میں پانی کو دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ پانی تو ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ یہ کہہ کر اس نے پیالے کو انڈیل دیا اور کہا، پیالے میں اور پانی ڈال دو۔ وہ کہنے لگا کہ پہلے اس پانی کے پیسے ادا کرو جو پھینکا ہے پھر دوسرے کی بات کرنا۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا واقعی بات تو ٹھیک ہے کہ آج کل نظام ہی ایسا ہے۔

اورنگزیب عالمگیرؒ کو تخت و تاج ملنے کا واقعہ:

اگر حضرت اقدس تھانویؒ جیسے محقق، حکیم، عالم اور فقیہہ کوئی واقعہ لکھتے ہیں تو وہ ہمارے لئے سند ہوتا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ دارا شکوہ اور اورنگزیب عالمگیرؒ دونوں بھائی تھے۔ ان کی آپس میں اقتدار کی کشمکش تھی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ تخت و تاج مجھے ملے۔ دارا شکوہ چاہتا تھا کہ میرا حق بنتا لہذا بادشاد مجھے بننا چاہئے جب کہ اورنگزیب عالمگیرؒ مشائخ کی صحبت پا چکے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ اگر مجھے سلطنت کا انتظام مل جائے تو میں بدعات کا خاتمہ کر کے شریعت و سنت کی بالا دستی قائم کر دوں گا۔

دارا شکوہ کو کسی نے بتایا کہ فلاں جگہ پر ایک مستجاب الدعوات بزرگ رہتے ہیں،

ان سے دعا کروائیں۔ جب وہ وہاں گئے تو اس بزرگ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور بیٹھنے کے لئے اپنا مصلےٰ پیش کیا۔ دارا شکوہ نے ازراہ ادب کہا، نہیں جی، میں اس قابل کہاں کہ اس جگہ بیٹھ سکوں۔ اگر انہوں نے بزرگوں کی صحبت پائی ہوتی تو سمجھتے کہ الامر فوق الادب کہ حکم کا درجہ ادب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس بزرگ نے پھر فرمایا کہ یہاں بیٹھ جاؤ۔ مگر اس نے دوسری مرتبہ پھر کہا، حضرت! میں اس قابل کہاں، انہوں نے تیسری مرتبہ اصرار کیا کہ بیٹھیے۔ لیکن کہنے لگا، جی نہیں، آپ ہی بیٹھیے۔ جب وہ بیٹھ گئے تو دارا شکوہ بھی ان کے سامنے بیٹھا۔ ان کی آپس میں بات چیت ہوتی رہی۔ پھر جب اٹھنے لگے تو کہا، حضرت! دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے تخت و تاج عطا فرما دیں۔ بزرگ فرمانے لگے کہ ہم نے مصلےٰ تو پیش کیا تھا آپ خود ہی نہیں بیٹھے تو کیا کریں اب تو وقت گزر چکا ہے۔ اسے بہت زیادہ افسوس ہوا۔ اب اس نے سوچا کہ کہیں اورنگزیب عالمگیر کو پتہ نہ چل جائے لہٰذا اس نے اس بات کو چھپائے رکھا۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ کچھ عرصہ کے بعد اورنگزیب عالمگیرؒ کو بھی کسی نے بتا دیا کہ فلاں جگہ پر ایک مستجاب الدعوات بزرگ رہتے ہیں، آپ ان کے پاس جائیں۔ اورنگزیب عالمگیرؒ تو ویسے ہی اللہ والوں کے صحبت یافتہ اور صاحب نسبت تھے۔ چنانچہ وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو اس بزرگ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور کہا، جی آیئے تشریف لایئے اور بیٹھیے۔ انہوں نے ازراہ ادب کہا، حضرت! میں اس قابل کہاں۔ انہوں نے فرمایا، نہیں نہیں بیٹھو۔ جب دوبارہ کہا کہ بیٹھو تو وہ ان کے مصلے پر بیٹھ گئے۔ بات چیت ہوتی رہی۔ جب اٹھنے لگے تو انہوں نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں شریعت و سنت کی بالا دستی قائم کرنے کے لئے کام کروں، اس لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے تاج و تخت عطا فرما دیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے، کہ بھئی! تخت تو ہم تجھے پہلے ہی دے چکے ہیں۔ جب انہوں نے تخت کا نام لیا تو وہ پہچان گئے کہ اہل اللہ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ معنی رکھتا ہے۔ لہٰذا

کہنے لگے، حضرت! تخت تو مل گیا اور کیا تاج نہیں ملے گا؟ فرمایا، تاج کا نظام تو آپ کو وضو کروانے والے کے پاس ہے۔

اورنگزیب عالمگیرؒ کو فوراً یاد آیا کہ ہاں شہزادہ ہونے کی وجہ سے محل میں میرا ایک خادم ہے۔ وہ واقعی نیک آدمی ہے، مٹا ہوا ہے اور وہی مجھے وضو بھی کرواتا ہے۔ مجھے تو پتہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ واپس آ کر سوچ میں پڑ گئے کہ میں ان سے اپنے سر پر تاج کیسے رکھواؤں چونکہ صحبت یافتہ تھے اس لئے سمجھ گئے کہ بے موقع کہنا تو ادب کے خلاف ہوگا۔

وہ عمامہ تو باندھتے ہی تھے۔ اگلی دفعہ جب وضو کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو جان بوجھ کر مصروف کر لیا اور انہیں کہا کہ یہ عمامہ میرے سر پر رکھ دیجئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں اس قابل کہاں کہ میرے ہاتھ آپ کے سر تک پہنچیں۔ وہ فرمانے لگے، نہیں نہیں، عمامہ رکھ دیجئے۔ تھوڑی دیر تک تو انہوں نے انکار کیا لیکن اورنگزیب عالمگیرؒ اصرار کرتے رہے۔ بالآخر انہوں نے عمامہ اٹھا کر اورنگزیب عالمگیرؒ کے سر پر رکھ دیا اور اس بزرگ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ اس نے میرا راز فاش کر دیا۔ اس طرح کا نظام اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سپرد کیا ہوتا ہے۔ ان کو پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ ان کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ باطنی فراست اور بصیرت رکھنے والے تو ان کو پہچانتے ہیں، ہر بندہ نہیں پہچانتا۔

سراپا تسلیم و رضا

اس سلسلہ میں آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے ذمے اس قسم کے کام متعین ہوتے ہیں تو کیا پھر ہمیں انہی کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہئے تاکہ سارے کام ہوتے رہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ وہ ہر کام میں حکم الٰہی کے پابند ہوتے ہیں۔ بال برابر بھی کوئی کام اپنی مرضی کے مطابق نہیں کرتے۔ وہ

سراپا تسلیم و رضا ہوتے ہیں۔ بلکہ مجذوب تو کیا ان کے سردار تاجدار مدینہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِکُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا، میں تو اس بات کی اتباع کرتا ہوں جو میرے اوپر وحی آتی ہے۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ میں تسلیم و رضا:

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ سے کسی نے کہا، حضرت! انگریز کی ہندوستان پر گرفت تو مضبوط ہوتی جا رہی ہے، کیا یہ اولیا کچھ بھی نہیں کر سکتے؟ مولانا یعقوب نانوتویؒ نے فرمایا، میاں! ایک تسبیح گھمانے کی بات ہے، مگر کیا کریں کہ اوپر سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ میں تسلیم و رضا:

جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاری فتنہ اٹھا اس وقت تذکرۃ الاولیاء کے مصنف خواجہ فریدالدین عطارؒ زندہ تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ تاتاری لشکر ان کے شہر کی طرف آ رہا ہے۔ جس وقت اطلاع ملی اس وقت وہ پیالے میں کچھ پی رہے تھے۔ انہوں نے اس پیالے کو دوسری سمت گھما دیا۔ جب پیالے کو گھمایا تو لشکر راستہ بھول گیا۔ پورے کا پورا لشکر کسی اور سمت میں چلا گیا۔ ایک سال اسی طرح گزر گیا

ایک سال کے بعد دوبارہ پتہ چلا کہ تاتاری لشکر اس شہر کی طرف آ رہا ہے۔ انہوں نے پھر ارادہ کیا کہ میں کچھ کروں، مگر الہام ہوا کہ پیارے! مرضی تو ہماری چلتی ہے، یہ قضا و قدر کے فیصلے ہیں جو آپ کو تسلیم کرنا پڑیں گے۔ چنانچہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے کہ اے اللہ! جب تیری رضا یونہی ہے، جب تیری قضا و قدر کے فیصلے ایسے ہی ہیں تو ہم کٹ جائیں گے۔ پھر نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تاتاری لشکر آیا، انہوں نے

شہر فتح کیا اور لوگوں کا قتل عام کیا۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ بھی انہی شہید ہونے والوں میں سے تھے۔

مولانا تاج محمود امروٹیؒ میں تسلیم ورضا:

جب ریشمی رومال کی تحریک چل رہی تھی اس وقت اولیاء اور علماء میں انگریز کے خلاف بڑا غصہ تھا۔ مولانا تاج محمود امروٹیؒ ایک موقع پر بات کرتے ہوئے بڑے جلال میں آ گئے اور فرمانے لگے، جی تو چاہتا ہے کہ ایڈورڈ کے محل میں گھس کر اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا دبا دوں مگر کیا کروں کہ مجھے اوپر سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ میں تسلیم ورضا:

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ ایک محفل میں فرمانے لگے کہ اگر میں ایک توجہ کروں تو پورے مجمع کو تڑپا کر رکھ دوں مگر کیا کروں، مجھے اوپر سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

خواجہ عبیداللہ احرارؒ میں تسلیم ورضا:

ایک مرتبہ خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے سامنے بتایا گیا کہ بادشاہ بڑا نافرمان بنتا چلا جا رہا ہے۔ فرمانے لگے، اگر تصرف کروں تو بادشاہ ننگے پاؤں دوڑتا ہوا ابھی چل کر یہاں آ جائے مگر کیا کروں کہ اوپر سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

فاعل حقیقی:

میرے دوستو! جب مرضی مولا کی چلنی ہے تو مجذوبوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے کیوں نہ ہم اپنے مولا کی مرضی کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر لیں۔ یاد رکھیں کہ جب ہم اپنے رب کو منانے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے

کارندوں میں سے کسی کارندے کو ہمیں فیض پہنچانے کے لئے متوجہ فرما دیں گے۔ ظاہرا تو اس کے کارندے کے ذریعے کام ہوتا نظر آئے گا مگر حقیقت میں مرضی اسی کی چلے گی۔

حسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یونہی نام ہوتا ہے

جلوے دکھانے کا انتظام تو خود حسن نے کیا ہوتا ہے اور نام عشق کا لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی ذات کے جمال کا مشاہدہ حاصل کرنے کی توفیق نصیب فرما دے اور روز محشر ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرما دے۔

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمین .

شرم وحیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ. وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ.

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

سیرت طیبہ کے مختلف پہلو:

ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے متعلق محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ کسی محفل میں ولادت باسعادت کی بات ہوتی ہے، کسی محفل میں عشق رسول ﷺ کے عنوان پر بات ہوتی ہے، کسی محفل میں اتباع سنت کی بات ہوتی ہے، کسی محفل میں اکابرین امت اور عشق رسول اللہ ﷺ کے عنوان پر گفتگو ہوتی ہے۔ اس طرح سیرت طیبہ کو اجاگر کرنے کے مختلف انداز ہیں۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُکَ وَاحِدٌ
وَ کُلُّ شَیْءٍ اِلٰی ذَاتِ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

(عبارتیں مختلف، مضمون سب کا ایک ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں ایک ہی ہستی کے حسن و جمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔)

حیاء ایمان کا شعبہ:

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ تلاوت کی گئی۔ ارشاد فرمایا اَلْحَیَاءُ

شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔ مؤمن باحیاء ہوتا ہے، اس کی زندگی پاکیزہ ہوتی ہے، عفیف زندگی ہوتی ہے، پاکدامنی والی زندگی ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ رب العزت کی اس پر خصوصی رحمتیں ہوتی ہیں۔ گویا نبی اکرم ﷺ نے حیاء کی اتنی تعلیم دی کہ اسے ایمان کا شعبہ قرار دے دیا۔

نبی اکرم ﷺ کی شرم وحیاء کا عالم:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں جب کبھی نبی اکرم ﷺ کی مبارک آنکھوں کو دیکھتی تھی تو مجھے آپ ﷺ کی آنکھوں میں وہ حیاء نظر آتی تھی جو مدینہ کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔

غیرت کا مقام:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا غَیْرَةَ لَهُ اس کا ایمان ہی نہیں جس کے اندر غیرت نہیں۔ گویا مومن غیور ہوتا ہے۔ غیور کا کیا مطلب؟ غیور کا مطلب یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور فحش کاموں سے دور رہتا ہے۔ ایسا انسان گناہوں سے پاک ایسی زندگی گزارتا ہے کہ غیرت اس کا اوڑھنا بچھونا بن جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اَلْغَیْرَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ غیرت ایمان کا حصہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اَنَا اَغْیَرُ وُلْدِ آدَم کہ آدمؑ کی جتنی اولاد ہے میں ان میں سے سب سے زیادہ غیرت مند ہوں۔ وَاللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّی اور اللہ رب العزت مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ غیرت والی زندگی کو پسند فرماتے ہیں۔

شریعت اسلامی کا حسن:

اس چیز کو شریعت نے پسند کیا کہ انسان پاک دامنی کی زندگی گزارے اور اخلاقی گناہوں سے بچے۔ اسلام نے عفت و پاک دامنی کا ایسا سبق دیا کہ دنیا کے کسی

مذہب نے ایسا سبق نہیں دیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ شریعت اسلامی کا یہ حسن ہے کہ مرد کو اپنی جگہ تعلیم دی اور عورت کو اپنی جگہ تعلیم دی تا کہ وہ دونوں گناہوں سے بچ سکیں۔ عورت سے کہا کہ تم کسی شرعی ضرورت کے بغیر اپنے گھر سے نہ نکلو اور اگر نکلنا بھی ہو تو اپنے جسم کو پردے میں چھپاؤ۔ نیز حکم دیا کہ تم راستوں کے درمیان میں چلنے کی بجائے کناروں پر چلو۔ تمہارا چلنا بھی اس انداز کا ہو کہ کوئی یہ نہ پہچان سکے کہ تمہاری جوانی کی عمر ہے۔ اگر کسی تقریب میں بھی آنا جانا ہو تو ایسی خوشبو مت استعمال کرو جو پھیلنے والی ہو۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ عورت کے لئے بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ زیادہ مگر پھیلتی کم ہو۔ نیز فرمایا کہ ایسا لباس مت پہن کر نکلو جس کو دیکھ کر غیر محرم لوگوں کی نگاہیں تم پر پڑیں۔

بے پردہ عورت کا انجام:

بے پردہ باہر نکلنے والی عورت کو سختی سے منع کیا گیا۔ فرمایا رُبَّ قَاسِيَةَ عَارِيَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وہ عورتیں جو بے پردہ ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکلیں گی اللہ رب العزت روز محشر ان کا یہ حشر فرمائیں گے کہ ان کو ننگا کر کے جہنم کے اندر دھکا دلوا دیں گے۔ یہ کس لئے؟ اس لئے کہ اس نے حیاء کی چادر کو خود اتار دیا تھا۔

یمن سے مدینہ تک شرم و حیاء کا عالم:

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں حیاء والی صفت ایسی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی کہ ان کی نگاہیں غیر کی طرف اٹھتی ہی نہیں تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر ابن الخطابؓ کے دور میں ایک عورت یمن سے چلی اور مدینہ طیبہ اکیلی آئی۔ اس نے مہینوں کا سفر کیا، وہ رات کو بھی کہیں ٹھہرتی ہوگی، اس کے پاس مال بھی تھا، اسے جان اور اپنی عزت و

ناموس کا بھی خطرہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو آپ نے انہیں بلوایا۔ پہلے یہ پوچھا کہ اکیلی کیوں آئی؟ اس نے کوئی عذر پیش کیا۔ پھر آپؓ نے ایک سوال پوچھا کہ بتاؤ، تم جوان العمر عورت ہو، تم نے اکیلے سفر کیا، آبادیوں سے بھی گزری، ویرانوں سے بھی گزری، تمہیں جان و مال اور عزت و آبرو کا بھی خطرہ تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے یمن سے مدینہ تک کے لوگوں کو کس حال پر پایا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین! میں یمن سے چلی اور مدینہ تک پہنچی اور میں نے راستے کے سب لوگوں کو ایسے پایا کہ جیسا یہ سب کے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ ان سب کی نگاہیں اتنی پاکیزہ تھیں کہ جوان العمر عورت سینکڑوں میل کا سفر کرتی تھی اور اسے اپنی عزت و آبرو کا کوئی خطرہ نہیں ہوا کرتا تھا۔

باطن پر محنت کرنے کی ضرورت:

یہ دین اسلام کا حسن ہے کہ وہ انسان کے اندر سے شہوات، خواہشات اور شیطانیت کو نکال کر رکھ دیتا ہے۔ جب کوئی بندہ یہ دیکھے کہ میری نگاہ پاک نہیں، میرے دل میں طوفان اٹھتے ہیں، میرے دل میں تمنائیں جنم لیتی ہیں اور غلط خیالات پریشان کیے رکھتے ہیں تو وہ سمجھ لے کہ ابھی میرے باطن پر میل ہے اور میرا معاملہ بہت بگڑا ہوا ہے۔ ہماری نگاہ کی ناپاکی اور نامسلمانی اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ ہمیں اپنے باطن پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ جس بندے نے بھی اپنے باطن پر محنت کی اللہ رب العزت نے اسے پاکیزہ زندگی عطا کی۔

آج کل نفوس کی حالت:

آج کل کے نوجوان اکثر اس معاملہ میں پریشان رہتے ہیں۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ ایک تو بے پردگی بڑھتی جا رہی ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے اوپر محنت

نہیں کرتے اس لئے آگ کی مانند ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے لکھا ہے کہ عام آدمی کا نفس ایسے ہوتا ہے جیسے ماچس کی تیلی (دیا سلائی) ہوتی ہے کہ آگ اس میں پہلے ہی بھری ہوتی ہے فقط رگڑ لگنے کی دیر ہوتی ہے۔ رگڑ لگی اور آگ جلی ...... آج کل نفوس کا حال ایسے ہی ہے۔ خباثت اور ظلمت پہلے ہی بھری ہوتی ہے، بس گناہ کا موقع ملا اور انسان کے اندر سے وہ شیطانیت ظاہر ہوگئی۔ یہ چیز ہمارے لئے خطرے کی علامت ہے اس لئے ہمیں اپنے اوپر محنت کرنی ہے تا کہ ہماری نگاہ کی نا مسلمانی دور ہو جائے۔ یہی بات عرض کروں کہ آج کل ہماری نگاہیں شکاری کتوں کی طرح دوسروں پر پڑ رہی ہوتی ہے، جدھر بھی نگاہیں اٹھتی ہیں ہوس بھری ہوتی ہیں۔

باطنی امراض کی علامت:

پاکیزہ نگاہ سینکڑوں میں سے کوئی ایک ہوتی ہوگی اس سلسلہ میں عمر کا کوئی فرق نہیں۔ آج جوان کی نگاہ بھی ویسی اور بوڑھے کی نگاہ بھی ویسی بنی ہوئی ہے، پڑھے لکھے کی نگاہ اور ان پڑھ کی نگاہ میں کوئی فرق نہیں۔ جب باطن پر محنت نہیں کی ہوگی تو پھر نماز پڑھنے کے بعد باہر نکلیں گے تو چند قدم کے فاصلے پر نگاہیں پھر ادھر ادھر ڈھونڈنا شروع کر دیں گی۔ یہ چیز باطنی امراض کی علامت ہوتی ہے اور اسی کے علاج کے لئے مشائخ کی صحبت میں آنا ہوتا ہے۔ جیسے انسان کوٹی بی کی بیماری ہو جائے یا دل کی تو وہ ہسپتال میں ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ باطنی بیماری اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا کوئی روحانی مرض بہت بڑھ رہا ہے اور ہمیں اب کسی نہ کسی روحانی طبیب کی ضرورت ہے۔ جب انسان کاملین کے پاس آ کر اپنی نگاہ کی نا مسلمانی دور کروانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ رب العزت ان حضرات کی صحبت میں آنے پر انسان کو پاکیزہ زندگی عطا فرما دیتے ہیں اور اس کی نگاہ مسلمان بن جاتی ہے۔

؎ زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مومن کی مثال:

غور کیجئے کہ اگر ایک آدمی کے لئے پھانسی کا حکم ہو چکا ہو اور وہ کال کوٹھڑی میں بند ہو تو کیا وہ اس تنہائی میں گناہوں کے بارے میں سوچے گا؟ جس آدمی کو یقین ہو کہ کل مجھے پھانسی ملنی ہے، تنہائی اور اندھیرے کے باوجود اس کا ذہن گناہ کی طرف نہیں جائے گا۔ اس کے دل پر غم سوار ہوگا۔ اس کو پتہ ہے کہ میرے لئے آج موت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مومن کی مثال بالکل اسی طرح ہوتی ہے کہ اسے اپنی موت کا یقین ہوتا ہے کہ آنی ہے مگر اسے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب آنی ہے۔ اس لئے اس کی مثال کال کوٹھڑی کے اس مجرم کی مانند ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ کی مانند ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ کس وقت موت آئے گی اور انسان کا دروازہ کھٹکھٹا دے۔ ہمیں کیا پتہ کہ ہم یہاں بیٹھے ہیں اور موت چلتے چلتے ہمارے گھر کی دہلیز پر آ چکی ہو۔

موت کب آئے گی؟

نبی اکرم ﷺ نے اپنے یاروں سے پوچھا، موت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ کسی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! صبح ہوتی ہے تو مجھے یقین نہیں ہوتا کہ رات بھی آئے گی یا نہیں آئے گی؟ دوسرے نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں چار رکعت کی نیت باندھتا ہوں تو مجھے یقین نہیں ہوتا کہ میں پوری کر بھی سکوں گا یا نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرا یہ حال ہے کہ جیسے نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور اس نے ایک طرف سلام پھیر دیا ہو اسے یہ بھی نہیں پتہ ہوتا کہ اب میں دوسری

طرف سلام پھیر بھی سکوں گا یہ نہیں۔ یعنی زندگی کے بارے میں اتنا بھی یقین نہیں۔ جن حضرات کے دلوں میں یہ استحضار پیدا ہو جاتا ہے پھر اللہ رب العزت ان کی زندگی سنت وشریعت کے مطابق بنا دیا کرتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ میں شرم وحیاء:

ہم اپنے اسلاف کی زندگیوں کو دیکھیں تو یہ چیزیں ہمیں ان میں عجیب وغریب نظر آتی ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی حمام سے نہا کر نکلا تو اس نے ایسا تہبند باندھا ہوا تھا کہ اس کے گھٹنوں سے اوپر تھا یعنی جسم کا وہ حصہ جو مرد کے لئے چھپانا ضروری ہے وہ ننگا تھا۔ تو آپ نے اپنی آنکھوں کو فوراً بند کر لیا۔ وہ آدمی قریب آیا اور کہنے لگا، اے نعمان! آپ کب سے اندھے ہوئے؟ آپ نے فرمایا، جب سے تجھ سے حیاء رخصت ہوئی تب سے میں اندھا ہو گیا ہوں۔

ایک عورت کی پاکدامنی سے قحط سالی ختم:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک عجیب بات لکھتے ہیں کہ جس انسان کی زندگی پاکدامنی کی زندگی ہو گی اللہ رب العزت اس انسان کی دعاؤں کو کبھی رد نہیں فرمایا کرتے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا۔ فرماتے ہیں کہ دہلی میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ بارش نہیں ہوتی تھی۔ لوگ پریشان، جانور پریشان، چرند پرند پریشان، نہ سبزہ تھا نہ پانی تھا، ہر طرف خشکی ہی خشکی نظر آتی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں لوگ علماء کی خدمت میں آئے کہ آپ ہمارے لئے کوئی دعا کیجئے۔ انہوں نے نماز استسقاء کے لئے شہر کے سب لوگوں کو بلایا۔ چھوٹے بڑے، مرد عورت سب اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگتے دن گزر گیا مگر

قبولیت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے۔

جب عصر کا وقت ہوا تو دیکھا کہ ایک سواری پر کوئی سوار ہے اور ایک نوجوان آدمی اس سواری کی نکیل پکڑ کر جا رہا ہے۔ وہ قریب سے گزرا تو رکا۔ اس نے آ کر پوچھا کہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کی دعا مانگ رہے ہیں مگر قبولیت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہو رہے۔ وہ کہنے لگا، اچھا میں دعا مانگتا ہوں۔ وہ آدمی سواری کی طرف گیا اور وہاں جا کر پتہ نہیں اس نے کیا بات کہی کہ تھوڑی دیر میں آسمان پر بادل آ گئے اور سب نے دیکھا کہ چھم چھم بارش برسنے لگی۔ سب حیران تھے۔ چنانچہ جن علما کو اس لڑکے کی بات کا پتہ تھا وہ اس کے پیچھے گئے کہ ہم پوچھیں کہ اس کی بات میں کیا راز تھا؟ جب اس سے جا کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت کیسے آئی؟ تو وہ کہنے لگا کہ اس سواری پر میری والدہ سوار ہیں۔ انہوں نے پاکیزہ زندگی گزاری، پاکدامنی والی زندگی گزاری، یہ عفیفہ زندگی گزارنے والی عورت ہے۔ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ کی دعا قبول نہیں ہو رہی تو میں ان کے پاس آیا اور ان کی چادر کا کونہ پکڑ کر دعا مانگی کہ، اے اللہ! میں اس ماں کا بیٹا ہوں جس نے پاکدامنی کی زندگی گزاری، اللہ! اگر آپ کو یہ عمل قبول ہے تو آپ رحمت کی بارش عطا فرما دیجیے۔ ابھی دعا مانگی ہی تھی کہ پروردگار نے رحمت کی بارش عطا فرما دی۔ سبحان اللہ

شرم وحیاء سے معاشی پریشانی کا خاتمہ:

آج کل اکثر لوگوں کو رزق کی پریشانی ہوتی ہے۔ ہر تیسرا بندہ یہ کہے گا کہ یا تو جن کا اثر ہے یا کالے علم کا اثر ہے۔ کہتے ہیں کہ پتہ نہیں کسی نے باندھا ہوا ہے۔ عجیب وغریب زندگیاں ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے اعمال شریعت وسنت کے مطابق ہیں یا خلاف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری بداعمالیوں نے ہمیں باندھا ہوا ہوتا ہے۔ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے رزق بندھا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو

پریشان کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے اعمال کو سنوار کر زندگیوں کو پاکیزہ بنانے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ رب العزت کی ہمارے اوپر رحمتیں آئیں اور ہماری زندگیوں میں بہار پیدا کر دیں۔ یہ چیز کب آئے گی؟ جب ہماری زندگیوں میں حیاء ہوگی اور ہماری نگاہیں پاک ہوں گی۔

ایمان کی حلاوت حاصل کرنے کا طریقہ:

ہمیں چاہئے کہ ہم جب راستوں پر چل رہے ہوں تو اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ اپنی نگاہوں کو غیر محرم سے محفوظ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو ایمان کی حلاوت عطا فرما دیتے ہیں۔ بعض احادیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو عبادات میں لذت عطا فرما دیتے ہیں۔ اب آج نماز کا سرور کیوں حاصل نہیں؟ سجدے کے اندر کیوں مزہ نہیں آتا؟ تلاوت قرآن میں کیوں لطف نصیب نہیں ہوتا؟ اس لئے کہ نگاہیں پاک نہیں ہوتیں۔

قبولیت دعا کا لمحہ:

ایک جگہ پر عجیب بات لکھی ہوئی تھی کہ جب آدمی کسی گناہ پر قادر ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے وہ گناہ نہیں کرتا، اس لمحے وہ جو بھی دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتے ہیں۔ تجربے والی بات ہے، آپ اسے آزما کر دیکھ لیجئے کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، جی چاہتا ہے کہ نگاہ اٹھا کر دیکھیں کہ سامنے کون ہے مگر آپ اپنے نفس کے خلاف کرتے ہوئے اپنی نگاہوں کو نیچا کرتے ہیں تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا مانگیں گے، اپنی زندگی میں اسے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ:

اسلام نے ہمیں نہ صرف زنا کرنے سے منع کیا بلکہ ان تمام کاموں سے منع کیا جو انسان کو زنا کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ فرمایا وَ لاَ تَقْرَبُوْا الزِّنَا تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اس لئے کہ یہ راستہ ہی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

بدکاری کی وجہ سے عمر میں کمی:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو آدمی بدکاری کی زندگی گزارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو کم کر دیا کرتے ہیں۔ عمر کو کم کرنے کا کیا مطلب؟ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب تو یہ کہ ساٹھ سال کی عمر تھی اور ایسی بیماری آئی کہ یہ پچاس میں ٹرخ گیا۔ یوں عمر کم کر دی گئی اور دوسرا مطلب محدثین نے یہ لکھا کہ آدمی کی عمر ساٹھ سال تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دیا کہ اس کی زندگی صحت مند زندگی کے بجائے بیماروں والی زندگی ہوتی ہے اور اس کے لئے پریشانی کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ یہ چیزیں آج کل عام نظر آتی ہیں کہ آپ کو آج چالیس سال کے بوڑھے نظر آئیں گے۔ ایسے لوگ نظر آئیں گے کہ ان کی عمر چالیس سال بھی نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ کیا کریں کھڑے ہوتے ہیں تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آجاتا ہے کہتے ہیں کہ کوئی کام نہیں کر سکتے۔

صحابہ کرامؓ میں شرم وحیاء کا عالم:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک جگہ پر جہاد کے لئے قدم بڑھایا۔ آگے دشمن تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ہم ان کو کسی طرح ان کے دین کے راستے سے ہٹائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ بے پردہ ہو کر گلیوں میں نکل آئیں تاکہ ان کی نگاہیں ادھر ادھر اٹھیں۔ اس طرح ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

جو مدد ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے دیکھا تو انہوں نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ یہ اعلان سن کر پورے لشکر کے لوگوں نے اپنی نگاہوں کو اس طرح نیچے کر لیا کہ کسی کی نگاہ کسی غیر عورت پر نہ پڑی۔ حتیٰ کہ لشکر کے لوگ جب لوٹ کر آئے تو ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ تو بتایئے کہ وہاں کے مکانوں کی بلندی کیسی تھی؟ فرمانے لگے، کہ جب امیر لشکر نے نظریں جھکانے کا حکم دیا تو ہم نے مکانوں کی اونچائی کی طرف دھیان ہی نہ دیا۔ سبحان اللہ۔

جلدی بند ہونے والا دروازہ:

اللہ رب العزت نے انسان کی آنکھوں پر جو پردہ بنایا وہ بھی اتنا Quick-acting (جلدی کام کرنے والا) بنایا کہ پلک جھپکنا ایک ضرب المثل بن گئی۔ وقت کی قلت کی بات کرنی ہو تو کہتے ہیں کہ جی پلک جھپکنے کی دیر میں، یعنی تھوڑی سی دیر میں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دروازے کو جلدی بند ہونے والا اس لئے بنا دیا کہ میرے بندو! کل قیامت کے دن تم یہ اعتراض نہ کر سکو کہ رب کریم! غیر محرم سامنے تھی، ہم چاہتے تھے کہ آنکھیں بند کریں مگر ہمیں آنکھیں بند کرنے میں وقت لگ گیا تھا۔

دو اعضاء کی دوہری حفاظت:

انسان کے جسم کے دو اعضاء ایسے ہیں کہ جن کو اللہ رب العزت نے Duoble protection (دوہری حفاظت) دی ہوئی ہے۔ ایک زبان، دیکھئے کہ اس کے گرد دو دیواریں ہیں۔ ایک دانتوں کی دیوار اور ایک ہونٹوں کی دیوار۔ اس کو دو دیواروں میں اس لئے بند کیا کہ زبان کی ان دو دیواروں کو کھولنے سے پہلے ذرا تول لو کہ تم کونسی

بات کر رہے ہو؟ اس زبان سے ایسے ایسے کلمات نکل سکتے ہیں کہ جو کافر کو بھی مؤمن بنا سکتے ہیں اور اگر غلط ہوں تو مؤمن کو بھی کفر کی حدوں میں داخل کر دیتے ہیں۔

دوسرا انسان کے جسم کے جو پوشیدہ اعضاء ہیں ان کے اوپر ہمیشہ دو کپڑے ہوتے ہیں، بازوؤں پر ایک کپڑا، پیٹ پر ایک کپڑا، ٹانگوں پر ایک کپڑا، لیکن پوشیدہ اعضاء پر ہمیشہ دو کپڑے۔ ایک اوپر قمیص اور دوسرا نیچے ازار بند۔ دو کپڑوں میں چھپانے کی سنت اس لئے بنائی گئی کہ اے مؤمن! ذرا کپڑا اٹھانے سے پہلے یاد رکھنا کہ تو کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اللہ کی عظمت سے ڈر جانا، اس گناہ سے بچ جانا، ایسا نہ ہو کہ تیرے لئے یہ دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کا سبب بن جائے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں شرم وحیاء:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یاروں کو ایسی حیاء سکھائی کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی پاکیزہ زندگی عطا کی ہوئی تھی۔

شرم وحیا پر نصرت الٰہی کے کرشمے

اللہ تعالیٰ باحیاء انسان کی زندگی میں برکت دیتے ہیں، اس کو پریشانیوں سے بھی محفوظ فرما لیتے ہیں اور اللہ رب العزت خود اس کے محافظ بن جاتے ہیں۔ ایسے انسان کو زندگی میں اگر کوئی پریشانی آئے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی پریشانیوں کا حل نکال لیا کرتے ہیں۔

دیکھئے، اس دنیا کے اندر چند واقعات ایسے بھی ہوئے کہ لوگوں نے بعض بے گناہ لوگوں پر الزام لگائے تو اللہ رب العزت کا غیبی نظام حرکت میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی کیسے پشت پناہی کی گئی اور ان کی برأت کیسے دی گئی اس کے

واقعات ہم سنتے ہی رہتے ہیں۔ اس وقت یہ عاجز چند واقعات آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔

بی بی مریم کی پاکدامنی کی گواہی:

بی بی مریمؑ اللہ تعالیٰ کی ایک نیک بندی گزری ہیں۔ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئیں، ماں کے پیٹ میں ہیں، ان کی ماں ان کے لئے دعا کر رہی ہیں۔ **رَبِّ اِنِّی نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّی** اے اللہ! میرے پیٹ میں جو بھی ہے میں نے اسے تیرے لئے وقف کر دیا، تو اسے قبول فرما لے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا **فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا** حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے، وہ ان کے کفیل بنے۔

حضرت مریمؑ مسجد کے اندر اعتکاف کی حالت میں رہتیں اور سارا دن ذکر و عبادت میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ اللہ رب العزت کی طرف سے ایسی رحمت ہوتی کہ اس کے لئے بے موسم کے پھل بھیجے گئے۔ لوگوں کے اندر ان کی عبادت اور تقویٰ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگ بہت عزت کرتے تھے۔

ان کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ایک سورۃ کا نام بھی سورۃ مریم رکھا۔ فرمایا **وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا** انہوں نے غسل کے لئے اپنے مکان کی مشرقی سمت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ **مَكَانًا شَرْقِيًّا** سے مفسرین نے لکھا کہ نصاریٰ نے مشرق کو اسی لئے قبلہ بنا لیا کہ وہ مشرق کی طرف گئیں۔ جب وہ مشرق کی طرف گئیں **فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا** انہوں نے اپنے اردگرد ایک حجاب (پردہ) تان لیا تاکہ تنہائی ہو جائے اور وہ غسل کر سکیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اتنے میں **فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا** ہم نے اس کی طرف اپنے روح الامین کو بھیجا۔ **فَتَمَثَّلَ لَهَا**

بَشَرًا سَوِيًّا اور وہ ایک بھرپور انسان کی شکل میں اس کے پاس پہنچے۔ جب تنہائی میں مریمؑ کے سامنے ایک بھرپور انسان آیا تو اس وقت مریم گھبرا گئیں۔ وہ آج کے وقت کی کوئی بگڑی ہوئی بیگم نہ تھی کہ ایک نامحرم کو تنہائی میں دیکھ کر مسکرا دیتی۔ وہ اللہ پاک کی نیک بندی تھی۔ چنانچہ اس کے چہرے کے اوپر گھبراہٹ کے آثار نظر آئے۔ فرمانے لگی، اِنِّي اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا میں تجھ سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگتی ہوں کہ تجھ سے میری حفاظت فرمائے۔ تیرے چہرے سے تو تقویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت جبرائیلؑ نے پہچان لیا کہ بی بی مریمؑ گھبرا گئی۔ چنانچہ انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا کہ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا تاکہ تجھے ستھرا بیٹا دے۔

اب اس بات کو سن کر مریم کی پریشانی بجائے کم ہونے کے الٹا اور زیادہ بڑھ گئی۔ مریمؑ سوچنے لگی کہ پہلے تو میں اس سے اللہ کی پناہ مانگ رہی تھی مگر جو اس نے بات کہہ دی اس نے تو مجھے اور زیادہ پریشان کر دیا۔ چنانچہ کہنے لگی اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ میرے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ نہ مجھے کسی بشر نے چھوا وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا اور نہ میں نے کوئی برائی کا کام کیا...... مریم جانتی تھی کہ بیٹا ہونے کے دو سبب ہوا کرتے ہیں، یا نکاح کے ذریعے سے یا گناہ کے ذریعے سے۔ چونکہ ان کی زندگی میں دونوں کام نہیں تھے اس لئے مریم کہنے لگی کہ جب سبب موجود نہیں تو میرے بیٹا کیسے پیدا ہوگا؟ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا قَالَ كَذٰلِكِ کہ ایسا ہی ہے کہ نہ تیرا نکاح ہوا ہے اور نہ تو نے گناہ کیا ہے۔ كَذٰلِكِ کے لفظ کے ساتھ اللہ رب العزت نے مریمؑ کی پاکدامنی پر مہر لگا دی۔ اللہ رب العزت ہر ایک کو ایسی بیٹی عطا فرمائے جس کی پاکدامنی پر ایسی مہر لگی ہوئی ہو۔ آگے فرمایا قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ

هَیِّنٌ تیرے پروردگار نے کہا کہ میرے لئے آسان ہے۔ مریم! یہ بیٹا تجھے پروردگار نے دینا ہے کسی زلفوں والی سرکار نے نہیں دینا، اس لئے تجھے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسی وقت مریمؑ کو اپنے اندر حمل کے آثار محسوس ہونا شروع ہو گئے۔ اس وقت مریم پریشان ہو گئی۔ وہ کھجور کے ایک درخت کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ جبرائیلؑ تو چلے گئے مگر بی بی مریم اب غمزدہ ہے، پریشان ہے، زندگی کا پس منظر سامنے ہے، وہ دل ہی دل میں کہنے لگی، اے اللہ! میں تو تیری عبادت کرتے ہوئے عمر گزارنے والی بندی ہوں، میں نے اپنی عمر اعتکاف میں گزاری، لوگوں میں میری نیکی اور تقویٰ کے چرچے ہیں، مگر آج میں اس حال میں بیٹھی ہوئی ہوں کہ جب لوگوں کے سامنے یہ بات ظاہر ہوگی تو میں ان کو کیا چہرہ دکھاؤں گی۔ میری ساری عبادت کے اوپر پانی پھر جائے گا، لوگوں میں بدنامی ہوگی، میری زندگی کیسے گزری اور یہ معاملہ کیسا پیش آیا۔

مریم اس درخت کے ساتھ ایسے بیٹھی ہے جیسے کوئی ہارا ہوا جرنیل ہوا کرتا ہے۔ اس وقت اتنی گھبراہٹ تھی کہ دل کہہ رہا تھا کہ اس زندگی سے تو مرجانا بہتر ہے، چنانچہ کہنے لگی، **يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا** اے کاش! میں تو اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی بسری چیز بن چکی ہوتی۔ معلوم ہوا کہ جو عفیفہ عورتیں ہوتی ہیں انہیں اپنی بدنامی اور بے عزتی سے ہمیشہ ڈر لگا کرتا ہے۔ وہ اللہ کی پناہ مانگتی ہیں، وہ مرجانے کو پسند کرتی ہیں مگر کوئی ایسا فعل نہیں کرتیں۔ جب بی بی مریمؑ نے ایسی بات کہی تو **فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا** ان کو پھر نیچے سے ایک آواز آئی، بعض مفسرین کرام نے لکھا کہ یہ جبرائیلؑ امین نے دوبارہ ان سے کلام کیا تھا اور بعض نے کہا کہ اللہ رب العزت نے کلام فرمایا، بہرحال ان کو فرمایا گیا **لَا تَحْزَنِيْ** مریم! تو پریشان نہ ہو، یہ رب کی باتیں ہیں۔ جب اس نے تجھے یہ اپنی نشانی دی تو وہ پروردگار تیری

پاسبانی بھی کرے گا۔ فرمایا، یہ جو تمہیں اپنے قریب درخت نظر آ رہا ہے اس پر ہم نے کھجوریں لگا دی ہیں، تم کھجور کے اس درخت کو ہلانا وَهُزِّيْ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا تمہارے اوپر تر کھجوریں گریں گی ان کو کھا لینا اور تمہارے نیچے پانی جاری کر دیا گیا ہے اس پانی کو پی لینا۔ اس کے بعد جب تمہارے ہاں بچے کی ولادت ہو تو اس بچے کی جبین پر نبوت کے نور کی کرنیں پھوٹتے دیکھ کر اس بچے کی جبین کو بوسے دینا۔ اس سے تمہارے دل کو تسلی ہو جائے گی۔ مریم! اگر لوگ تجھ سے پوچھیں کہ یہ کیا معاملہ بنا تو کہنا إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا کہ میں نے تو رحمان کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا آج کسی بندے سے بھی میں بات نہیں کروں گی۔ اس وقت کی شریعت میں بولنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا تھا، امت محمدیہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا کر دی کہ بولنے کی اجازت عطا فرما دی۔ چنانچہ جب بی بی مریمؑ بچے کو لے کر آتی ہیں فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ بچے کو جب سینے سے لگا کر قوم میں آتی ہیں تو وہ حیران ہو جاتے ہیں قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا کہنے لگے، اے مریم! تو یہ کیا غضب کی چیز لے کر آ گئی۔ يَا أُخْتَ هَارُوْنَ اے ہارونؑ کی بہن! مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا نہ تیرا باپ ایسا برا تھا اور نہ تیری ماں ایسی بری تھی، تو یہ برائی کیسے کر کے آئی؟ معلوم ہوا کہ عورت سے جب کوئی غلطی کوتاہی ہوتی ہے تو اس کے ماں باپ اور بھائیوں پر بات جاتی ہے۔ اس کے محرم مردوں پہ بات جایا کرتی ہے۔

جب قوم نے طعنوں کے نشتر چلائے تو اس وقت مریمؑ کے دل پر غم طاری ہوا۔ مریم بہت پریشان ہوئیں اور فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ اس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ کہنا یہ چاہتی تھیں کہ تم میرا سر مت کھاؤ، پوچھنا ہے تو اسی بچے سے پوچھو کہ یہ کیسے پیدا ہوا؟

قوم نے بچے کی طرف دیکھا اور کہا قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا کہ گود میں پڑا چھوٹا سا بچہ کیسے بول سکتا ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک پاکدامن بندی کے لئے اپنے نظام کو بدل کر رکھ دیا۔ فرمایا، میرے پیارے عیسیٰؑ ! بچے اس عمر میں بولا نہیں کرتے ،مگر آج تیری ماں پر بہتان لگایا جا رہا ہے، میں اپنے نظام کو بدلتا ہوں ، اب تجھے بولنا ہوگا اور اپنی ماں کی برأت کی گواہی دینی ہوگی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ بولتے ہیں اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ کا بندہ ہوں اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِي نَبِيًّا وَ جَعَلَنِي مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا سبحان اللہ ، اللہ رب العزت نے عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اپنی پیاری بندی کی پاکدامنی کی گواہی عطا فرمادی۔ اللہ رب العزت نے ہر دور اور ہر زمانے میں اپنے پاکدامن بندوں کی، معصوم بچوں کی زبانوں سے پاکدامنی کی گواہی دلوائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی:

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ان کی پاکدامنی کی گواہی بھی ایک چھوٹے بچے نے دی تھی۔ تو جب کوئی انسان گناہوں سے بچتا ہے، پاکدامنی کی زندگی گزارتا ہے تو اللہ رب العزت اس کی اسی طرح پشت پناہی فرماتے ہیں، اس کی خاطر بنے ہوئے اصولوں کو بدل دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت کو چھوڑ کر اپنی قدرت کا اظہار کر دیتے ہیں، کہ میں اپنی قدرت کا یوں بھی اظہار کر سکتا ہوں۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی داستان وفا:

نبی اکرم ﷺ کی پہلی شادی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ یہ وہ خاتون تھیں جن کو اللہ رب العزت نے بڑا شرف عطا فرمایا تھا۔ جب نکاح ہونا تھا تو انہوں نے تجارت کے لئے پہلے نبی اکرم ﷺ کو بھیجا، نبی اکرم ﷺ تجارت

پڑ گئے۔ انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو آپ ﷺ کے ساتھ بھیجا کہ پتہ کرو کہ حالات سفر کیسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دوگنا منافع عطا فرمایا۔ میسرہ نے آ کر بڑی اچھی باتیں سنائیں۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کا دل بہت خوش ہوا کہ جس انسان کی امانت اور صداقت اتنی اچھی ہے وہی زندگی کا اچھا ساتھی بن سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کو بہت سے تحفے تحائف دیئے اور بالآخر آپ ﷺ کے چچا کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرے رشتے کے لئے آنا چاہتے ہیں تو میرے بھائی عمر سے یا میرے والد سے بات کیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے چچا نے ان کی بات کہی اور بالآخر ان کا نکاح ہوا۔ نکاح میں بیس اونٹ مہر میں رکھے گئے اور دو اونٹوں کو ولیمہ کے لئے ذبح کیا گیا تھا۔

یہ وہ خاتون تھیں کہ جن کو اللہ رب العزت نے بڑا اعزاز یہ بخشا کہ جب اللہ کا قرآن نازل ہوا، نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے سنا تو اس کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ کو یہ بات سنائی۔ چنانچہ نبوت کی زبان سے سب سے پہلے قرآن سننے کا شرف ایک عورت کو حاصل ہوا۔ اس امت کے مردوں پر عورتوں میں سے اس عورت کو یہ فضیلت حاصل ہے جس کو اللہ کے محبوب ﷺ کی مبارک زبان سے سب سے پہلے قرآن سننے کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس امت میں سے اس عورت کو اعزاز حاصل ہوا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے محمد بن عبداللہ کو محمد رسول اللہ بنتے ہوئے سب سے پہلے دیکھا۔

جب آپ ﷺ کسی وجہ سے غمزدہ ہوتے اور فرماتے خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ کہ جب وہ فرشتہ آتا ہے تو مجھے اپنی جان کا خوف ہوتا ہے۔ آپ فرماتی تھیں کَلَّا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں گے۔ چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کو تسلیاں دیتی تھیں۔ ہجرت سے تین سال پہلے

65 سال عمر میں ان کی وفات ہوئی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے حضور اکرم ﷺ کی شادی مبارک:

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ مغموم رہا کرتے تھے۔ تسلی دینے والا زندگی کا جو ساتھی تھا وہ بھی چلا گیا۔ ان دنوں میں نبی اکرم ﷺ کے غم کو بانٹنے والا کوئی نہیں تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کو خواب کے اندر ایک شکل دکھائی گئی۔ فرمایا، میرے محبوب ﷺ! آپ غمزدہ رہتے ہیں، ہم نے آپ کے لئے زندگی کے ساتھی کا چناؤ کر دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے۔ آپ ﷺ نے ایک عورت کو پیغام بھیجا کہ میں نے اس طرح کی ایک لڑکی دیکھی ہے، جس کیساتھ پروردگار کی طرف سے اشارہ ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی دوسری رفیقہ حیات بنے گی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ابوبکر ؓ کی بیٹی ہے جس کا نام عائشہ ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی خصوصیت:

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ آپ ﷺ کی وہ زوجہ ہیں جو کنوارے پن میں نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ باقی جتنی ازواج مطہرات ہیں وہ سب کی سب ایسی تھیں جن کی پہلے شادی ہو چکی تھی یا ان کو طلاق ہو چکی تھی یا ان کے خاوند فوت ہو چکے تھے اور بعد میں ان کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دوبارہ نکاح ہوا۔ بلکہ اگر میں یوں کہہ دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے جب بلوغ کی زندگی کو اختیار کیا تو ان کی نگاہوں نے سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے مبارک چہرہ کو دیکھا۔

ام عبداللہ...... سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ:

نبی اکرم ﷺ کو سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے اتنی محبت تھی کہ آپ نے ان کی کنیت

عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر ام عبداللہ رکھی۔ عبداللہ ان کے بھانجے تھے جو اسماءؓ کے بیٹے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک دفعہ آپ گود میں لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ان کو شفقت دیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو پیار بھی فرمایا، دعا بھی دی اور فرمایا، عائشہ! تمہیں میں ام عبداللہ کی کنیت دیتا ہوں۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کو پیار کا بھی ایک نام ''حمیرا'' دیا ہوا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کی سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے محبت:

ایک دفعہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ تشریف فرما تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، عائشہ! مجھے تم سے اتنا پیار ہے، مجھے تم اتنی اچھی لگتی ہو جیسے مکھن اور کھجور کو ملا کر کھایا جائے، جتنی لذت اس میں ہوتی ہے مجھے تم اتنی مرغوب ہو۔ سیدہ عائشہؓ نے فوراً جواب دیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے آپ شہد اور مکھن کو ملا کر کھانے کی طرح مرغوب ہیں۔ محبوب ﷺ مسکرا دیئے کہ میں نے تو مکھن اور کھجور کی مثال دی تھی لیکن تو نے کیسی عقلمندی کی بات کہی۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا علم و تقویٰ میں مقام:

حضرت عطا بن رباحؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علم، تقویٰ اور حسن و جمال میں ان کو تمام ازواج مطہرات سے زیادہ رتبہ عطا کیا تھا۔ بلکہ زہریؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تمام ازواج مطہرات کے علم کو جمع کر لیا جائے تو عائشہ صدیقہؓ کا علم پھر بھی ان کے علم سے بڑھ جائے گا۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا فقہ میں مقام:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے 2210 احادیث روایت کی ہیں آپؓ فقیہہ بنیں۔

صحابہ کرامؓ میں سے چالیس فقہاء تھے جن کا زیادہ رتبہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر ان چالیس میں سے بھی چودہ ایسے تھے جن کا اور بھی زیادہ رتبہ سمجھا جاتا تھا، ان میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا بھی نام آتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی طرف سے امہات المومنین کو اختیار:

ایک وقت ایسا آیا بھی آیا کہ جب ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ تم چاہو تو ایسی زندگی اختیار کرو، تمہیں اتنا مال و دولت دے دیا جاتا ہے، مگر تم اپنی زندگی گزارو یا چاہو تو اللہ کے محبوب ﷺ کے ساتھ زندگی گزارو۔ نبی اکرم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو یہ اختیار دے دیا مگر حمیرا سے کہا کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لینا۔ محبوب ﷺ کے دل میں یہ بات تھی کہ کم عمر ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی اور فیصلہ کر لے، چنانچہ والدین کے ساتھ مشروط کر دیا۔ آپ ﷺ کو پتہ تھا کہ غلام کی بیٹی ہے، وہ تو اچھا ہی مشورہ دیں گے۔

سیدہ عائشہؓ کی پاکدامنی کی گواہی:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی زندگی میں بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اللہ رب العزت کی بھی عجیب مشیت ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ غزوہ بنی المصطلق میں تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ وہاں سے واپس آنے لگے تو قافلے نے چلنا تھا۔ قافلے کے لوگ جیسے جیسے تیار ہوتے رہتے چلتے رہتے تھے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں اونٹ ہوتے تھے چلتے ہوئے بھی گھنٹوں لگا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے سوچا کہ قافلے میں جانا ہے پتہ نہیں سفر میں کتنا وقت لگ جائے، کیوں نہ ہو کہ میں قضائے حاجت سے فارغ ہو جاؤں۔ قضائے حاجت کے لئے کھیتوں میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ذرا دور چلی گئیں تاکہ فراغت حاصل کر سکیں۔ جب فراغت حاصل کر کے

واپس آئیں تو آپ نے ہودج میں بیٹھنا تھا جس کو سواری کے اوپر رکھا جاتا تھا

اتنے میں آپ نے محسوس کیا کہ میرے گلے میں ایک ہار پہنا ہوا تھا وہ کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ سوچا کہ ابھی تو روانہ ہونے میں وقت ہوگا، میں جا کر ہار دیکھ لیتی ہوں۔ آپ ہار ڈھونڈنے کے لئے واپس تشریف لے گئیں۔ پیچھے صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ آپ تشریف تو لے آئی تھیں، لہٰذا ہودج میں بیٹھ گئی ہوں گی۔ چنانچہ چار پانچ آدمیوں نے مل کر ہودج کو اٹھا کر سواری کے اوپر رکھ دیا۔ آپ کی عمر بھی کم تھی اور وزن بھی کم تھا، چار پانچ آدمی اٹھانے والے تھے تو ان کو پتہ بھی نہ چلا کہ آپ اندر بیٹھی ہوئی ہیں یا کہ نہیں۔

اب قافلے کے لوگ تو وہاں سے چلے گئے۔ جب آپ واپس آئیں تو آپ نے دیکھا کہ وہ جگہ تو خالی ہے اور قافلہ جا چکا ہے۔ آپ کو اطمینان تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلے گا تو کسی نہ کسی کو بھیجیں گے۔ چنانچہ آپ وہیں پر بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نیند غالب آ گئی۔ چنانچہ اپنے اوپر چادر لی اور سو گئیں۔

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ صحابہؓ میں سے کسی ایک صحابیؓ کو حکم دیا جاتا تھا کہ جب سارا قافلہ چلا جائے، اگر رات کا وقت ہو تو صبح کے وقت اس جگہ پر آ کر دیکھیں کہ کہیں کوئی چیز پیچھے نہ پڑی رہ گئی ہو۔ چنانچہ ایک بدری صحابی حضرت صفوان بن معطلؓ جو پکی عمر کے تھے کو نبی اکرم ﷺ نے اس کام پر تعینات فرمایا تھا۔ وہ جب اس جگہ پر آئے تو کسی کو اس جگہ پر لیٹا ہوا پایا۔ قریب آئے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ انہوں نے اونچی آواز میں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ ان کی آواز سن کر آپؓ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے جو اپنے اوپر چادر لی ہوئی تھی اس سے اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپ لیا۔ انہوں نے آپ کے لئے اپنے اونٹ کو بٹھایا، آپ اوپر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے مہار پکڑی اور چل

پڑے۔ حتیٰ کہ وہ جب اس قافلے کے پاس پہنچے تو قافلے میں موجود جو منافقین تھے انہوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہاں اس میں تو کچھ نہ کچھ بات ہوگی۔ وہ تو پہلے ہی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جس میں وہ مسلمانوں کو پریشان کر سکیں اور نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچا سکیں۔ چنانچہ انہیں باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔

چنانچہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا۔ آپ ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا۔ لوگوں میں یہ بات عام ہونا شروع ہوگئی۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں آکر ایک مہینہ تک بیمار رہی اور کمزور بھی ہوگئی۔ ایک دن میں ایک صحابیہ ام مسطحؓ کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے رات کو باہر نکلی، وہ ایک جگہ پر قدم اٹھانے لگیں تو ان کو ٹھوکر لگی، انہوں نے اپنے بیٹے کے بارے میں بددعا کر دی۔ میں نے کہا، تم اپنے بیٹے کے لئے بددعا کیوں کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگیں کہ تمہیں پتہ نہیں کہ وہ تمہارے متعلق کیا بات کہہ رہا ہے؟ میں نے پوچھا کہ کیا بات کہہ رہا ہے؟ اس وقت انہوں نے ساری تفصیل بتا دی کہ آپ کے بارے میں اس وقت شہر میں یہ یہ باتیں ہو رہی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ باتیں سنیں تو میرے دل پر بڑا صدمہ ہوا۔ میں گھر آئی اور نبی اکرم ﷺ کا انتظار کرنے لگی۔ آپ ﷺ جب مسجد سے تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کے سامنے آئی اور سلام کیا۔ آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا مگر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ میں دوسری طرف سے آئی مگر نبی اکرم ﷺ نے اپنی نگاہیں دوسری طرف کر لیں۔ آپ ﷺ کی خاموش نگاہوں نے مجھے بہت ساری باتیں سکھا دیں کہ اس وقت محبوب ﷺ کی طبیعت پر بوجھ ہے اور آپ ﷺ کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔

میں نے سوچا کہ چلو میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاتی ہوں تاکہ صحیح حالات کا پتہ چل سکے۔ میں نے اجازت چاہی، اللہ کے محبوب ﷺ نے اشارے سے فرما دیا

کہ ہاں چلی جاؤ۔ فرماتی ہیں کہ جب میں وہاں پہنچی تو میری والدہ نے دروازہ کھولا۔ میں نے دیکھا کہ میری والدہ کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو چکی ہیں، پریشان چہرے کے ساتھ کھڑی ہیں۔ میں نے پوچھا، امی! کیا ہوا؟ والدہ خاموش ہیں۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکنا شروع ہو گئے۔ میں نے پوچھا امی! میرے ابو کدھر ہیں؟ انہوں نے اشارہ کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ چارپائی پر بیٹھے اللہ کا قرآن پڑھ رہے ہیں۔ ایک ایک آیت پر آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے ہیں، اللہ کے حضور دعائیں مانگ رہے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے جب غم کا ماحول دیکھا تو میری طبیعت اور زیادہ آزردہ ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میں کیا کروں؟ جن پر مجھے مان تھا، جو میری زندگی کے رکھوالے تھے وہ بھی مجھ سے آج ناراض ہیں، ماں باپ بھی آج جدا ہیں، میں آج کہاں جاؤں؟ دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ہو کہ میں اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ فرماتی ہیں کہ میں نے وضو کیا اور گھر کے ایک کونے کی طرف جانے لگی۔ ماں نے پوچھا، عائشہ! کدھر جا رہی ہو؟ ان کو ڈر لگ گیا تھا کہ بیٹی غمزدہ ہے، ایسا نہ ہو کہ بیٹی کوئی سنگین فیصلہ کر لے۔ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں نے کہا، امی! میں اپنے رب کے حضور دعائیں کرنے جا رہی ہوں۔ گویا یوں کہنا چاہتی تھیں امی! ہائی کورٹ تو ناراض ہو گئے، اب میں سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹانے جا رہی ہوں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے مصلیٰ بچھایا اور سجدے میں سر رکھ کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ اے مسکینوں کے پروردگار! اے فریادیوں کی فریاد سننے والے اللہ! اے مظلوموں کے پروردگار! اے کمزوروں کی سننے والے آقا! تیرے مقبول بندوں پر جب بھی کوئی ایسا وقت آیا، اللہ! تو نے ہی ان کی مدد کی، اللہ! یوسفؑ پر بات بنی تھی تو آپ نے برأت دلوائی، اللہ! مریمؑ پر بات بنی تھی تو آپ نے ہی ان کی پاکدامنی کی گواہی دلوائی، اللہ! آج تیرے محبوب ﷺ کی حمیرا تیرے دروازے پر حاضر ہے اور فریاد کرتی ہے کہ میرے

بارے میں بھی اسی طرح کی باتیں کی جا رہی ہیں، پروردگار! تو حمیرا کی مدد فرما، میرے آقا ﷺ نے بھی اس وقت میرے ساتھ بات کرنا چھوڑ دی ہے، اللہ! تیرے سوا کوئی ذات نہیں جو دکھی دلوں کو تسلی دے سکے، جو غمزدہ دلوں کو اطمینان دے سکے۔ رو رو کر دعائیں کر رہی ہیں۔

ادھر دعائیں مانگی جا رہی ہیں اور ادھر آقا ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں مجلس مشاورت قائم کی ہوئی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ تو گھر میں تھے۔ باقی صحابہ ؓ جمع ہیں۔ محدثین نے اس کا عجیب منظر لکھا، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بھی غمزدہ بیٹھے تھے، صحابہ ؓ کے چہروں پر اداسی تھی۔ انہوں نے اپنے محبوب ﷺ کے چہرے کو غمزدہ دیکھا جس کی وجہ سے ان کی طبیعت بھی عجیب بن چکی تھی۔ چنانچہ بعض صحابہ ؓ سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت اپنے یاروں سے پوچھا، اس معاملہ میں تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ سب سے پہلے حضرت عمر ؓ سے پوچھا، عمر! تم اس معاملہ میں کیا کہتے ہو؟ حضرت عمر ؓ نے آگے بڑھ کر کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و شرافت بخشی، آپ کے بدن پر کوئی مکھی بھی نہیں بیٹھتی، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا پاکیزہ بنایا کہ اس پر ایک گندی مکھی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تو آپ ﷺ کی رفیقہ حیات ایسی کیسے ہو سکتی ہے جس کے اندر گناہوں کی نجاست ہو، اس لئے مجھے تو یہ چیز ٹھیک نظر نہیں آتی۔ نبی اکرم ﷺ نے عثمان غنی ؓ سے پوچھا، عثمان! تم بتاؤ کہ معاملہ کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت عثمان غنی ؓ نے نبوت کی صحبت کا حق ادا کر دیا۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ رب العزت نے آپ کو ایسا بنایا کہ بادل آپ پر سایہ کئے رکھتا ہے، آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کا قدم آپ کے سایہ پر پڑ جائے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ادب کا اتنا لحاظ فرمایا کہ کسی غیر کے قدم آپ کے سایہ پر نہیں پڑ سکتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی کو آپ کی

زوجہ مطہرہ پر قدرت حاصل ہو جائے۔ لہذا یہ چیز تو ہمارے وہم و گمان سے بھی باہر ہے۔ ان کی بات سن کر نبی اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، علی! تم بتاؤ کہ کیا معاملہ ہو سکتا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ایک مرتبہ آپ ﷺ کے جوتے کے ساتھ نجاست لگی ہوئی تھی، آپ چاہتے تھے کہ پہن لیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو بھیجا تھا اور آپ کو اطلاع دے دی تھی کہ آپ کے جوتے کے ساتھ نجاست لگی ہوئی ہے۔ جب جوتے پر نجاست لگی ہوئی تھی تو آپ کو بتا دیا گیا تھا، اگر آپ کے گھر والوں کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ ہوتا تو آپ کو کیوں نہ بتا دیا جاتا اس لئے یہ بات مجھے ٹھیک نظر نہیں آتی۔ نبی اکرم ﷺ پھر خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ کی غمگینی کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ بولے، اور کہنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر آپ کی طبیعت بہت غم زدہ ہے تو آپ ﷺ چاہیں تو طلاق دے دیں۔ آپ ﷺ کے لئے بیویوں کی کونسی کمی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی اور رفیقہء حیات عطا فرما دیں گے۔ ان کی یہ بات سن کر حضرت عمرؓ تڑپے اور کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اس وقت نبی اکرم ﷺ سے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ یہ ارشاد فرمایئے کہ یہ نکاح آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے کیا تھا یا آپ کو اشارے سے بتا دیا گیا تھا، یہ آپ کی پسند تھی یا کسی اور کی پسند تھی؟ نبی اکرم ﷺ نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ تو میرے رب کی طرف سے اشارہ تھا۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! اب آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور ان منافقین کو چھوڑ دیجئے، میری تلوار جانے اور منافقین کی گردنیں جانیں، وہ ایسی توہین آمیز بات کیسے کر سکتے ہیں۔ رب کریم کی پسند پر وہ ایسی باتیں کر رہے ہوں، یہ نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت حضرت عمرؓ کو پیار کی آنکھوں سے دیکھا، گویا دل سے کہہ رہے ہوں کہ عمر! اللہ تیرا نگہبان ہو، تو نے میرے

غم کو ہلکا کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کی طبیعت میں اطمینان آ گیا۔ آپ ﷺ اٹھے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے گھر کی طرف یہ معلوم کرنے کے لئے جاتے ہیں کہ میری حمیرا کس حال میں ہے؟ نبی اکرم ﷺ دستک دیتے ہیں، سیدنا صدیق اکبرؓ کی اہلیہ نے دروازہ کھولا۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ان کا رو رو کر برا حال ہو چکا ہے۔ جب صدیق اکبر ؓ کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں بھی رو رو کر سرخ ہو چکی تھیں اور سوج چکی تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، حمیرا نظر نہیں آ رہی، حمیرا کہاں ہے؟ انہوں نے کونے کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سجدے میں دعائیں مانگ رہی تھیں۔ بعد میں فرماتی ہیں کہ محبوب ﷺ جب تشریف لائے تھے تو میرے دل میں بات آئی کہ میں اسی وقت اٹھ کر آقا ﷺ کے قدموں کے ساتھ چمٹ جاؤں اور جی بھر کر رو لوں کہ میرے ساتھ یہ کیا معاملہ پیش آ رہا ہے مگر میرے دل نے کہا، عائشہ! تو نے اپنے رب کے سامنے اپنی فریاد بیان کر لی ہے، اب اپنے رب سے ہی مانگ لے، تیرا رب تیرا نگہبان ہوگا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، حمیرا! آپ ﷺ کی آواز سنتے ہی حمیرا نے سجدہ مکمل کیا اور آ کر چارپائی پر خاموش بیٹھ گئیں۔ نبی اکرم ﷺ قریب بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے پیار سے سمجھایا اور فرمایا، حمیرا! اگر تجھ سے کوئی ایسی غلطی ہوگئی ہے تو اپنے رب سے معافی مانگ لے، رب کریم گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ اس وقت تک تو میں صبر کے ساتھ بیٹھی تھی، آپ ﷺ کی یہ بات سن کر میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، میری آنکھوں سے آنسو آنا شروع ہوگئے، میں روتی رہی مگر خاموش تھی، روتے ہوئے میں نے کہا، میں وہی بات کہوں گی جو یوسفؑ کے والد نے کہی تھی اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّي وَ حُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ میں اپنا غم اور شکوہ اپنے رب سے کہتی ہوں۔ فرماتی

ہیں کہ میں نے یہ الفاظ کہے اور محبوب ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا۔ آپ ﷺ کی پیشانی پر پسندیدہ پسینے کے قطرے دیکھے، اور آپ ﷺ کے اندر وہ حسین کپکپی دیکھی جو وحی کے نزول کے وقت ہوا کرتی تھی۔ محبوب ﷺ کے اوپر غنودگی سی طاری ہوتی گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے اوپر چادر لے لی، فرماتی ہیں کہ میں آرام سے بیٹھی تھی، میرے دل میں خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو القا کر دیں گے یا نیند میں کوئی خواب دکھا دیں گے اور وضاحت فرما دیں گے۔ مگر میرے باپ اور میری ماں پر وہ چند لمحے بڑے عجیب تھے۔ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ تڑپ رہے تھے کہ وحی نازل ہو رہی ہے، پتہ نہیں کہ میری بیٹی کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے، والد کی آنکھوں میں بھی آنسو اور والدہ کی آنکھوں میں بھی آنسو۔ فرماتی ہیں کہ میں آرام سے بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے آقا ﷺ نے چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور کپڑے سے ایسے باہر نکلا جیسے بادل ہٹتا ہے تو چودھویں کا چاند نظر آتا ہے۔ فرمانے لگیں کہ میں نے چہرۂ انور پر بشاشت دیکھی، میں سمجھ گئی کہ اللہ رب العزت نے رحمت فرما دی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، عائشہ! مبارک ہو، اللہ کا کلام اتر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرما دی۔ فرماتی ہیں کہ اس وقت میری والدہ فرمانے لگیں، عائشہ! اٹھ اور نبی اکرم ﷺ کا شکریہ ادا فرما۔ فرمانے لگیں، میری توجہ رب کی طرف گئی۔ فرمانے لگیں، میں اپنے رب کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے محبوب ﷺ کی حمیرا کی فریاد کو قبول فرما لیا۔ ان کی پاکدامنی کی گواہی میں قرآن مجید میں ۱۸ آیتیں نازل فرما دی گئیں۔ یہی نہیں کہ ان کی براءت نازل فرما دی بلکہ آگے

فرمادیا کہ تمہیں اتنا عرصہ جو پریشان رہنا پڑا، اس کے بدلے میں **لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ** تمہارے لئے مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اجر ہے۔

جب پاکدامن انسان کو زندگی میں پریشانی آتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود ان کی پشت پناہی فرمایا کرتے ہیں۔ آج بھی جو انسان نیکوکاری کی زندگی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اس کے ساتھ ہوگی۔ محبوب ﷺ کی تعلیمات کتنی اچھی ہیں کہ آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی بھی ایسا کام کیا جائے جو حیاء کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ آپ ﷺ نے ایک ایک صحابیؓ کو حیاء کا ایسا نمونہ بنا دیا تھا کہ ان کی نگاہیں پاکیزہ، ان کے دل پاکیزہ، اور ان کی زندگی گناہوں سے پاکیزہ ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی پاکدامنی والی زندگیوں کا نمونہ عطا فرمادے اور ہمیں بھی حیاء اور غیرت والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دے۔

اسلام میں بیٹی کا مقام:

محبوب ﷺ کی بیٹی کے بارے میں ایسی تعلیمات ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باپ اگر گھر آئے، بیٹے بھی ہوں اور بیٹی بھی ہو تو اگر کوئی چیز لایا ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی بیٹی کو چیز پہلے دے، اس لئے کہ وہ چار دیواری میں رہتی ہے اور وہ باپ کے رحم کی زیادہ مستحق ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ:

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ ﷺ اپنے گھر جانے سے پہلے سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر جایا کرتے تھے آپ ﷺ جب اپنے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ آتی

تھیں تو آپ ﷺ اپنی بیٹی کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کو بٹھا کر پھر آپ ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔

اسلام میں بہن کا مقام:

نبی اکرم ﷺ نے بہن کی عزت کرنے کی بھی تعلیمات دیں۔ چنانچہ شیما جو حلیمہ سعدیہؓ کی بیٹی تھیں اور نبی اکرم ﷺ کو بچپن میں اٹھا کر ساتھ لے جایا کرتی تھیں۔ ان کے بارے میں آیا ہے کہ جب قبیلہ سعد پر فتح حاصل کی گئی تو ان کو بھی گرفتار کر کے لایا گیا۔ انہوں نے صحابہؓ سے کہا، تم مجھے گرفتار کرتے ہو، میں تمہارے نبی کی بہن ہوں، میں نے انہیں گود میں کھلایا ہے، میں ان کے لئے پانی بھر کر لایا کرتی تھی بعد میں ان کو پیار کیا کرتی تھی۔ صحابہؓ نے آ کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آج ایک ایسی عورت گرفتار ہوئی ہے جو یہ کہتی ہے کہ میں تمہارے نبی ﷺ کی بہن ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، ان کا نام شیما تو نہیں۔ بتایا گیا کہ ان کا نام شیما ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے چادر بچھائی، ان کو اس پر بٹھایا اور فرمایا، شیما! مجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب مجھے پیاس لگتی تھی تو تو میرے لئے پانی بھر کر لایا کرتی تھی، تو میری رضاعی بہن ہے، تجھے گرفتار کر کے لایا گیا ہے، تیرے قبیلے کے جتنے لوگ بھی گرفتار ہوئے میں نے تیری وجہ سے آج ان سب کو آزاد کر دیا اور تمہیں اختیار دیا کہ تم ان کو لے کر واپس چلی جاؤ۔

اسلام میں والدہ کا مقام:

جب کبھی حلیمہ سعدیہؓ نبی اکرم ﷺ سے ملنے کے لئے تشریف لاتیں تو نبی اکرم ﷺ ان کے لئے اپنی چادر کو خود بچھاتے تھے اور اس کے اوپر اپنی رضاعی ماں کو بٹھایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ماں کی عزت بتائی، بہن کی عزت بتائی، بیٹی کی

عزت بتائی۔ ان قریب کی عورتوں کی عزت کرنے کا حکم اس لئے دیا تا کہ پاکدامنی کی زندگی نصیب ہو۔

چاند دیکھنا سنت ہے:

پہلی رات کا چاند دیکھنا سنت ہے۔ نبی اکرم ﷺ چاند دیکھا کرتے تھے اور امت کو بھی حکم دیا کہ پہلی رات کا چاند دیکھا کریں۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم چاند دیکھیں۔ اس وقت یہ دعا بھی پڑھی جاتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَ الْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَ الْإِسْلَامِ وَ التَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى رَبِّي وَ رَبُّكَ اللّٰهُ۔

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ میں شرم وحیاء:

اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ کو عجیب حیاء عطا فرمایا تھا۔ ایک دفعہ چاند کی پہلی تاریخ تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے ہاں آپ کی بیٹی فاطمہؓ تشریف لائی تھیں۔ پوچھا، فاطمہ! کیا تم نے چاند دیکھا ہے؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے چاند نہیں دیکھا۔ فرمایا، بیٹی تم نے کیوں نے دیکھا؟ وہ خاموش ہو گئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے دوبارہ پوچھا، اس کی کیا وجہ تھی؟ سیدہ فاطمہؓ نے جواب دیا، اے ابا جان! میرے دل میں خیال آیا کہ آج پہلی کا چاند ہے، سب لوگ چاند کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اگر میں بھی دیکھوں گی تو میری نگاہیں اور غیر محرم مردوں کی نگاہیں چاند کے اوپر اکٹھی ہوں گی، میں نے اس بات کو شرم وحیاء کے خلاف پایا، اس لئے میں نے آج چاند نہیں دیکھا۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی بیٹیاں عطا کرے جن میں ایسی حیاء ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی زندگی عطا فرمائیں کہ ہماری زندگی سے گناہ نکل جائیں۔

تین دن کا فاقہ:

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کو نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ گھر میں موجود تھے۔ سیدہ فاطمہ تشریف لائیں۔ آقا ﷺ نے آپ سے پوچھا کہ کیسے آئیں؟ آپ نے اپنے دوپٹے کا ایک پلو کھولا۔ اس کے اندر آدھی روٹی تھی۔ آپ نے وہ روٹی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور کہا، ابا جان! میں آپ کے لئے اپنی طرف سے تحفہ لائی ہوں۔ پوچھا، فاطمہ! کیا بات بنی؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم کئی دنوں سے بھوکے تھے، حضرت علیؓ نے کچھ کام کیا اور آٹا لے کر آئے، میں نے روٹیاں پکائیں، ایک حسنؓ نے کھائی، ایک حسینؓ نے کھائی، ایک علیؓ نے کھالی، ایک روٹی سائل کو دے دی اور ایک روٹی میرے لئے بچی تھی۔ ابا جان! جب میں روٹی کھا رہی تھی تو دل میں خیال آیا، فاطمہ! تم بیٹھی روٹی کھا رہی ہو، پتہ نہیں کہ تمہارے ابا حضور کو کچھ کھانے کو ملا یا نہیں ملا، اس لئے میں نے بقیہ آدھی روٹی کپڑے میں لپیٹی اور آپ کی خدمت میں لے آئی ہوں۔ ابا حضور! میں آپ کو یہ ہدیہ پیش کر رہی ہوں، اس کو قبول فرما لیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، فاطمہ! مجھے قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج تین دن گزر گئے تیرے باپ کے پیٹ میں کھانے کا کوئی لقمہ نہیں گیا۔

پریشانیاں ختم کرنے کی ترکیب:

آج کل کے نوجوان اکثر و بیشتر کہتے ہیں کہ ہماری زندگی کی پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔ کہتے ہیں کہ ایک پریشانی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری آ جاتی ہے، دوسری ختم نہیں ہوتی کہ تیسری اوپر سے آ جاتی ہے۔ عام طور پر ان کی وجہ ہمارے اپنے گناہ اور تقویٰ کی کمی ہوتی ہے۔ جب زندگیوں میں تقویٰ اور پرہیزگاری آئے گی تو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے برکتیں نازل ہوں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ کہ اگر یہ بستی دیسوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور بالضرور ان کے لئے آسمان سے اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

صحابہ کرامؓ کے رزق میں برکت:

سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے کہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں تقویٰ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں اتنی بہتات عطا کردی تھی کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں جب کوئی زکوٰۃ لے کر نکلتا تو پورے مدینہ میں زکوٰۃ کا کوئی مستحق نظر نہیں آتا تھا کیونکہ صحابہ کرامؓ کے گھروں میں مال و دولت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میرے پاس بیت المال سے جو حصہ آتا تھا اس میں سونے کے اتنے بڑے بڑے ڈلے آتے تھے کہ انہیں لکڑی کے کلہاڑے سے توڑا کرتا تھا۔

تقویٰ کی برکت:

پھر قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا جب امام مہدیؒ تشریف لائیں گے، اس وقت زمین سے اللہ تعالیٰ کی معصیت ختم ہو جائے گی، سب نیک لوگ ہوں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ لوگوں کے تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اتنی برکتیں ہوں گی کہ ایک گائے کا دودھ پورے کے پورے خاندان کے لئے کافی ہو جایا کرے گا۔ ہم جتنا تقویٰ اختیار کریں گے اتنی ہی ہماری صحت میں برکت، وقت میں برکت، اور کاموں میں برکت ہوگی۔ آج گناہوں کی وجہ سے برکتیں رک چکی ہیں، نہ مال میں برکت، نہ صحت میں برکت اور نہ وقت میں برکت ہے۔ پھر ہم روتے پھرتے ہیں کہ کسی نے کچھ باندھ دیا ہے، کسی نے کچھ کر دیا، ہمارے اوپر آسیب کا اثر ہو گیا۔ الٹی

راہوں پر چل نکلتے ہیں، عملیات والوں کے پاس چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے عقیدے بھی خراب کر بیٹھتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہماری حفاظت فرمائے اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور نیک اعمال کو سبب بنا کر اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں میں برکت عطا فرمادے اور اب تک ہم نے جتنے بھی گناہ کیے، چھوٹے یا بڑے، تنہائی میں کیے یا محفل میں کیے، دن میں کیے یا رات میں کیے اللہ رب العزت ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرمادے اور آئندہ ہمیں پاکیزہ نگاہیں عطا فرمادے اور نگاہوں کی نامسلمانی سے محفوظ فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين

تین بڑی نعمتیں

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ علی عبادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا. وَ قال اللہ تعالیٰ فی مقام اخر،
اَللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ. وَ قال اللہ تعالیٰ فی مقام اخر فلا تَخْشَوْھُمْ وَ
اخْشَوْنِیْ .وَ قال اللہ تعالیٰ فی مقام اخر وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی
الْخٰشِعِیْنَ . اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَ اِنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ
وَ الْحَمْدُ للّٰہ ربِّ الْعٰلَمِیْنَ o

ہر انسان کو اللہ رب العزت کی طرف سے بے شمار نعمتیں ملی ہیں۔ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا فرمان الٰہی ہے اگر تم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم انہیں شمار ہی نہیں کر سکتے۔ ان بے شمار نعمتوں میں سے چند نعمتیں بڑی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی تعداد تین ہے۔

پہلی بڑی نعمت عقل ہے۔

''عقل'' کی لغوی تحقیق:

حدیث پاک میں آتا ہے اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ اللہ تعالیٰ نے سب سے

پہلے عقل کو پیدا کیا۔ یہ ایک نعمت ہے اللہ تعالیٰ جس کو بھی عطا فرما دے۔ عقل کا لفظ عقال ناقتہ سے بنا۔ اونٹنی کو جو نکیل ڈالی جاتی ہے اس کو عقال کہتے ہیں۔ وہ اونٹنی کو قابو رکھتی ہے، ادھر ادھر بھاگنے نہیں دیتی۔ اسی طرح جب انسان کی عقل سلیم ہوتو وہ اس کو شریعت کی حدود کے اندر رکھتی ہے ادھر ادھر بھاگنے نہیں دیتی۔

جنت میں عقل کے مطابق درجہ:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! لوگ قیامت کے دن جو مقام اور درجہ پائیں گے وہ کس حساب سے پائیں گے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عقل کے مطابق۔ وہ بڑی حیران ہوئیں۔ کہنے لگیں، اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا عمل کے مطابق نہیں پائیں گے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ عمل بھی اتنا ہی کریں گے جتنی اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہوئی ہوگی۔

اس عقل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کو عقل معاد کہتے ہیں اور دوسری کو عقل معاش کہتے ہیں۔

عقل معاش:

یہ عقل معاش دنیا کے نقطہ نظر کی عقل ہوتی ہے، یہ ہر چیز میں دنیا کو تلاش کرے گی حتی کہ ان کے سامنے دین کو پیش کیا جائے گا تو یہ دین میں بھی دنیا کا پہلو نکال لے گی۔ ان سے کہو کہ ایک پارہ تلاوت کریں تو انہیں مصیبت نظر آتی ہے۔ لیکن کاروبار کے لئے کہو کہ فلاں آیت گیارہ سو مرتبہ پڑھو تو بڑے آرام سے پڑھ لیں گے۔ ان کا مقصود دنیا کی عزت، دنیا کا مال اور دنیا کی شان وشوکت ہے۔ اب اس کے لئے بتانے والے نے بتا دیا کہ تہجد کی نماز کے بعد پڑھو تو وہ بھی اٹھ کے پڑھ لیا کرتے ہیں۔ عقل معاش اپنے دین کو بھی دنیا بنا لیتی ہے۔

عقل معاد:

عقل معاد اللہ رب العزت اپنے انبیاء کو عطا فرماتے ہیں اور ان کی اتباع کی برکت کی وجہ سے علماء اور صلحاء کو بھی عطا فرماتے ہیں۔ یہ وہ عقل ہوتی ہے جو ہر کام میں آخرت کی کامیابی کو دیکھتی ہے۔ آخرت کی کامیابی کو اصل کامیابی سمجھے گی۔ اس کے سامنے دنیا کی بھی بات کرو تو یہ دنیا کی باتوں میں سے بھی آخرت کا پہلو نکال لے گی۔ یہ عقل معاد ہے۔

ایک بزرگ جا رہے تھے۔ انہوں نے سنگترے بیچنے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا ''چنگے سنگترے چنگے سنگترے'' ان پر وجد طاری ہو گیا۔ اللہ اللہ اللہ اللہ اونچی آواز سے کہنے لگے۔ جب کچھ کیفیت ٹھیک ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ حضرت! کیا بنا؟ فرمایا، تم نے نہیں سنا وہ کیا کہہ رہا تھا۔ عرض کیا، حضرت! وہ سنگترے بیچ رہا تھا۔ فرمایا نہیں سنو تو سہی کہ کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا، حضرت! سنگترے بیچ رہا ہے کہ میرے پاس اچھے سنگترے ہیں تم خرید لو۔ انہوں نے کہا پھر سنو وہ کہہ رہا ہے چنگے سنگترے۔ کہا، ہاں حضرت! بیچنے کے لئے صفت بیان کر رہا ہے کہ اچھے سنگترے۔ فرمایا، نہیں۔ ذرا غور سے سنو وہ کہہ رہا ہے چنگے سنگترے۔ جو چنگوں کے سنگ لگ گئے وہ تر گئے۔ سبحان اللہ۔ یہ عقل معاد ہوتی ہے کہ دنیا کی بات ان کے سامنے پیش ہو اس میں سے بھی آخرت کا نکتہ نکال لیتے ہیں۔

عقل معاد اپنی دنیا کو بھی دین بنا لیتی ہے۔ اللہ والوں کو عقل معاد نصیب ہوتی ہے اس لئے ان کی توجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ ہر چیز اسے اللہ رب العزت کی یاد دلاتی ہے۔ سنا ہے کہ زلیخا نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ لیا تھا۔ مؤمن کا بھی یہی حال کہ ہر چیز اسے اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے۔

؎ چاند تاروں میں تو مرغزاروں میں تو ہے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا

اور ایک شاعر نے کہا،

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

دوسری بڑی نعمت

دوسری بڑی نعمت علم ہے، اللہ رب العزت جس کو بھی عطا فرما دیں۔ ابھی آپ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم سے علم ظاہری اور علم باطنی کے تلازم پر بات چیت سن رہے تھے۔ ایک کتابی علم ہوتا ہے اور ایک صحبتی علم ہوتا ہے۔ کتابی علم تو کاغذ کے صفحوں پر لکھا ہوا مل جائے گا جب کہ صحبتی علم سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتا ہے۔ جیسے علم ظاہری کتابوں سے قلم اور کاغذ کے ذریعے منتقل ہوتا آ رہا ہے۔ یہ علم سیدنا صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پایا۔ اسی لئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مَا صَبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَ قَدْصَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبُوْبَكْرٍ ۔ کہ اللہ رب العزت نے میرے سینے میں جو کچھ بھی ڈالا ہے میں نے اسے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ اور ان کی اہلیہ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ ابوبکر کو لوگوں پر فضیلت ان کے نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس سوز اور غم کی وجہ سے تھی جو اللہ نے ان کے دل میں عطا کر دیا تھا۔ جیسے لوگ اپنے خاندانی شجرے رکھتے ہیں کہ ہم حسنی حسینی

سید ہیں۔الحمدللہ ہمارے پاس بھی شجرے موجود ہیں۔کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سے آگے یہ نعمت آگے کہاں پہنچی اور پھر اس سے آگے کہاں پہنچی۔اور الحمدللہ ہمارے مشائخ نے یہ نعمت اپنے رب کی رحمت اور فضل سے ہم جیسے عاجز اور نالائقوں تک پہنچا دی۔یہ نسبت قیامت تک چلتی رہے گی۔

امام مہدی اور سلسلہ نقشبندیہ:

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی جب تشریف لائیں گے تو ان کا سینہ بھی نسبت نقشبندیہ کے نور سے معمور ہوگا۔اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے عالم کشف میں اللہ تعالیٰ نے نقشبندی طریقت کے ساتھ نسبت رکھنے والے قیامت تک جتنے بھی لوگ آنے تھے ان سب کی زیارت کروا دی ہے۔

طالب علم کے ایک ایک قدم کی فضیلت:

تاہم اللہ رب العزت کے ہاں علم کی بڑی فضیلت ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی طالب علم اپنے استاد کے پاس چل کر جاتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے ہر قدم پر اس کو ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔جنت میں اس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک شہر آباد کیا جاتا ہے اور زمین کے جن ٹکڑوں پر اس کے قدم لگتے ہیں، زمین کے وہ ٹکڑے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

علم کی فضیلت:

امام غزالیؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ طالب علم جب چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے برکت کے حصول کے لئے اس کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں۔اللہ رب العزت کے ہاں اس کی بہت قدر ہے۔اس لئے فرمایا کہ جو آدمی طلب علم کے لئے نکلا اس کے بدن پر جو غبار پڑتی ہے وہ غبار اور جہنم کا دھواں یا جہنم کی آگ یہ

دونوں ایک جگہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور علم:

اللہ رب العزت نے سیدنا سلیمانؑ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ چاہیں تو آپ کو ہم علم دیں یا آپ کو شاہی عطا کر دیں یا آپ کہیں تو ہم آپ کو مال عطا کر دیں۔ انہوں نے اللہ رب العزت سے علم مانگا اللہ تعالیٰ نے علم کی برکت سے ملک اور مال ان کو خود عطا فرما دیا۔

ایک ہزار رحمتیں:

بلکہ علما نے کتابوں میں لکھا ہے کہ روزانہ اللہ رب العزت کی ایک ہزار رحمتیں نازل ہوتی ہیں جن میں سے نو سو ننانوے علماء اور طلباء کو دی جاتی ہیں اور باقی عوام الناس میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس لئے حدیث پاک میں آتا ہے۔ تم عالم بنو، یا طالب علم بنو، یا ان کی باتیں سننے والا بنو یا ان سے محبت رکھنے والا بنو کوئی اور چیز مت بننا۔

علم اور مقام علیین:

علم کے تین حروف ہیں۔ عین سے علیین کہ جب اللہ رب العزت کے پاس جائے گا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو علیین میں مقام عطا فرمائیں گے۔

علم اور محبت الٰہی:

اور علم کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ سوچ میں لطافت آ جاتی ہے۔ کثافت ختم جاتی ہے اور جتنا علم ہوگا اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اتنا پھر اس کے اندر اللہ رب العزت کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ تو علم وہ ہے کہ جس سے انسان کے اندر لطافت پیدا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔ اور جب وہ دنیا سے جائے تو اللہ

تعالیٰ اس کو مقام علیین عطا فرمائیں۔

عالم کے اکرام کا ثمرہ:

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی عالم کو سہارا دیتا ہے۔ بیمار ہے بڑھاپا ہے، کمزوری ہے، تھکے ہوئے ہیں۔ جب کوئی آدمی کسی عالم کو سہارا دیتا ہے اللہ رب العزت ہر قدم کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور اگر کوئی آدمی محبت اور عقیدت کی وجہ سے کسی عالم کے ماتھے یا سر پر بوسہ دیتا ہے اللہ رب العزت ہر بال کے بدلے میں اس کو نیکی اور اجر عطا فرماتے ہیں

عالم کی ہمنشینی نبی اکرم ﷺ کی ہمنشینی:

تنبیہ الغافلین میں ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی۔ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ نے نقل کی کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، جس نے عالم کی زیارت کی اس نے میری زیارت کی، جس نے عالم سے مصافحہ کیا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور جس نے عالم سے ہمنشینی اختیار کی اس نے مجھ سے ہمنشینی اختیار کی اور جس نے دنیا میں مجھ سے ہمنشینی اختیار کی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو میرا ہمنشین بنا دیں گے۔

قیامت کے دن علما کا اکرام:

اسی لئے ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن امت محمدیہ نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگی تو امت کے جتنے بھی لوگ پیاسے ہوں گے۔ ان پیاسوں کو فرشتے نبی ﷺ کے حکم پر حوض کوثر سے پیالے بھر بھر کر پلائیں گے لیکن جو اس امت کے علما ہوں گے ان علماء کو اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ اپنے ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام پلائیں گے۔ یہ وارث ہیں انبیاء کے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعوت:

سائیں توکل شاہ انبالوی بڑے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہر میں بھی بہت دیا تھا۔ یہ دنیا اللہ والوں کے قدموں میں آتی ہے۔ لوگ حسد کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے۔ لیکن وہ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں لیکن یہ پھر بھی پیچھے آتی ہے۔ ان کا دستر خوان بڑا وسیع تھا اور اعلان تھا کہ جو آدمی غریب ہو، نادار ہو، مسافر ہو، لاچار ہو وہ ان کے دستر خوان پر آکر کھانا کھائے۔ سینکڑوں لوگ روز کھانا کھاتے تھے۔ خانقاہ چل رہی تھی۔ لوگوں کے مزے تھے لوگ آتے، کھانا کھاتے۔ بہت عرصہ ان کا یہ معمول رہا۔

ایک مرتبہ ان کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو بڑی خوشی ہوئی مگر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ توکل شاہ! تم اللہ تعالیٰ کی دعوت تو روزانہ کرتے ہو اور ہماری دعوت تم نے کبھی نہیں کی۔ آنکھ کھلی تو بڑے پریشان ہوئے۔ کئی دن تک اللہ رب العزت کے حضور روتے رہے، مانگتے رہے کہ پروردگار! اس کی تاویل کیا ہے؟ بالآخر اللہ تعالیٰ نے دل میں بات ڈالی کہ میں نے جو یہ دستر خوان کھلا رکھا یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے اللہ کے واسطے کہ اے اللہ! تیرے بندے ہیں کوئی غریب ہے اور کوئی بے روزگار ہے، تیری نسبت سے لوگ آتے ہیں، کھاتے ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ کے ورثاء تو عالم، حفاظ اور قراءَ ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی کبھی دعوت نہیں کی اس لئے مجھے یہ فرمایا گیا۔ چنانچہ انہوں نے پورے شہر کے علماء، حفاظ اور قراءَ کی دعوت کی گویا یہ دعوت نبی اکرم ﷺ کی ہوگئی

علم کا مفہوم:

تاہم جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ اس بے عمل کے لئے یہ بشارتیں نہیں۔ علم

پرعمل کا ہونا ضروری ہے۔ اس عاجز کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی زیارت نصیب ہوئی اور ان کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ انہوں نے طلبا سے پوچھا کہ بتاؤ، علم کا کیا مفہوم ہے؟ کسی نے کہا، جاننا، کسی نے کہا، ماننا، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا۔ حضرت خاموش رہے۔ بالآخر ایک طالب علم نے کہا عرض کیا ،حضرت! آپ بتا دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ علم وہ نور ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پرعمل کئے بغیر چین نہیں آتا۔ اگر یہ کیفیت ہے تو علم ہے ورنہ تو وبال جان ہے۔ اس لئے جو بے عمل آدمی ہوگا اور عالم بھی اپنے آپ کو کہلائے گا تو قیامت کے دن اس کا مواخذہ ہوگا۔

علمائے سوء کے پیٹ کی بدبو:

ایک روایت میں آتا ہے جہنم کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کریں گے کہ اے اللہ دو چیزوں کی بدبو نے بہت پریشان کیا ہوا ہے ایک کفار کے جسموں سے جو بدبو آ رہی ہے اور دوسری علماء سو کے پیٹ سے جو بو آ رہی ہے اس نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔

خنزیر کے گلے میں موتی:

ابن سیرینؒ کے سامنے کسی نے خواب بیان کیا کہ میں خنزیر کے گلے میں موتی ڈال رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نااہلوں کو علم مت سکھایا کرو، ناقدروں کو یہ چیز نہ دیا کرو، یہ قدر کرنے والی چیز ہے۔

امام بخاریؒ اور علم کی قدر:

امام بخاریؒ کے ہاں علم کی قدر تھی۔ جو آج اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عزت عطا فرمائی شرف عطا فرمایا۔ وقت کے حاکم نے کہا تھا کہ گھر آ کر میرے بچوں کو

پڑھاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ علم کی توہین ہے اور میں علم کی توہین نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا، شہر چھوڑنا پڑے گا۔ فرمایا، شہر تو چھوڑ دوں گا مگر کبھی علم کی توہین نہیں کروں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آج ان کو کیا عزتیں عطا فرمائی ہیں۔

چنبیلی کے پھول کی تعبیر:

ایک شخص نے ابن سیرینؒ سے آکر خواب بیان کیا کہ حضرت! میں نے دیکھا ہے کہ ایک کبوتر ہے اور وہ چنبیلی کے پھول کھا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی یہ تعبیر ہے کہ چند علماء کو جلدی موت آجائے گی۔ چنانچہ اگلے چند دنوں کے اندر اندر بیس بڑے بڑے علماء اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تو خواب میں چنبیلی کے پھول کو دیکھنا اس کی تعبیر علماء ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ علم والوں کی اپنی شان ہوتی ہے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین ہونا چاہئے محبت ہونی چاہئے توکل ہونا چاہئے۔

عالم اور جاہل میں فرق:

فقہا نے مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عالم اور جاہل دونوں ایک وقت میں گرفتار ہو جائیں اور ایک آدمی کو قدرت ایسا اختیار دے کہ وہ دونوں میں سے ایک کو آزاد کروائے تو جاہل کو آزاد کروالے اس لئے کہ عالم کے اندر دین کی خاطر تکالیف برداشت کرنے کا زیادہ ملکہ ہے، اللہ پر زیادہ توکل ہے، وہ ان تکالیف میں بھی رہے گا تو زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالے گا۔ ہوسکتا ہے کہ جاہل ان مصیبتوں کی وجہ سے کفر کا کوئی کلمہ زبان سے نکال بیٹھے۔ تو جاہل کو نکلوالو عالم کو رہنے دو۔

مگر دوسرا مسئلہ یہ لکھا کہ اگر ایک حمام میں یا کسی جگہ ایک عالم نہا رہا تھا اور دوسرے حمام میں جاہل نہا رہا تھا اور کسی نے کپڑے چرا لئے۔ اب دونوں کے بدن پر کپڑے نہیں اور ایک آدمی کے پاس ایک ہی کپڑا ہے تو فرمایا کہ اب دینے والے کو

چاہیے کہ وہ عالم کے جسم کو پہلے ڈھانپے اس لئے کہ عالم کی نگاہ شریعت وسنت کی وجہ سے جاہل کے جسم پر نہیں پڑے گی لیکن جاہل کی نگاہ عالم کے جسم پر پڑ سکتی ہے۔ تو علم کے تقاضے ہیں۔ شریعت توقع کرتی ہے اس بات کی کہ جب یہ علم عطا ہو تو اب اس پر عمل بھی ہو۔

علما امت کا آئینہ:

ہارون الرشید علماء کا بڑا قدردان تھا۔ ایک دفعہ علماء بھی بیٹھے تھے کہ شفیق بلخیؒ نے ہارون الرشید کو ایک نصیحت کی، فرمانے لگے کہ دیکھو دریا کا پانی صاف ہوتا ہے۔ تو نہروں میں صاف پانی آیا کرتا ہے اور جب دریاؤں کا پانی گندہ ہوتا ہے۔ تو پھر نہروں میں گندہ پانی آیا کرتا ہے۔ اسی طرح علماء کے دلوں کے اندر اگر دین کی تڑپ ہوگی تو عوام کے دلوں میں بھی یہی چیز منتقل ہوگی اور اگر علماء کے دلوں میں دنیا بسے گی تو عوام الناس سے گلہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

علمائے سوء اور علمائے حق کا کردار:

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت! اس امت کو جب بھی زوال آیا تو کس وجہ سے آئے گا۔ تو فرمایا علماء کی وجہ سے۔ پھر پوچھا کہ حضرت! اس امت کی ڈولتی کشتی کو سہارا کون دے گا۔ تو فرمایا، علما۔ اس نے کہا کہ حضرت، یہ کیا، کہ ڈبوئیں گے بھی علماء اور تیرائیں گے بھی علما۔ فرمایا کہ جو علمائے سوء ہوں گے وہ ڈوبنے کا سبب بنیں گے اور جو علمائے حق ہوں گے وہ کشتی کے تیرنے کا سبب بن جائیں گے۔

گمراہی کے راستے:

تو اس لئے عالم وہی جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ اس علم کے ذریعے انسان کو حق کا راستہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قران پاک میں فرمایا۔ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ

وَلَاالظُّلُمَاتُ وَلَاالنُّوْر ۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اَعْمٰی سے جاہل مراد ہےاور بصیر سے عالم مراد ہے۔ان سے کسی نے سوال کیا کہ اگر یہ مراد لیں تو ولاالظلمات ولاالنور میں ظلمات کا لفظ تو جمع کالایا گیا اور نور کا لفظ ایک لایا گیا انہوں نے فرمایا کہ اس لئے کہ گمراہی کے راستے تو کئی ہوتے ہیں اور حق کا راستہ ہمیشہ ایک ہوا کرتا ہے۔

علم اور انبیاء علیہم السلام:

اسی علم کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو شرف عطا کیا۔ دیکھئے سیدنا آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ بنے اللہ تعالیٰ نے ان کو اسماء کا علم دیا تھا وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا تو ان کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء علم الاشیاء دے دیا تھا جس کی وجہ سے ان کو مسجود ملائکہ بنا دیا گیا تو یہ فضیلت ان کو کس لئے ملی؟ علم کی وجہ سے ملی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے ملکہ بلقیس کے اوپر غلبہ عطا کیا تھا اس کی بنیاد کیا چیز بنی؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولی سمجھنے کا علم عطا کیا تھا۔ يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ ۔داؤد علیہ السلام کو سلطنت کیوں ملی تھی؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک فن دے دیا تھا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ اور ہم نے ان کو عطا کر دیا تھا زرہ بنانے کا علم کہ وہ کڑیوں کو ایک ترتیب کے ساتھ جوڑتے چلے جاتے تھے۔حضرت یوسف علیہ السلام کو جو جیل سے نجات ملی تھی وہ ان کے علم کی وجہ سے تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تاویل رویاء کا علم دیا تھا۔ یہ بھی ایک علم ہے۔ دو بندوں نے خواب دیکھا تھا انہوں نے تاویل کی تھی اور ان میں ایک ان کی رہائی کا سبب بن گیا۔ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔

تکوینی علوم میں حضرت خضر علیہ السلام کی فضیلت:

بلکہ ایک غیر نبی ولی ایک نبی کے استاد بننے کا شرف پا گئے۔ علم شریعت میں نہیں بلکہ علم لدنی یعنی تکوینی علوم میں۔ کچھ تشریعی علوم ہیں جن کو ہم شریعت کہتے ہیں اور ایک اس نظام کائنات کو چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی سرکاری جماعت ہوتی ہے فرشتوں کی اور بندوں کی جو کام کر رہی ہوتی ہے جیسے آپ تو یہاں مجمع میں بیٹھے ہیں اور ایک خدمت کی جماعت لگی ہوئی ہے کوئی روٹی پکا رہا ہے اور کوئی پانی لا رہا ہے۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ اگر دل میں یہ رہا کہ چائے نہ ملی تو کیا بنے گا اللہ تعالیٰ آپ کو چائے تو دے دیں گے مگر باطن کی نعمت سے اللہ تعالیٰ آپ کو محروم کر کے بھیج دیں گے۔ اپنے مقصود کو ٹھیک رکھیں اگر سونا تھا تو گھر میں بستر بڑے نرم تھے، اگر کھانا تھا تو گھر میں بیوی کے ہاتھوں کا پکا کھانا بڑا اچھا تھا۔ گھر میں چائے بڑی اچھی ملتی تھی۔ ہر سہولت گھر میں تھی مگر یہاں تو آپ اور کسی مقصد کے لئے آئے تھے۔ اور وہ ہے اللہ رب العزت کی رضا۔ اب خدمت کی جماعت دن رات لگی ہوئی ہے خدمت کرنے میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہو جائے تو صرف نظر کریں بلکہ ان کے لئے دعا کریں کیونکہ وہ اپنے دن رات لگا کر آپ کے لئے یہاں اطمینان سکون سے بیٹھنا آسان بنا رہے ہیں۔ شیطان کئی دفعہ غلطی کروا دیتا ہے۔

اس لئے مقصود سامنے رہے۔ ہم چائے کے لئے نہیں چاؤ کے لئے آئے ہیں۔ چاؤ کسے کہتے ہیں محبت کو۔ تو یہاں چائے کے لئے نہیں آئے چاؤ کے لئے آئیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا چاؤ نصیب فرما دے اپنی محبت عطا فرما دے۔

تو ایک ولی کو اللہ تعالیٰ نے ایک نبیؑ کے استاد ہونے کا شرف عطا کیا۔ وہ ولی کون تھے؟ حضرت خضرؑ۔ حضرت موسیٰؑ کو ان کے پاس بھیجا گیا۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ

عِبَادِنَا اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اللہ تعالیٰ نے انہیں علم لدنی عطا کیا تھا۔

دو بوڑھوں میں محبت الٰہی:

ہمارے حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ پر بچھانے کے لئے دسترخوان نہیں ہوتا تھا، کبھی روٹی خشک پانی کے ساتھ کھا لیتے، کبھی لسی کے ساتھ کھا لیتے، کبھی گڑ مل جاتا تو اس دن سالکین کی عید ہوتی تھی کہ آج ہمیں گڑ سے روٹی کھانے کا موقع نصیب ہو گیا۔ انہوں نے اس حال میں اللہ اللہ سیکھا۔ مگر اس قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے میں ایسی محبت بھر دی تھی کہ ایک مرتبہ مجمع میں دو بوڑھے بیٹھے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک نے اس کا گریبان پکڑا دوسرے نے اس کا پکڑا۔ یہ اس کے لگا رہا ہے وہ اس کے لگا رہا ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ یہ دونوں ذاکر شاغل ہیں، کیوں لڑ رہے ہیں۔ تو جب قریب ہو کر دیکھا تو پتہ چلا کہ دونوں پر ایک حال اور محبت کی کیفیت تھی ان میں سے ایک نے کہہ دیا "اللہ میڈا ہے" یعنی اللہ میرا ہے۔ اب دوسرے کو غیرت آئی وہ اس کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتا ہے کہ نہیں اللہ میرا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ میرا، وہ کہتا ہے کہ اللہ میرا ہے اس بات پر دونوں جھگڑ رہے ہیں۔ اور دونوں ہی جانتے تھے کہ اللہ ان دونوں کا تھا۔ تو مجاہدوں سے سیکھتے تھے تو محبت ایسی ہوتی تھی کہ دل کہتا تھا کہ اللہ میرا ہے بس۔

اولوالعلم میں عوام الناس کو داخل کرنا:

ایک روایت میں آتا ہے کہ روز محشر اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کو فرمائیں گے کہ اے میرے محبوب! اپنی امت کے علما کو بلا لیجئے تو نبی اکرم ﷺ پوری امت کو بلا لیں گے۔ جب پوری امت کو بلائیں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے،

اے میرے محبوب ﷺ! میں نے تو کہا تھا کہ آپ علما کو بلائیں اور آپ نے پوری امت کو بلا لیا۔ نبی اکرم ﷺ عرض کریں گے، اے اللہ! آپ نے میری امت کے ہر فرد کے علم کی گواہی خود دی ہوئی ہے۔ پوچھیں گے میرے محبوب! وہ کیسے؟ تو آپ ﷺ قرآن کی آیت پڑھیں گے شَھِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ کہ جس بندے نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا یہ کہنے والے کون ہوتے ہیں یہ اولوالعلم ہوتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی پوری امت کو علماء میں شامل فرمالیں گے۔

تیسری بڑی نعمت

علم ہو مگر ادب نہ ہو تو رنگ نہیں چڑھتا، سینہ روشن نہیں ہوتا۔ انسان ضرب یضرب کی گردانیں کرتا رہتا ہے۔ اور اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ شیطان مجھ کو کے مار رہا ہوتا ہے۔ اس کو نہیں پتہ ہوتا کہ شیطان مجھے کہاں کہاں بھٹکا رہا ہے وہ اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہے اور خواہشات کو بھی دین کا رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا ارشاد:

اس لئے حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا کہ عالم کا شیطان بھی عالم اور مفتی کا شیطان بھی مفتی ہوتا ہے۔ بڑی تاویلیں سکھاتا ہے جاہل گناہ کرے گا تو احساس ندامت کے ساتھ کرے گا لیکن عالم گناہ کرے گا تو کسی تاویل کے ساتھ، جس کی وجہ سے پھر توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔

اس لئے جہاں فضائل بہت ہوتے ہیں وہاں پھر احتیاط بھی بڑی کرنی پڑتی ہے۔ ہیرے اور موتی کی قیمت بڑی ہوتی ہے اس لئے کتنا احتیاط سے رکھتے ہیں کہ

جی یہ کرسٹل کی بنی ہوئی چیز ہے احتیاط سے رکھیں۔تو جہاں فضائل بڑے ہوں تو وہاں پر تقاضے بھی بڑے ہوں گے۔تو علم انسان حاصل کرے عمل کی خاطر اور عمل کے ساتھ ادب بھی اللہ رب العزت سے مانگے۔یہ تیسری بڑی نعمت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ادب:

اگر کسی انسان کے اندر علم کی کمی ہوگی تو وہ ادب سے پوری ہو جائے گی مگر ادب کی کمی علم کی وجہ سے پوری نہیں ہوا کرتی۔اللہ تعالیٰ بے ادبی معاف نہیں فرماتے۔بڑے غیور ہیں ادب کا اللہ تعالیٰ اتنا لحاظ فرماتے ہیں کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا احادیث لکھ رہا تھا قلم نہیں چل رہا تھا تو میں نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے اس قلم کو ذرا درست کیا تو سیاہی لگ گئی۔اسی حال میں مجھے تقاضا محسوس ہوا بیت الخلاء جانے کا۔جب میں وہاں بیٹھنے لگا تو بیٹھتے ہی میری نظر انگوٹھے پر پڑی تو میں نے سیاہی دیکھی تو دل میں خیال آیا کہ اگر تقاضے سے فارغ ہوا تو ہاتھ دھوئیں گے اور پانی کی وجہ سے یہ سیاہی جو میں لکھنے میں استعمال کرتا ہوں اس گندے پانی میں شامل ہو جائے گی جو کہ ادب کے خلاف ہے۔میں نے تقاضے کو دبایا اور بیت الخلاء سے باہر آیا اور آکر میں نے سیاہی کو صاف جگہ پر دھویا۔جیسے ہی دھویا اسی وقت الہام ہوا کہ احمد سرہندی! ہم نے جہنم کی آگ کو تیرے اوپر حرام کر دیا۔تو علم بھی ہو ادب بھی ہو پھر نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہوا کرتا ہے۔

قبلہ رخ بیٹھنے کی فضیلت:

میں نے ایک کتاب میں واقعہ پڑھا کہ ایک دوست فرماتے تھے کہ میرے دو طالبعلم تھے اور دونوں قرآن پاک یاد کرنے والے تھے۔ایک کی نشست ایسی تھی کہ اس کا رخ قبلہ کی طرف تھا اور دوسرے کی پیٹھ قبلے کی طرف تھی۔وہ فرماتے ہیں کہ

جس کا رخ قبلے کی طرف ہوتا تھا وہ دوسرے سے ایک سال قبل قرآن پاک کا حافظ بن گیا۔ اسی لئے ہمارے مشائخ بھی اپنے رخ کو قبلے کی طرف رکھنے کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ ہر جگہ ممکن نہیں ہوتا لیکن جہاں ممکن ہو انسان کوشش کرے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ادب:

مفتی ہند حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے ایک مرتبہ طلباء سے پوچھا کہ بتاؤ انور شاہ کشمیریؒ انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ اب جس کو تفسیر کے ساتھ زیادہ شغف تھا اس نے کہا کہ بڑے مفسر تھے۔ جس کو حدیث پاک کے ساتھ زیادہ شغف تھا اس نے کہا کہ محدث تھے۔ جن کو اشعار کے ساتھ زیادہ دلچسپی تھی اس نے کہا کہ ان کا کلام بڑا اعلیٰ تھا۔ حضرت خاموش رہے۔ طلباء نے کہا کہ حضرت! آپ بتا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا، میں کیا بتاؤں یہ سوال خود ان سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم کے اور کتابوں کے ادب کی وجہ سے علامہ انور شاہ کشمیری بنا دیا۔ اور ادب کتنا فرماتے تھے کہ اگر حدیث پاک کی کتاب پڑی ہے اور مطالعہ کر رہے ہیں اور حاشیہ پڑھ رہے ہیں تو حاشیہ کا رخ بدل کر اور خود بیٹھ کر حاشیہ کو نہیں بدلتے تھے بلکہ اٹھ کر دوسری طرف آتے اور پھر حاشیہ کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے کبھی کسی کتاب کو بے وضو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ حدیث کی کتاب کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں کتابوں کے رکھنے میں بھی خیال کرتا تھا۔ کبھی میں نے قرآن پاک کے اوپر تفسیر نہیں رکھی، تفسیر کے اوپر حدیث کی کتاب نہیں رکھی، حدیث کی کتاب کے اوپر فقہ کی کتاب نہیں رکھی، فقہ کی کتاب کے اوپر میں نے تاریخ کی کتاب نہیں رکھی۔ میں کتابوں کے رکھنے میں بھی ان کے درجات کا خیال رکھتا تھا۔ اس ادب کی وجہ سے پروردگار نے

قبولیت عطا فرمائی۔

جادوگر اور ادب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ستر ہزار جادوگر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق عطا کر دی۔ چند لمحے پہلے کافر تھے اور چند لمحے بعد سجدے میں گر گئے اور مومن بن گئے۔ کیا وجہ تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر ادب تھا ایک تو وقت کے نبیؑ کے ساتھ مشابہت اختیار کی تھی اور دوسری وجہ کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ مقابلہ سے پہلے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا کہ کیا کریں۔ ان میں ایک اندھا جادوگر تھا اس نے کہا کہ بھئی دیکھو دو صورتیں ہیں۔ یا تو ہمارا مد مقابل واقعی سچا ہے اور اللہ کا نبی ہے یا پھر ہماری طرح جادوگر ہے۔ لہذا میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اس کا ادب کرو۔ اگر ادب کریں گے اور وہ جادوگر ہوا اور ہم غالب آ گئے تو ہمیں نقصان کوئی نہیں۔ اور اگر وہ ہم پر غالب آ گیا تو ہم نے چونکہ اس کا ادب کیا ہوگا اس لئے اس کا ادب ہمارے لئے فائدہ اور نفع کا سبب بن جائے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ ہم اس کا کیا ادب کریں؟ اس اندھے نے مشورہ دیا، اللہ تعالیٰ نے اسے باطن میں روشنی دے دی ہوگی۔ اس نے کہا کہ ادب یہ ہے کہ تم مقابلہ کرنے سے پہلے پوچھ لینا کہ جناب آپ پہلے ڈالنا چاہتے ہیں اپنی کسی چیز کو یا ہم ڈال کر دکھائیں۔ یہ جو ہم پوچھیں گے ہمارا یہ پوچھنا اذن اور ادب بن جائے گا اور اس ادب کی وجہ سے ہمیں نفع ملے گا اور واقعی جب انہوں نے اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہا تو واقعی اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس ادب کی وجہ سے ایمان کی دولت نصیب فرما دی۔

ہمارے سجدوں کی کیفیت:

اب یہاں ایک نکتہ ہے کہ ان جادوگروں نے ایک سجدہ کیا تھا اور اس ایک

سجدے سے وہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب پا گئے تھے کہ ان کے ایمان کی بشارتیں خوشخبریاں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیں۔ اے مومن! تو دن میں چالیس سجدے کرتا ہے تو تجھے اللہ تعالیٰ کا قرب کیوں حاصل نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ہمارے سجدے کی وہ کیفیت نہیں ہے ان کا ایک سجدہ ہماری زندگی کے ان سجدوں سے زیادہ بہتر تھا اس لئے وہ زیادہ قرب کا مقام پا گئے۔ تو سجدہ کریں اس محبت کے ساتھ کہ سجدے میں بھی مزہ آئے اور کیفیت یہ ہو کہ **اِلٰهِیْ سَجَدَ لَکَ سَوَادِیْ وَ خِیَالِیْ** اے اللہ! میرا جسم، میری جان، میری روح تجھے سجدے کر رہی ہے۔ ایسے سجدے کا مزہ آتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور ادب:

علما نے تفسیر میں ایک نکتہ لکھا ہے۔ طلباء کے لئے سمجھنا آسان ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ آج ہم مارے گئے۔ پکڑے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلدی میں جواب دیا تھا کہ **اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ** اللہ رب العزت میرے ساتھ ہے اور وہ راہنمائی فرمائے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی میں سیدنا صدیق اکبرؓ گھبرائے تھے کہ کفار کہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھ نہ لیں اور تکلیف نہ پہنچائیں۔ اپنی گھبراہٹ نہیں تھی محبوب کے لئے گھبراہٹ تھی۔ تو محبوب ﷺ نے کیا فرمایا تھا **اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** اب یہاں مفسرین نے نکتہ لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکل گیا تھا **اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ** انہوں نے معی کا لفظ پہلے کہہ دیا اور ربی کا لفظ بعد میں کہا تھا جب کہ نبی اکرم ﷺ نے **اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** میں اللہ کا لفظ پہلے لیا تھا معنا کا لفظ بعد میں لیا اس لئے اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے شرک کے لئے راستہ پھر بھی کھلا رکھا کہ بعد میں وہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے نام کو مقدم کیا اس لئے اللہ نے

آپ کی امت پر شرک کے دروازوں کو بند کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد اس جگہ اور اس شہر میں شیطان کی عبادت قیامت تک کبھی نہیں ہوگی۔

ایک عجیب واقعہ:

ایک کتاب میں اس عاجز نے ایک عجیب واقعہ پڑھا۔ ایک خطیب خوش نویس اور کاتب تھے جو قرآن پاک لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں جب بھی قرآن پاک لکھتا تھا تو ہر دفعہ لکھنے کے لئے جب میں قلم اٹھاتا تو کوئی نہ کوئی مکھی قلم کے ساتھ آ کر سیاہی چوسنے کے لے بیٹھتی۔ وہ فرمانے لگے کہ میں نے ساٹھ قرآن پاک شروع سے لے کر آخر تک لکھے۔ لیکن ایک بات میرے مشاہدہ میں آئی کہ قرآن پاک کی ہر آیت پر سیاہی میں سے مکھی نے حصہ لیا لیکن جب میں یہ آیت لکھتا تھا لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ کہ اموال یتیم کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جب میں اس کے لئے سیاہی لیتا تھا تو ساٹھ قرآن پاک لکھتے ہوئے کبھی مکھی نے اس میں سے حصہ نہ لیا۔ اللہ رب العزت کے اس حکم کا ایک مکھی جیسے جاندار میں بھی اتنا ادب حالانکہ یہ حکم انسانوں کو ہو رہا ہے لیکن اس کو لکھنے کے لئے جو سیاہی لی جا رہی ہے مکھی بھی اس سیاہی کو چوسنا پسند نہیں کرتی۔

ادب حاصل کرنے کا طریقہ :

انسان ادب خود بخود نہیں سیکھ سکتا بلکہ کسی کی صحبت میں آ کر، کسی کے پاس بیٹھ کر، کسی کی ڈانٹ کھا کر اور تربیت پا کر پھر انسان کو یہ حاصل ہوتا ہے۔ تو آپ جو اجتماع میں تشریف لائے تو اس لئے نہیں آئے کہ آپ کی تعریفیں کی جائیں بلکہ اس لئے آئے کہ آپ کی اصلاح کی جائے۔ تو اصلاح کے لئے محبت پیار بھی ہوتا اور ڈانٹ

ڈپٹ بھی ہوتی ہے۔ اور اس سے انسان کو ادب ملتا ہے۔تو اللہ رب العزت سے جہاں اور دعائیں مانگیں تو وہاں یہ بھی دعا مانگئے عجیب بات ہے کہ آج کے دور میں یہ دعا مانگنے والے بھی کم ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ادب سکھا اور ادب عطا فرما۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا

اَدِّبُوْ النَّفْسَ اَیُّهَا الْاَصْحَابُ
طُرُقُ الْعِشْقِ کُلُّهَا آدَابٌ

اے دوستو! اپنے نفوس کو ادب سکھاؤ اس لئے کہ عشق کے جتنے بھی راستے ہیں وہ سب آداب ہی ہیں۔

خشیت الٰہی کسے کہتے ہیں؟

جب یہ تین چیزیں مل جائیں عقل سلیم بھی علم نافع بھی اور عمل بھی تو پھر ان کا مجموعہ خشیت الٰہی کہلاتا ہے۔اسی لئے قرآن پاک کی جو آیت پڑھی اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اس میں خشیت سے مراد یہی ہے۔خشیت دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔جس کی وجہ سے انسان اللہ رب العزت کی محبت میں اعمال کرتا ہے اور اس کے دل میں ہر وقت یہ استحضار رہتا ہے کہ میں نے قیامت کے دن اپنے رب کو جواب دینا ہے۔میں نے اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے اور ملاقات کا دن جب اسے یاد ہوتا ہے تو پھر وہ کوئی چھوٹا کام بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف کر نہیں سکتا۔

معیت الٰہی:

دیکھیں ایک ہوتا ہے کسی چیز کا پتہ ہونا علم ہونا اور ایک ہوتا ہے اس چیز کا استحضار

ہونا یعنی وہ چیز حاضر ہونا طبیعت میں یہ جو استحضار ہے یہ ہر وقت نہیں رہتا۔ اس کی مثال سمجھ لیجئے کہ ایک آدمی اگر ڈاکٹر کے پاس بیٹھا کام کر رہا ہے اور سر میں درد ہے تو ہر بندہ کہے گا کہ جی دوائی لے لو اور اگر وہی بندہ علماء کی محفل میں بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ جی سر میں درد ہو رہا ہے تو آپ کہیں گے کہ جی دم کروالو۔ یہاں دم کا خیال آیا اور وہاں گولی کا خیال۔ جیسا ماحول تھا سوچ ویسی غالب آجاتی ہے۔ تو استحضار ہونا کسی چیز کا یہ ایک عجیب چیز ہے۔ اب کس کو نہیں پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہاں تین ہوتے ہیں تو چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور جہاں چار ہوتے ہیں وہاں وہ پانچواں ہوتا ہے۔ **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ** وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں ہوتے ہو۔ تو علمی اعتبار سے ہر بندے کو اس کا پتہ ہو گا لیکن اس کا استحضار کسی کسی کو حاصل ہو گا۔ تو معلوم ہوا علم کوئی اور چیز ہے اس کا ہر وقت استحضار رہنا اور چیز ہے۔ یہاں جو ذکر کے لئے آتے ہیں وہ اس لئے کہ ہمیں اس علم کا استحضار حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اس معیت کا استحضار حاصل ہو جائے۔ ہر وقت ہماری یہ کیفیت رہے۔ اور جو تخلیہ میں بیٹھ کر ذکر کرواتے ہیں اور ضربیں لگواتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔

مریمؑ اور معیت الٰہی:

ایک دلیل سن لیجئے۔ حضرت زکریا اللہ رب العزت کے پیغمبر ہیں آپؑ تبلیغ کے لئے چلے گئے۔ پیچھے بی بی مریمؑ اکیلی تھیں۔ وقت زیادہ لگ گیا آپؑ کے دل میں خیال آیا کہ کہیں کھانے کی چیزیں کم نہ ہو گئی ہوں اس لئے واپس تشریف لائے اور جلدی سے محراب میں داخل ہوئے **كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا** جب داخل ہوئے تو دیکھا کہ مریم کے پاس تو بے موسم کے پھل پڑے ہیں۔ حیران ہو گئے چونکہ عالم اسباب میں محنت کرتے آئے تھے، لوگوں سے

ملتے آئے تھے تو سوچ بھی اسباب کے مطابق تھی۔ تو پوچھا انی لک ھذا مریم تجھے یہ پھل کہاں سے مل گئے مریم چونکہ تخلیہ کی حالت میں تھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تار جڑی ہوئی تھی، توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف تھی۔ تو مریم نے فوراً جواب دے دیا کہ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہنے لگی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اب جب اس نے یہ بات کی تو حضرت زکریا علیہ السلام کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تو آپ کے دل میں بات آئی اے اللہ آپ اگر مریم کو بے موسم کے پھل دے سکتے ہیں تو اس بڑھاپے میں کیا مجھے آپ بیٹا عطا نہیں فرما سکتے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً انہوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے بیٹا عطا فرما فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے خوشخبری دے دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا فرما دیا۔ تو حضرت زکریا علیہ السلام کا دھیان اسباب کی طرف گیا اور یہ کوئی بری چیز نہیں انسان کی طبیعت پر اسباب کا ماحول کا اثر ہوتا ہے۔

انبیاء کرام پر اسباب کا اثر:

حضرت موسیٰ علیہ السلام وقت کے نبی ہیں لیکن اژدھا کو دیکھا تو خوف طاری ہو گیا۔ یہ مقام نبوت کے منافی نہیں ہوا کرتیں بلکہ طبعی چیزیں ہوتی ہے۔ وقت کے نبی ہیں اور جا رہے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں۔ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اب یہ کوئی مقام توکل کے منافی بات نہیں ہے یہ ایک طبعی چیز ہے فطری چیز ہے۔ اس لئے شعیب علیہ السلام نے ان کو تسلی دی نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ بہرحال اسباب کے اثرات ہوتے ہیں۔ ہم عالم اسباب میں زندگی گزارتے ہیں اس لئے ہم پر بھی اثرات ہوتے ہیں۔

مولانا الیاسؒ کا ارشاد:

اس لئے مولانا الیاسؒ نے فرمایا تم ایک چھٹا نک محنت اگر مخلوق پر کرو تو ایک من محنت اپنے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق پر کیا کرو۔ اور جب کبھی باہر وقت لگانے جاتے تھے تو واپس آ کر اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔ وہ اعتکاف کیا چیز تھی؟ وہی اعتکاف ہم خانقاہوں میں بٹھاتے ہیں۔ اس سے توجہ الی اللہ بنتی ہے۔

اس لئے علماء کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں تو وہ اپنی بیٹری کو چارج رکھنے کے لئے روزانہ کچھ وقت تخلیہ میں اپنے رب کے ساتھ گزارا کریں۔ تب اپنی بیٹری چارج رہے گی ورنہ ڈسچارج ہو جائے گی۔

مریمؑ پر اسباب کا اثر:

وہ مریمؑ جو تخلیہ میں وقت گزار رہی تھی۔ اور جس کا یقین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل تھا۔ اب اسی مریمؑ نے جب خود گھر کی زندگی گزارنی شروع کر دی تو ان کا اپنا کیا حال بنا کہ جب غسل کرنے کے لئے مشرق کی جانب گئیں تو جبریلؑ پہنچ گئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا** ہم نے اسے بھرپور جوان مرد کی شکل میں بھیجا اب جب بی بی مریمؑ نے دیکھا کہ ایک غیر مرد ہے تو فوراً ڈر گئیں اور کہنے لگیں کہ **اِنِّي اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا** میں رحمان کی پناہ مانگتی ہوں جب جبریلؑ نے دیکھا کہ ڈر گئی ہیں تو انہوں نے کہا **اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ** میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں **لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا** تاکہ آپ کو ستھرا بیٹا، ملے نیک بیٹا ملے۔ اب مریم اور پریشان ہوگئی کہ اس کا آنا ایک مصیبت تھی اس کا اگلی بات کہنا اس سے بڑی مصیبت کہ میں تو ابھی شادی شدہ نہیں تو میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ مریمؑ چونکہ اسباب کی زندگی گزار رہی تھیں اس لئے وہ جانتی

تھیں کہ بیٹا پیدا ہونے کے دو سبب ہو سکتے ہیں یا تو نکاح کے ذریعے سے یا زنا کے ذریعے سے۔اور یہ دونوں سبب موجود نہیں تو فرمانے لگیں کہ میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے تو اب وہ مریم کہتی ہے کہ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ وَ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کسی بشر نے مجھے نہیں چھوا یعنی نکاح نہیں ہوا وَ لَمْ اَکُ بَغِیًّا اور نہ میں نے کوئی بغاوت کی یعنی زنا کی مرتکب ہوئی دونوں باتیں نہیں دونوں سبب نہیں پائے جاتے میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔قَالَ کَذٰلِکِ فرشتے نے مہر لگا دی کہ مریم جیسے آپ کہہ رہی ہیں آپ ایسی ہی پاک دامن ہیں نہ کوئی نکاح ہوا نہ کوئی گناہ ہوا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاک دامنی کی زندگی عطا کر دی۔قرآن نے پاک نے کَذٰلِکِ کی مہر لگا دی مگر ساتھ کہا قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ کہا آپ کے رب نے کہ میرے لئے یہ بیٹا دے دینا آسان ہے۔تو جبریلؑ نے اس وقت یہ کہا کہ یہ بیٹا کسی زلفوں والی سرکار نے نہیں دینا، یہ رب پروردگار نے دینا ہے۔تو اب دیکھئے کہ جو بے موسم کے پھل کھاتی تھی جب گھر کی زندگی گزاری تو اپنی توجہ اسباب کی طرف پلٹ آئی۔تو قرآن پاک سے دلائل ملے۔اسی لئے فرماتے ہیں کہ ہر عالم کے لئے تخلیہ کا اختیار کرنا لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو کیا فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ.

اللہ سے لو لگا لو:

اب یہ رب کی طرف رغبت کے لئے وقت کیوں نہیں نکالتے اسی کو تو ہم معمولات اور تخلیہ کہتے ہیں اسی کے لئے وقت مانگتے ہیں۔کہ روزانہ کچھ وقت فارغ کر لو نبی علیہ السلام فرماتے۔تھے لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ کہ میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی نبی مرسل اور ملائکہ کو وہاں پر دخل کی اجازت نہیں ہوتی تو وہ اللہ

تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت گزارا کرتے تھے ہم بھی ایسا وقت گزاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تار جوڑ کر بیٹھا کریں محبت سے یاد کیا کریں ارے جاہل یاد کرتا ہے جہالت کی باتیں کر کے اس کی جہالت کی باتیں اللہ کو پسند آتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی تاریکوں کاٹی

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اگر جاہل کا تخلیہ میں بیٹھ کر اللہ سے لو لگانا اتنا پسند آیا، اگر کوئی صاحب علم بیٹھ کر اللہ سے لو لگائے گا تو اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند آئے گا۔ تو ہم دن کا کچھ وقت اپنے لئے فارغ کر لیں تہجد کا وقت بہترین وقت ہے جب دنیا سوئی ہوئی ہوتی ہے اس وقت اٹھیں اور نوافل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر بیٹھیں پھر بیٹھے بیٹھے دل کی کیفیت کیا بنے گی کہ

کہ مجھ کو اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

پھر دیکھنا اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی رحمتیں آتی ہیں پھر عشق الٰہی ملے گا۔ محبت کی شراب پلائی جائے گی، پھر دل کے اندر سوز پیدا کر دیا جائے گا اور یہ سوز آپ کو تڑپائے گا۔ شاعر نے کہا تھا

لطف مے تجھ سے کیا کہوں اے زاہد!
ہائے کمبخت تو نے پی نہیں

تو میں اس کو بدلتا ہوں

لطف مے تجھ سے کیا کہوں اے دوست!
ہائے بے علم تو نے پی ہی نہیں

کبھی مے کا لطف پا لیتے تو پھر دیکھتے بات کیا بنتی۔ یہ دلوں کو ایسا تڑپاتی ہے جیسے اندر کوئی الارم اللہ نے فٹ کر دیا ہو خود بخود آنکھ کھلتی ہے۔

دو نمبر مجنوں:

اور آج پوچھیں کہ جی معمولات کرتے ہیں تو جواب آتا ہے کہ جی وقت نہیں ملتا یہ تو ایسا ہی ہے کہ مجنوں صاحب سے پوچھیں کہ لیلیٰ کو یاد کرتے ہو تو وہ کہے کہ وقت نہیں ملتا۔ عجیب بات ہے کہ مجنوں کو لیلیٰ کو یاد کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ آج ویسے تو ہر چیز تو تھی ہی نمبر دو، مجنوں بھی نمبر دو ہو گئے۔ کئی ویسے تو سالک ہیں لیکن معمولات کا وقت نہیں ملتا اور پھر کہتے ہیں کہ جی حضرت جی اثر ہی نہیں ہوتا اتنے سال سے بیعت ہیں۔ اس کے کچھ تقاضے ہیں انہیں پورے کر دیجئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ دلوں کی حالت کو بدلتے کیسے ہیں۔

خشیت الٰہی لقائے الٰہی کا استحضار ہے:

تو خشیت الٰہی ایک دل کی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان ہر وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں مجھے قیامت کے دن رب کے سامنے پیش ہونا ہے۔ مجھے اپنے رب کو جواب دینا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں جو خشیت کی تعریف کی گئی وہ کیا تھی۔ فرمایا یہ نماز بھاری ہے سوائے ان لوگوں کے جن لوگوں کے دل میں خشیت ہوتی ہے اور خشیت کن لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ وہ لوگ يَظُنُّوْنَ جو یہ یقین کرتے ہیں اِنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ انہوں نے اللہ سے ملاقات کرنی ہے وَ اِنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اور انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹ

کے جانا ہے۔

سلف صالحین میں خشیت الٰہی

ہمارے سلف صالحین میں یہ خشیت الٰہی کیسی تھی ۔سبحان اللہ۔

مولانا حسین علیؒ اور خشیت الٰہی:

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں والے۔حضرت خواجہ سراج الدینؒ سے خلافت پائی۔ حالانکہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ ان کے شاگرد تھے۔ان سے پڑھتے تھے یہ بھی خلوص دیکھئے ہمارے اکابر میں اخلاص کی اس سے بڑی کیا مثال ہوگی کہ جس کو کتابیں پڑھا رہے ہیں خود اسی سے بیعت ہو رہے ہیں سلوک سیکھنے کے لئے۔اکابر کے اصاغر سے فیض پانے کی بہترین مثال اس دور میں اس سے بڑی نہیں مل سکتی۔ان سے خلافت پائی لیکن اللہ تعالیٰ نے مقام بڑا دیا تھا حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد تھے، بڑی نسبت تھی، بڑے بھاری عالم تھے۔لیکن جب ان کا آخری وقت آیا تو حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ جو بھی ان سے ملنے آتا وہ اس سے مصافحہ کرتے اور مصافحہ کر کے حال احوال پوچھتے اور حال احوال پوچھنے کے بعد فرماتے کہ دیکھو! میرا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے، آپ نے بھی تیاری کرنی ہوگی میں نے بھی تیاری کرنی ہے، اچھا پھر ملیں گے اور رخصت کر دیتے۔ پھر دوسرا آتا ملاقات کرتے اس کا حال پوچھتے اور پھر یہی فرماتے میرا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے میں نے بھی تیاری کرنی ہے آپ نے بھی تیاری کرنی ہوگی اچھا پھر ملیں گے کئی مہینے ان کا یہی معمول رہا۔شوق اور اشتیاق اتنا بڑھ گیا تھا۔سبحان اللہ، جب کوئی پرندے کو آزاد کرنے لگے نا اور پرندہ

دیکھے کہ دروازہ کھلنے لگا ہے تو پرندہ پھڑکتا ہے۔ ایسی ان کی کیفیت تھی حالت تھی کہ میرا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔ ہم نے کبھی اس انداز سے سوچا کہ میرا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔

آخرت کا جہیز:

دیکھیں ایک ماں جس دن بیٹی کو جنم دیتی ہے تو اس دن سے سوچنا شروع کر دیتی ہے کہ میں نے بیٹی کے لئے جہیز بنانا ہے، ایک دن اس کی شادی کرنی ہے۔ اور کئی عورتیں تو ساری زندگی جہیز بناتی ہیں کیوں کہ اگر بیٹی جہیز کے بغیر خاوند کے پاس چلی گئی تو خاوند کے پاس اس کو عزت نہیں ملے گی۔ اے ماں! تیری بیٹی کھلونوں میں کھیل رہی ہے اور تو اس بیٹی کا جہیز تیار کرتی پھر رہی ہے اور تو سوچتی ہے کہ جب بڑی ہو کر شادی ہوگی خاوند کے پاس بغیر جہیز کے جائے گی تو اسے عزت نہیں ملے گی، اپنے بارے میں کیوں نہیں سوچتی تیرے بال سفید ہو گئے، قبر میں تیری ٹانگیں پہنچ گئیں تو نے بھی اپنے رب کے سامنے جانا ہے۔ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ تو قرآن کہہ رہا ہے ایک ایک کر کے اللہ کے حضور پیش کر دیئے جاؤ گے اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا میری بندی میرے پاس نیکیوں کا اعمال نامہ اور جہیز لائی یا نہیں سوچئے کہ وہاں پھر ہمارا کیا بنے گا؟ اپنے لئے نیکیوں کا جہیز بناؤ یہ دنیا کا جہیز نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے خواہ مخواہ کی بنی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں لیکن اگر اللہ رب العزت کے سامنے نیکیوں کا ذخیرہ نہ ہوا تو پھر انسان بے سروسامان خالی ہاتھ کھڑا ہوگا پھر کہے گا يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا کاش کہ میں نبیوں کے ساتھ چلا ہوتا اور فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا اس لئے خشوع اپنے دلوں میں لانے کے لئے تخلیہ کو لازم کر لیجئے ذکر کو لازم کر لیجئے اپنے مشائخ کی صحبت کو لازم

کر لیجئے۔ کیونکہ مشائخ کی صحبت سے ادب ملتا ہے، علم ملتا ہے، ایک مقناطیست ہوتی ہے جو سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی ہے اور دلوں کو روشن کر دیتی ہے پھر انسان کے لئے اللہ رب العزت کی محبت کے ساتھ اعمال کرنا آسان ہوتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں خشیت الٰہی:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا لیکن ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ دے گا۔ ایسی زندگی تھی۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دعا مانگتے تھے کہ اے کاش، میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا، اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا، کاش میں کوئی گھاس کا تنکا ہوتا۔ کس لئے کہتے تھے؟ اس لئے کہ کہیں قیامت کے دن مجھے اللہ کے سامنے کھڑا نہ ہونا پڑ جائے اس سے ڈرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے کھڑا ہوں گا۔ ان کے اندر یہ خشیت الٰہی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خشیت الٰہی:

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کے اندر خشیت الٰہی اتنی تھی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے کہ میں آپ سے منافقین کے نام نہیں پوچھتا لیکن اتنا بتا دو کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں۔ اور جب آپ کی وفات ہونے لگی تو وفات کے وقت کیا کہا اللہ اکبر عجیب بات کہی وفات کے قریب ایک صحابی کو بلایا اور اسے ایک وصیت فرمائی کہ جب میری روح نکل جائے تو مجھے دفن کرنے میں جلدی کرنا۔ اس نے پوچھا، اے امیر المومنین! جلدی کریں گے مگر اتنی تاکید کیوں کر رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، اس لئے کہ اگر اللہ رب العزت کا ارادہ میرے ساتھ خیر کا ہے تو تم خیر کی طرف مجھے پہنچانے میں جلدی کرنا اور اگر اللہ رب العزت کا ارادہ میرے ساتھ شر کا ہے تو تم

میرے بوجھ کو اپنے اوپر سے جلدی اتار دینا اور عمر کے انجام کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہ ہوتی ہے خشیت الٰہی۔ ڈر رہے ہوتے ہیں کانپ رہے ہوتے پتہ نہیں ہمارا کیا ہوگا۔ پتہ نہیں اللہ رب العزت کے حضور پہنچیں گے تو کیا معاملہ ہوگا وہاں باز پرس ہونی شروع ہوگئی تو پھر کیا بنے گا اس لئے اللہ والے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں کہ قیامت کے دن کیا معاملہ پیش آئے گا ان کی زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے گزر جاتی ہے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ میں خشیت الٰہی:

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ وفات کے بعد کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس نے کہا، حضرت! آگے کیا بنا؟ فرمایا، اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، احمد علی لاہوریؒ! تو مجھ سے اتنا ڈرتا تھا اور ہر وقت روتا رہتا تھا۔ حضرت کثیر البکاء تھے بہت رویا کرتے تھے۔ ہر وقت روتا رہتا تھا ڈرتا رہتا تھا تو جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو ہر وقت روتا رہتا تھا ڈرتا رہتا تھا تو فرمانے لگے کہ میں تو اور ڈر گیا کہ اب تو ناراض ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمانے لگے احمد علی! تو اب بھی ڈر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ اے اللہ! میں آپ کی شان اور بلندی مقام سے اب بھی ڈر رہا ہوں۔ فرمایا، اب ڈرنے کا وقت ختم ہو گیا، ہم تجھے بشارت دیتے ہیں کہ تمہیں جس قبرستان میں دفن کیا گیا ہے تمہاری برکت سے اس قبرستان کے سب مردوں کو ہم نے معاف فرما دیا۔ یہ ہوتا ہے ڈرنے والوں کا مقام۔ اللہ رب العزت سے خوف کھانے والوں کا مقام وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ان کو ڈبل ڈبل جنتیں ملتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور ان کو مقام ملتا ہے۔

ایک محدث میں خشیت الٰہی:

ایک محدث درس حدیث دے رہے تھے۔ ان کا رنگ پیلا ہو رہا تھا، چہرے پر خوف تھا بڑی مشکل سے درس ختم کیا۔ کسی نے پوچھا، حضرت! میں آپ کی کیفیت دیکھ رہا تھا، کیا آج آپ کو کوئی تکلیف تھی؟ فرمایا، نہیں۔ اس نے کہا، حضرت! چہرے پر خوف کے کچھ عجیب سے اثرات تھے۔ فرمایا، تم نے نہیں دیکھا۔ اس نے پوچھا، کیا؟ فرمایا، ہمارے اوپر اس وقت بادل آ گیا تھا اور میں ڈر گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اوپر پتھروں کی بارش برسا دی جائے۔ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح بادل آتے اور وہ ان کو نہیں سمجھتے تھے اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی جاتی تھی۔ اللہ اکبر

لمحہ فکریہ:

ہم اگر علم حاصل کریں گے اور کام نہیں کریں تو اللہ تعالیٰ دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے۔ وہ مکھی سے کام لے لیتا ہے، مچھر سے لے لیتا ہے، مکڑی سے لے لیتا ہے، جس سے چاہے وہ اپنے دین کا کام لے لیتا ہے۔

قرآن پاک کی ایک آیت یاد رہے۔ پروردگار فرماتے ہیں۔ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ اگر پیٹھ پھیریں گے اور ہٹیں گے دین والے کام سے تو اللہ تعالیٰ بدل دیں گے کسی قوم سے اور وہ قوم پھر ہمارے جیسی نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والی ہوگی۔ تو ہمیں اپنے فرض منصبی کو پورا کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن ہم سے پوچھا جائے کہ تم نے کیا کام اور ہم اس کا جواب نہ دے سکیں۔ کہنے کو عالم ہو اور زندگی اس کی ایسی ہو جیسے کسی ظالم کی ہوتی ہے۔ اس کو حلال اور حرام کی تمیز نہ ہو۔ وہ اپنے رب کی پوجا کرنے کی بجائے وہ اپنے نفس کی پوجا کرتا پھر رہا ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے جب علم رنگ لاتا ہے تو

انسان کے اندر پھر خشوع پیدا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مانگئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنا خشوع عطا فرمادے

قرآن کے آئینہ میں ہماری تصویر:

اگر ہم ذرا قرآن کے آئینے میں اپنی شکل دیکھیں تو قرآن پاک کی ایک آیت میں اپنی تصویر نظر آتی ہے۔ اور وہ کیا آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَمْلُوْكًا** اور اللہ تعالیٰ مثال بیان کرتا ہے ایک بندے کی جو غلام تھا **لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ** کسی چیز پر اس کو قدرت نہیں تھی۔ **وَ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلَاهُ** اپنے مولی پر بوجھ بنا ہوا تھا **اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ** کہ جدھر جاتا تھا کوئی خیر کی خبر نہ لاتا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کہہ دیا جائے تمہاری زندگی ایسی تھی۔ یہ نہ کہیں کہہ دیا کہ تمہارا کام تو اسی عورت کی طرح **كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا** کہ وہ عورت جو ساری زندگی سوت کاتتی رہی اور آخر پر کاتے ہوئے سوت کو اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالا۔ آٹھ سال تو چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھتے رہے اور جب باہر نکلے تو باہر ہی نکل گئے۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو اس لئے اپنے دل میں اس بات کو بٹھا لیجئے کہ اللہ رب العزت کے ہاں مرتبے بھی بہت زیادہ ہیں لیکن مرتبہ پانے کے لئے محنت کرنے کی ضرورت ہے فقط علم ظاہری کی بات ہو تو قیامت کے دن شیطان کی بخشش ہم سے پہلے ہو جائے گی اس لئے کہ وہ ہم سے بڑا عالم ہے۔ معلوم ہوا کہ نہیں کہ فقط الفاظ و حروف کی بات نہیں کچھ اور بھی چیز ہے اسی کو سوز علم کہتے ہیں۔ محبت الٰہی کہتے ہیں جب علم کے ساتھ محبت الٰہی مل جاتی ہے تو عمل آ جاتے ہیں۔ پھر انسان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشوع پیدا ہوتا ہے پھر وہ اعمال کرتا ہے ڈرتے ہوئے۔ ایک ایک نماز ایسی پڑھتا ہے جس پر اس کے پچھلے گناہوں کی بخشش کے وعدے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس

بندے کو قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو دنیا میں بھی قبولیت عطا فرما دیتے ہیں اور آخرت میں بھی۔

چٹائیوں کی عزت:

ہو عالم اور تذکرے کرے کہ میرے لئے رزق کی تنگی ہے حضرت! دعا کرو کہ میں مالی مشکلات میں پھنسا ہوا ہوں، قرضوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ ارے اللہ تعالیٰ سے توکل کہاں گئی اللہ تعالیٰ سے یقین کہاں گیا۔ ایک عالم آ کر کہنے لگے کہ حضرت! آپ بتائیں کہ میں کوئی کاروبار نہ کرلوں۔ میں نے کہا عالم ہو کر یہ بات کرتا ہے کہ میں کوئی کاروبار نہ کرلوں، میں نے کہا آٹھ سال لگانے کے بعد اگر پھر بندہ یہ سوچے کہ میں کاروبار نہ کرلوں تو پھر اس نے علم کی کیا قدر کی اس سے تو پھر مر جانا بہتر تھا کیوں وقت لگایا تھا ان چٹائیوں پر، ان چٹائیوں کی عزت تو رکھ لیتے۔

سلف صالحین کی اللہ تعالیٰ پر توکل:

ہمارے اسلاف کو کھانے کو نہیں ملتا تھا بھاگ کر فاقے کاٹ لیتے تھے انگریز ان کے قدموں میں مال دولت ڈالتے تھے ٹھوکریں لگاتے تھے دنیا دار آ کر مال پیسے پیش کرتے تھے مگر وہ ٹھکرا دیا کرتے تھے۔ ایک ایک لاکھ روپے کا چیک آیا کرتا تھا۔ واپس بھیج دیا کرتے تھے ان کی اپنے رب پر توکل ہوا کرتی تھی کہ پروردگار کھلائے گا اور پھر پروردگار نے ان کو رزق عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رزق عطا کریں گے۔

علم کا تقاضا:

لہذا علم کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا یقین اچھا کرلیں پروردگار کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں وَ اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا

بِقَدْرٍ مَعْلُوْمٍ اس لئے میں اپنے محترم علماء سے کہا کرتا ہوں کہ آپ امامت کو ملامت نہ بنایا کرنا اگر امامت کو امامت بنائیں گے پھر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی آپ کو امام بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائیں گے اگر عمل ہوگا اور خشوع ہوگا تو دنیا آ کر قدم پکڑے گی اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا کرے گی۔ علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو عزتیں دیں گے لیکن جب خود ہی عمل نہیں کریں گے تو پھر ہم کیوں شکوہ کرتے ہیں کہ علم کے بعد ہم فلاں پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

اللہ کے بندوں کی تلاش:

میرے دوستو یہ عاجز در بدر کی ٹھوکریں اس لئے کھاتا پھرتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے ایک مقبول بندے کے ذریعے سے اس عاجز کے سر پر ایک بوجھ رکھوا دیا یہ عاجز اس قابل نہیں، اب بھی نہیں، نہ اس وقت تھا مگر کام بھی اپنے حضرت کے حکم سے شروع کیا۔ حضرت پوچھا کرتے تھے کہ تم سے اب کتنے لوگ سلسلے میں داخل ہوئے مجھے جھجک ہوا کرتی تھی مگر حضرت بلا بلا کے پوچھتے تھے۔ کس لئے؟ اس لئے ان کو پتہ تھا کہ بوجھ رکھ دیا ہے اب اس نے میری دی ہوئی نعمت کو کہاں کہاں پہنچانا ہے۔ ہم تو ایک ڈاکیا بن کر اس نعمت کو دور دور تک پہنچاتے پھرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ رب العزت کی رحمت ہے ہم چاہتے ہیں کہ یہ نعمت دور دور تک سینوں میں پھیلے۔ ہر بندہ اس نسبت کو حاصل کرنے والا بن جائے مگر کیا کریں برتن ناپاک نظر آتا ہے تو دودھ بھرنے کو کسی کا دل نہیں کرتا، جب دل صاف نظر نہیں آتا پھر توجہات کہاں تک اثر کریں گی، کچھ خود بھی محنت کیجئے اپنی نیت ٹھیک کر لیجئے، پھر توجہات کے اثرات ہوں گے۔

حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

کہاں ہیں وہ بندے جن کے دل میں خوف خدا ہو، جن کا عمل سنت نبوی کے مطابق ہو، جو رب کو تنہائیوں میں یاد کرتے ہوں، اپنے سر کو جھکاتے ہوں، اپنے مولا کو مناتے ہیں ایسے بندے اگر ہوں تو نسبت تو ہے ہی ان کے لئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو دنیا اور آخرت میں کیسی سعادتیں عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس نسبت کے نور سے منور فرمائے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ کے سامنے رسوا اور شرمندہ نہ فرمائے، ہمارے لئے قیامت کے دن خیر کے فیصلے فرمائے اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہم کہیں رسوائی کا سبب نہ بن جائیں اس لئے دعا کریں کہ پروردگار ہمارا یہاں آنا بیٹھنا قبول فرمالے اور یہاں سے واپس جاتے ہوئے زندگیوں کے رخ کو تبدیل فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حقوق العباد

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ . اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ .سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اعتدال کی راہ:

دین اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ دین پر عمل کرنے والے لوگوں کی زندگی ہمیشہ متوازن ہوتی ہے۔ افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ میں اللہ تعالیٰ نے خیر رکھی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ **خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا** میانہ روی بہترین حکمت عملی ہے۔

دو قسم کے حقوق:

انسان پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا اور دوسرا اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنا۔ جو شخص دونوں قسم کے حقوق ادا کرے وہی دوسروں کے لئے ماڈل ہوسکتا ہے۔ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ نے اپنی زندگی میں دونوں قسم کے حقوق ادا کر کے دکھائے۔ چنانچہ آپ کی مسجد کی زندگی بھی دیکھ لیجئے اور آپ کے گھر کی معاشرت کو بھی دیکھ لیجئے۔ پورے پورے حقوق نبی اکرم ﷺ نے ادا فرمائے۔

وہ بھی مریض یہ بھی مریض:

آج کے دور میں دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ عبادت پر بہت توجہ دیتے ہیں مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ ہماری بات سے لوگوں کا دل جلتا ہے، ہمارے عمل سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، ہم بات کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں پر چھری پھیر رہے ہوتے ہیں، ہم دوسرے کو دکھ دے رہے ہوتے ہیں، ہم مسلمان بھائیوں کو دوسروں کے سامنے ذلیل کر رہے ہوتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں کہ خوش اخلاقی کے تو بڑے نعرے لگاتے ہیں کہ آدمی کو ایسا اچھا کرنا چاہئے اور ایسا اچھا ہونا چاہئے مگر نماز کی فرصت نہیں، تلاوت کے لئے وقت نہیں، وہ بھی مریض اور یہ بھی مریض۔ ایک نے حقوق اللہ کا لحاظ نہ کیا تو دوسرے نے حقوق العباد کا لحاظ نہ کیا۔ یہ لوگ اگر اچھے ہوتے تو دونوں حقوق کا ایک وقت میں خیال کرتے۔ اس لئے اللہ رب العزت سے یہ دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرنے کی توفیق نصیب فرما دے۔

روز محشر اللہ تعالیٰ کا اعلان:

عبداللہ بن انیسؓ فرماتے ہیں کہ روز محشر اللہ تعالیٰ پکار کر فرمائیں گے کہ میں منصف بادشاہ ہوں، کوئی جنتی جنت میں اور کوئی دوزخی دوزخ میں اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک کہ اہل حقوق کے حقوق ان کو نہ دلا دیئے جائیں۔

بنی اسرائیل کو تنبیہ:

بنی اسرائیل میں سات سال تک قحط رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے مردار اور بچے بھی کھا لئے۔ پہاڑوں پر جاتے اور گڑگڑا کر التجا کرتے لیکن دعا قبول نہ ہوتی۔ آخر کار

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ انہیں کہہ دو کہ اگر وہ عبادت کرتے کرتے خشک کوڑے کی مانند ہو جائیں تو بھی میں ان کی دعا قبول نہ کروں گا جب تک کہ لوگوں کے حقوق واپس نہ کریں گے۔

دو انسانوں کا اختلاف:

معاشرے میں رہتے ہوئے انسانوں سے غلطی ہو سکتی ہے، باورچی خانے میں برتن دھوتے ہوئے برتن ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا بھی سکتے ہیں، دو آدمی بڑے تجربہ کار ڈرائیور ہیں پھر بھی ان دونوں کی گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے۔ تو اگر تجربہ کار اور ماہر ڈرائیور سے بھی ایکسیڈنٹ ممکن ہے تو دو اچھے انسانوں کا آپس میں اختلاف کرنا بھی ممکن ہے۔ مگر ہونا یہ چاہئے کہ ایسی صورت حال میں عفو و درگزر کا معاملہ کیا جائے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو آدمی دنیا میں دوسروں کی غلطیوں کو جلدی معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس انسان کی غلطیوں کو جلدی معاف فرما دیں گے۔

سینہ بے کینہ کا مطلب:

کوشش کیا کریں کہ دوسروں کی غلطیوں کو فوراً معاف کر دیا کریں۔ بات دل سے ہی نکال دیا کریں اس لئے کہ دل سے رنجش دور کر دینے سے انسان کے سینے میں کینہ نہیں رہتا۔ جو رنجشیں باقی رہ جاتی ہیں یہی تو کینہ بن جاتی ہیں۔ دین کی نظر میں کینہ بہت بری چیز ہے۔ سینہ بے کینہ کا مطلب ایسا سینہ ہے جس میں کسی کے خلاف نفرت نہ ہو، کسی کے خلاف دل میں غضب و غیض نہ ہو۔ مومنوں کے بارے میں دل میں کینہ نہیں رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے سینہ بے کینہ مانگا کریں۔ اگر کسی سے ایذا بھی پہنچے تو دل سے اس کو معاف کر دینا یہ خلق نبوی ﷺ ہے۔ نبی اکرم ﷺ بھی معاف

فرما دیا کرتے تھے۔ بلکہ امت کے اولیاء اللہ نے تو معافی کی ایسی ایسی مثالیں قائم کر دیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔

ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ:

ایک بزرگ حج کے سفر پر گئے۔ ایک جگہ سے گزر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک تھیلہ تھا۔ اس میں ان کے پیسے تھے۔ ایک چور ان کے ہاتھ سے وہ تھیلہ چھین کر بھاگ گیا۔ کافی دور جا کر اس کی آنکھوں کی بینائی اچانک زائل ہو گئی۔ اس چور نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا، بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگا، میں نے ایک آدمی کا تھیلہ چھینا ہے، وہ کوئی بڑا مقرب بندہ لگتا ہے، بڑا اچھا بندہ لگتا ہے، میری آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی ہے، خدا کے لئے مجھے اس کے پاس پہنچاؤ تاکہ میں اس سے معافی مانگ سکوں۔ لوگوں نے پوچھا، کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ کہنے لگا کہ فلاں حجام کی دکان کے قریب پیش آیا۔ لوگ اس کو اس دکان کے پاس لے کر آئے اور حجام سے پوچھا کہ بتاؤ کے اس طرح کا آدمی یہاں سے گزرا ہے؟ آپ اسے جانتے ہو؟ اس نے کہا مجھے اس کے گھر کا تو پتہ نہیں البتہ نمازوں کے لئے وہ آتے جاتے ہیں، اگلی نماز کے لئے پھر آئیں گے۔ یہ لوگ انتظار میں بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ اپنے وقت پر تشریف لے آئے۔ لوگ اس چور کو اس کے پاس لے کر گئے تو اس چور نے جا کر ان کے ہاتھ پکڑے، پاؤں پکڑے کہ مجھ سے غلطی ہوئی، گناہ ہوا، میں نادم ہوں، شرمندہ ہوں، میری بینائی چھن گئی، آپ اپنے پیسے واپس لے لیجئے اور مجھے معاف کر دیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ میری بینائی کو ٹھیک کر دے۔ وہ بزرگ کہنے لگے کہ میں نے تو تجھے پہلے ہی معاف کر دیا ہے۔ یہ بات سن کر وہ چور بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا، حضرت! میں تو آپ کا تھیلہ چھین کر بھاگا اور آپ فرماتے ہیں کہ معافی مانگنے سے پہلے ہی آپ نے

مجھے معاف فرما دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ہاں میرے دل میں کوئی بات آ گئی تھی۔ فرمانے لگے کہ میں نے ایک حدیث پڑھی، جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جب میری امت کا حساب پیش کیا جائے گا تو میں اس وقت تک میزان کے قریب موجود رہوں گا جب تک کہ میرے آخری امتی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر میں نے اس چور کو معاف نہ کیا تو قیامت کے دن یہ مقدمہ پیش ہوگا اور جتنی دیر میرے اس مقدمے کا فیصلہ ہونے میں لگے گی اللہ کے محبوب ﷺ کو اتنی دیر جنت سے باہر رہنا پڑے گا۔ میں نے معاف کر دیا کہ نہ تو مقدمہ پیش ہوگا نہ ہی میرے محبوب ﷺ کو جنت جانے میں دیر لگے گی۔ وہ جلدی جنت میں تشریف لے جائیں گے۔

شکریہ ادا کرنے کی اہمیت:

اگر کوئی بھلا کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا کریں۔ آج کے دور میں معلوم نہیں ہم مسلمانوں کو کیا ہوا ہم کسی کا شکریہ تو ادا کرتے ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ حالانکہ ہمیں فرمایا گیا مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اپنے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ تو ہمیں تعلیم اتنی دی گئی تھی مگر ہم اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ حقوق العباد پر بھی پوری توجہ رکھی جائے تاکہ انسان ایک متوازن زندگی گزارنے والا بنے۔

غصہ پینے کی فضیلت:

اگر کبھی کسی سے تکلیف پہنچے تو یوں سمجھئے کہ اس نے کوتاہی کر لی، چلو میں معاف کرتا ہوں، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دیں گے۔ اگر کبھی کسی کی بات پر غصہ آئے تو غصے کے گھونٹ کو پی لیا کریں۔ یہ کڑوا گھونٹ ہوتا ہے مگر ایک

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے نے اپنے غصے کے گھونٹ کو پیا، جب کہ وہ غصے کو پورا کرنے کی حالت میں تھا، یعنی اس کے پاس ایسے وسائل تھے کہ وہ چاہتا تو غصہ اتار سکتا تھا، اس کا بدلہ لے سکتا تھا، مگر اس نے اللہ کے لئے اس غصے کے گھونٹ کو پی لیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر ہر گھونٹ کے بدلے میں اس بندے کو اپنا مشاہدہ عطا فرما دیں گے۔ وہ پروردگار کے جلوے دیکھے گا۔ اب دیکھ لیجئے کہ کون سا سودا اچھا ہے۔ دنیا میں غصے کا اظہار کر دینا، یا اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا دیدار کرنا۔

عقل کی زکوۃ:

مومن جب ان باتوں کو سامنے رکھتا ہے تو پھر اس کے اندر حلم پیدا ہو جاتا ہے۔ حلم کہتے ہیں دوسرا نادانی سے کوئی بات کر بھی لے تو بندہ اسے معاف کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے تھے کہ نادانوں کی بات پر تحمل مزاجی انسان کی عقل کی زکوۃ ہوا کرتی ہے۔ لکھے پڑھے عقل مند لوگوں کو چاہئے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے اوپر دلوں میں روگ نہ پال لیا کریں۔ دوسرے کی غلطی کو معاف کر دینا اور تکلیف برداشت کر لینا انسان کی عقل کی زکوۃ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عقل مند بنایا ہے تو عقل کی زکوۃ بھی تو دیا کرو۔ مگر آج دیکھا گیا ہے کہ آدمی خود تو چاہتا ہے کہ میرے بڑے بڑے قصوروں کو معاف کر دیا جائے مگر دوسرں کی چھوٹی چھوٹی غلطی کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

انسانوں کی دو قسمیں:

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ شہد کی مکھی کی مانند ہوتے ہیں اور کچھ گندی مکھی کی مانند۔ شہد کی مکھی تو شہد بناتی ہے مگر گندی مکھی نجاست کے اوپر بیٹھی ہوتی ہے۔ ان دونوں کے اندر ایک بنیادی فرق ہے۔ گندی مکھی کے دماغ میں نجاست کی بو ہوتی ہے

یہ گندی چیزوں کی تلاش میں ہوتی ہے جہاں گندگی دیکھے گی وہیں بیٹھے گی، جسم پر بھی بیٹھی تو جہاں پر زخم ہوگا، پیپ ہوگی یہ وہاں بیٹھے گی۔ لہذا گندی مکھی کی سوچ گندی، اس کی تلاش گندگی، اس کی پسند گندی، وہ ہر وقت گندی چیزوں کے ہی ارد گرد گھومتی پھرتی ہے، وہیں اس کا ڈیرہ اور بسیرا ہوتا ہے جب کہ شہد کی مکھی کے دماغ میں خوشبو رچی ہوتی ہے۔ وہ ڈھونڈتی ہے تو پھول کو، وہ بیٹھتی ہے تو پھلوں پر، وہ اگر چوستی ہے تو پھلوں کے جوس کو، شہد کی مکھی چمن کو ڈھونڈے گی، گلستان ڈھونڈے گی، پھول اور پھلوں کو ڈھونڈے گی۔ اس کی سوچ اچھی ہوتی ہے اور یہ ہر وقت اچھی اور خوشبودار چیزوں کی تلاش میں رہتی ہے۔

اس مثال کو سامنے رکھ کر سوچیں تو انسانوں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہے۔ کچھ لوگ شہد کی مکھی کی مانند ہوتے ہیں ان کے اپنے اندر بھی خیر ہوتی ہے اور وہ دوسرے کے اندر بھی خیر کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ دوسروں پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں دوسروں میں خیر نظر آتی ہے۔ ان کی نظر میں دنیا کے سب لوگ اچھے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اپنے اندر اچھائی ہوتی ہے۔ اور کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی اپنی سوچ گندی ہوتی ہے ان کے اپنے اندر خباثت بھری ہوتی ہے۔ وہ وہاں بیٹھتے ہیں جہاں انہیں برے لوگوں کی محفل نظر آئے۔ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جو برے ہوتے ہیں، وہ ایسے لوگوں سے اپنا آنا جانا رکھتے ہیں جن میں برائی غالب ہوتی ہے، وہ اگر کسی بندے پر نظر ڈالیں گے تو ان کی نگاہ برائیاں ڈھونڈے گی، ان کو بندے کی اچھائیاں نظر نہیں آتیں، ان کو بندے کی برائیاں نظر آتی ہیں، اسی لئے وہ کہیں گے کہ آج تو کوئی بھی اچھا نہیں ہے، نہ وہ علماء سے راضی ہوں گے، نہ وہ پیروں سے راضی ہوں گے، نہ وہ حکام سے راضی ہوں گے، نہ ماں

باپ سے راضی ہوں گے، دنیا میں وہ کسی سے راضی ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ کئی تو ایسے منحوس ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار پر بھی اعتراض کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری دعائیں نہیں سنیں اور ہماری دعائیں قبول نہیں کیں، ایسا بندہ گندی مکھی کی مانند ہے۔ یہ جہاں بیٹھے گا بری باتیں کرے گا، جب بھی سنے گا بری باتیں سنے گا، جہاں اس کی نگاہ پڑے گی یہ برائی کی طرف توجہ کرے گا۔ لہٰذا اس کے دماغ میں ہر وقت برائی پھیلی رہے گی۔ اللہ رب العزت سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں شہد کی مکھی کی مانند اچھا انسان بنادے تاکہ ہم اچھائی کی تلاش میں رہیں۔

کمینے آدمی کی مثال:

کمینے آدمی سے کبھی دوستی نہیں کرنی چاہئے کہ اس کی مثال کوئلہ کی مانند ہوتی ہے۔ کوئلہ اگر ٹھنڈا ہو تو ہاتھوں کو کالا کرتا ہے اور اگر گرم ہو تو ہاتھوں کو جلا دیتا ہے، نہ ٹھنڈا اچھا نہ گرم اچھا۔ اسی طرح کمینے آدمی کی دوستی بھی بری اور کمینے آدمی کی دشمنی بھی بری۔ ایسے انسان سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ اچھے لوگوں سے دوستی کرنی چاہئے، اچھے لوگوں سے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ اگر معاشرے میں رہنا ہے تو انسان دوسروں کا ادب واحترام بھی سیکھے، انسان دوسروں کے ساتھ اچھے تعلقات بنا کر رکھے۔ دیکھیں دیوار کا ہر پتھر اپنی قیمت رکھتا ہے اگرچہ وہ کتنا چھوٹا کیوں نہ ہو اسی طرح گھر کا ہر فرد اپنی ایک حیثیت اور قیمت رکھتا ہے۔ وہ چاہے بڑا ہو یا چاہے چھوٹا ہو۔ تو ہمیں دوسروں کی بھی قدر کرنی چاہئے اور ان کی قدر و قیمت کا احساس رکھنا چاہئے۔

میاں سے بیوی کے شکوے:

عام طور پر دیکھا میاں بیوی زندگی گزار رہے ہیں تو بیوی اپنے خاوند سے بیزار

نظر آئے گی کہے گی، میں نے تیرے گھر میں آ کے دیکھا ہی کیا ہے۔ میں تو ڈولے میں آئی تھی اور کھٹولے کے ذریعے تیرے گھر سے قبرستان چلی جاؤں گی اور تیرے گھر میں رہتے ہوئے مجھے مصیبتیں ہی دیکھنی تھیں، مجھے تم نے کیا دیا، اگر کچھ کرتے بھی ہو تو اپنے بچوں کے لئے کرتے ہو، میرے لئے کیا کرتے ہو؟ اب یہ بیچاری ہر وقت اپنے خاوند سے شکوہ کرتی رہے گی۔ اسے خاوند میں کوئی اچھائی نظر نہیں آئے گی۔

مگر مچھ کے آنسو:

کسی دن اس کو خبر مل جائے کہ ایکسیڈنٹ سے خاوند کی وفات ہو گئی، اب وہی بیٹھی رو رہی ہوگی۔ دوسری عورتیں روئیں گی چند مہینے اور یہ روئے گی کئی سال۔ پانچ سال گزرنے کے باوجود بھی یاد کر کے بیٹھی ہوگی کہ میرا خاوند تو بڑا اچھا تھا۔ خدا کی بندی! اپنے خاوند کو جیتے جاگتے زندگی میں کیوں نہ بتایا کہ تم اچھے بندے ہو، آج مرنے کے پانچ سال بعد کیوں رو رہی ہو، مگر مچھ کے آنسو کیوں بہا رہی ہو؟ کاش! اس کی قدر و قیمت کا احساس تمہیں اس کی زندگی میں ہو جاتا۔ تیری اپنی زندگی بھی جنت بنتی اور تیرے خاوند کی زندگی بھی جنت بنتی۔

انسان کی قدر:

مگر ہم جیتے بندے کی قدر نہیں کرتے، مرنے کے بعد قدر آتی ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں کہ بندے کی قدر آتی ہے ''مر گیاں یا ٹر گیاں'' جو آدمی چلا جائے، جدا ہو جائے تب اس کی قدر آتی ہے، یا آدمی اگر فوت ہو جائے تب اس کی قدر آتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم جیتے جاگتے بندوں کی قدر کرنا سیکھیں۔ اپنے گرد گھر میں جتنے لوگ ہیں ان میں خیر ہے، ان میں نیکی ہے، ہم ان کی قدر اپنے دل میں پیدا کریں۔

ایسا نہ ہو کہ ہم ناقدری کرنے والے بن جائیں۔

ایک عجیب واقعہ:

مولانا رومؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک عطار نے ایک طوطی پالی ہوئی تھی۔ اس کی دکان پر جب گاہک آتے تو اس کی طوطی سلام کرتی، جیسے مینا سلام کرتی ہے اور آنے والے سے پوچھتی کہ تیرا کیا حال ہے؟ چنانچہ لوگ دور دور سے آتے کہ ہم نے عطر تو لینا ہی ہے لہٰذا کسی اور سے لینے کی بجائے فلاں دکان پر چلتے ہیں، تھوڑی دیر طوطی سے بھی باتیں کریں گے، لطف اندوز بھی ہوں اور خوشبو بھی خرید کر لائیں گے۔ چنانچہ اس عطار کی دکان پر گاہکوں کارش زیادہ ہونے لگ گیا۔ لوگ اس کے پاس دور دور سے آتے، کئی دفعہ بچے ماں باپ کو ضد کر کے کہتے کہ وہاں چلو۔ چنانچہ وہ بچوں کو لے کر وہاں آتے۔ یوں عطار کا کام خوب چل رہا تھا۔

ایک دن اس عطار نے اپنی دکان تو بند کر دی مگر اس طوطی کو پنجرے میں بند کرنا بھول گیا۔ رات کو طوطی بیٹھی ہوئی تھی۔ کہیں سے اس نے بلی کی آواز سنی۔ جب میاؤں کی آواز سنی تو اس طوطی پر خوف طاری ہوا۔ وہ پھڑ پھڑائی اور کبھی ادھر گری کبھی ادھر۔ ہر طرف شیشے کی چیزیں اور شیشے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ شیشیاں ایک دوسرے پر گریں تو ٹوٹ گئیں۔ شور پیدا ہونے سے طوطی اور گھبرائی۔ اڑی تو ادھر ادھر ٹکرائی جس سے مزید شیشیاں گریں۔ چنانچہ کافی زیادہ نقصان ہوا۔ صبح کے وقت جب عطار نے آکر دیکھا کہ اس کی دکان کا بہت سا مال ضائع ہو گیا تو اس کو بڑا افسوس ہوا۔ اس نے طوطی کو پکڑ کر اس کے سر کے اوپر اتنے جوتے مارے کہ اس کے سر کے کچھ بال اتر گئے اور وہ گنجی ہو گئی۔

اب جب طوطی کو محسوس ہوا کہ اس نے تو مجھے بہت مارا ہے تو طوطی چپ ہو گئی۔

عطار نے حسب معمول اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن اب ایک فرق تھا کہ جب کوئی گاہک آتا تو عطار چاہتا کہ یہ طوطی گفتگو کرے۔ مگر طوطی گفتگو نہ کرتی، بڑا زور لگایا اور بڑی کوشش کی کہ کسی طرح یہ طوطی باتیں کرے تاکہ لوگ آئیں اور یہ ان کا دل لبھائے مگر طوطی کلام ہی نہیں کرتی تھی۔ جب کلام ہی نہ کیا تو کچھ مہینوں کے بعد لوگوں نے آنا چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ گاہک کم ہو گئے۔ حتیٰ کہ کاروبار بالکل ٹھپ ہو گیا۔ اب اس کو احساس ہوکہ او ہو مجھے تو اس کی قدر نہ تھی، میں نے تو ذرا سی بات پر اس کو مارا حتیٰ کہ اس کے سر کے بال بھی اکھڑ گئے، یہ گنجی ہوگئی، اس نے بولنا چھوڑ دیا، میرا تو کاروبار ٹھپ ہوگیا۔ اب عطار نفل پڑھتا اور دعائیں مانگتا کہ اے اللہ! طوطی کو بلا دے، طوطی کو بلا دے۔ مگر طوطی تو بولتی نہیں تھی۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

اس مثال کو اپنی زندگی میں دیکھیے، کہیں خاوند اپنے بیویوں کو تنگ کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذرا ناراض ہوتی ہیں تو دل کو کچھ ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ بول پڑے۔ کئی عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کو ناراض کرتی ہیں۔ جب وہ بولنا بند کر دیتا ہے تو پھر روتی پھرتی ہیں، تعویذ لیتی پھرتی ہیں، حضرت! تعویذ دیں ہمارا خاوندہ ہمارے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ بھائی اس طوطی کی پہلے قدر کیوں نہ کی؟ خیر یہ تو درمیان میں بات آ گئی۔ تو مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی بڑی دعائیں مانگتا مگر طوطی بات ہی نہ کرتی۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا تاہم اس نے سبق سیکھا کہ مجھے اس طوطی کی پہلے ہی قدر کرنی چاہئے تھی۔ میں نے اس کی ناقدری کی اور اس وجہ سے آج میرا کاروبار ٹھپ ہوگیا۔

ایک دن ایک فقیر آیا جس کے سر پر بال نہ تھے۔ طوطی نے اس فقیر کو دیکھا تو فوراً

بول اٹھی ۔ کہنے لگی، کیا آپ نے بھی اپنے مالک کے شیشوں کو توڑا تھا؟ تو وہ طوطی اپنے ہی پر قیاس کرنے لگی کہ میں نے چونکہ اپنے مالک کے شیشوں کو توڑا اور مجھے گنجا بنا دیا گیا تو یہ جو سامنے گنجا فقیر ہے شاید اس نے بھی اپنے مالک کے شیشوں کو توڑا ہو گا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ایک سبق اور ملا کہ ہر آدمی دوسرے کو اپنے پر قیاس کرتا ہے۔ جو اپنے دل میں بات ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ شاید کہ دوسرے کے دل میں بھی یہی بات ہے اور اکثر آپ دیکھیں گے کہ یہی چیز جھگڑوں کا باعث بن جاتی ہے۔

غلط فہمی کا نقصان:

بعض اوقات انسان بات کچھ کر رہا ہوتا ہے اور دوسرے کے دماغ میں کچھ اور ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس کا مفہوم کچھ اور سمجھ لیتا ہے۔ پھر غلط فہمی کی وجہ سے آپس میں جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ حقوق العباد کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کبھی بھی شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو ایسا نہ ہو کہ انسان دوسرے کی ناقدری کر بیٹھے یا انسان غلط فہمی کی وجہ سے کسی کے حقوق کا خیال نہ رکھے۔ اگر ہم آج حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے تو کل قیامت کے دن ہمیں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

پہلوان کون ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، تم جانتے ہو کہ پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، جو لوگوں کو کشتی میں گرا دے۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ ہی بتا دیجئے۔ فرمایا، پہلوان تو وہ ہے کہ جس کو غصہ آئے اور وہ اس غصے کو پی جائے۔

بانجھ عورت کون ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ بانجھ عورت کون ہے؟ عرض کیا کہ، جس کا کوئی بیٹا بیٹی نہ ہو۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ ہی بتا دیجئے کہ بانجھ عورت کون ہے؟ فرمایا، جس عورت کا کوئی بیٹا یا بیٹی بچپن کی حالت میں فوت نہ ہوا ہو وہ بانجھ عورت ہے۔ کیونکہ کل قیامت کے دن یہ معصوم بچے ماں باپ کی شفاعت کریں گے اور اس کی تو کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا لہذا یہ بانجھ عورت ہے۔ یہ گویا تسلی کے لئے بات کر دی کہ جس عورت کا چھوٹا بچہ فوت ہو دکھ تو اس کو بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کو تسلی ہو جاتی ہے کہ چلو میں اس بچے کی لڑکپن یا جوانی نہیں دیکھ سکی لیکن قیامت کے دن یہ میری شفاعت تو کرے گا۔

غریب کون ہے؟

پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بتاؤ کہ غریب کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! جس کے پاس مال نہ ہو۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ بتا دیجئے۔ فرمایا، غریب وہ ہے جس نے دنیا میں نیکیاں تو بہت زیادہ کی ہوں مگر کسی کو برا کہا ہو، کسی کو ذلیل کہا، کسی کو کمینہ کہا، کسی کا حق پامال کیا۔ قیامت کے دن وہ ایسے حال میں کھڑا ہوگا کہ حق والے اس سے حق مانگیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے حق کے بدلے اس کی نیکیاں دلواتے رہیں گے، دلواتے رہیں گے، حتیٰ کہ نیکیاں ختم ہو جائیں گی لیکن حق لینے والے ابھی بھی کھڑے ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں بھی حق دلوائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حق والوں کے گناہوں کو لے کر اس بندے کے سر پر ڈالنا شروع کر دیں گے حتیٰ کہ گناہوں کا پہاڑ اس کے سر پر ہوگا۔ فرمایا، غریب تو وہ

ہے کہ جس نے نیکیاں تو بہت کمائیں مگر حقوق العباد کا خیال نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن نیکیاں دینی پڑ گئیں اور لوگوں کے گناہ اپنے سر پر لینے پڑ گئے۔ فرمایا حقیقت میں تو غریب یہ انسان ہے۔

زبان کی بے احتیاطی:

محترم جماعت! آج کسی کو الٹی سیدھی بات کہہ دینا آسان ہے مگر کل قیامت کے دن اس کا جواب دینا مشکل کام ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اتنے جلال میں ہوں گے کہ اللہ کے انبیاءؑ بھی تھر کتے ہوں گے، اس دن نفسا نفسی کا عالم ہوگا، تو ایسے وقت میں اگر ہم سے پوچھ لیا گیا کہ بتاؤ کہ تم نے فلاں کو کمینہ کیوں کہا تھا؟ فلاں کو ذلیل کیوں کہا تھا؟ فلاں کو تم نے بے ایمان کیوں کہا تھا؟ تو سوچئے تو سہی کہ اللہ رب العزت کی عدالت میں ہمیں ان باتوں کی صفائی دینی کتنی مشکل ہوگی؟ آج زبان سے یہ الفاظ نکالنے آسان ہیں مگر کل ان کا جواب دینا بڑا مشکل کام ہے۔

موت کے بعد انسان کے پانچ حصے:

علما نے لکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کے پانچ حصے بن جاتے ہیں، ایک تو روح جس کو ملک الموت لے کر چلا جاتا ہے، دوسرا انسان کا جسم کہ اسے کیڑے کھا جاتے ہیں، تیسرے اس کا مال کہ یہ اس کے وارث لے جاتے ہیں، چوتھا اس کی ہڈیاں کہ جن کو مٹی کھا جاتی ہے اور پانچواں اس کی نیکیاں کہ جن کو اس کے حق دار لے جاتے ہیں۔ لہذا حسرت ہے اس انسان پر کہ قیامت کے دن نیکیوں کے انبار لائے گا مگر اپنی بد احتیاطیوں کی وجہ سے نیکیاں دے بیٹھے گا اور گناہوں کے پہاڑ سر پر لینے پڑ جائیں گے۔

حسد کا وبال:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اَلْحَسَدُ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اسی طرح حسد انسان کی نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ یعنی جو نیکیاں ہم کر چکے ہوتے ہیں، اگر ہم کسی کے ساتھ حسد کریں گے تو اس کی وجہ سے ہماری کی ہوئی نیکیاں ایسے ضائع ہوں گی جس طرح کہ آگ لکڑیوں کو کھا جایا کرتی ہے۔

غیبت کا وبال:

اسی طرح جب کوئی انسان کسی کی غیبت کرتا ہے تو جس کی غیبت ہو رہی ہو اس کے گناہ دھل رہے ہوتے ہیں اور اس کے سر پر وہ گناہ چڑھ رہے ہوتے ہیں۔ تو ہم حقیقت میں اپنے کسی مخالف کی غیبت کر کے اس کو اپنی نیکیاں دے رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے غیبت بہت خطرناک ہوتی ہے۔

خیر خواہی......ایک پسندیدہ صفت:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ چیونٹیاں چل رہی تھیں۔ ان میں سے ایک چیونٹی نے دوسروں سے کہا یَا اَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ کہ اے چیونٹیو! تم اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں حضرت سلیمانؑ کا لشکر اپنی بے خیالی میں تمہیں روندتا ہوا نہ گزر جائے۔ چنانچہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنے قرآن میں بھی کیا اور چیونٹی کے نام پر ایک سورت کا نام ''النمل'' رکھا۔ اے میرے پروردگار! اگر ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں کی خیر خواہی کرتی ہے تو آپ اتنا خوش ہوتے ہیں کہ

اس واقعہ کو اپنے کلام کا حصہ بنا لیتے ہیں تو اگر کوئی انسان دوسرے انسان کی خیر خواہی کرے گا تو رب کریم آپ اس سے کس قدر راضی ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کریں۔

مسلمانوں کے تین حقوق:

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر تین حقوق ہیں۔ پہلا حق یہ ہے کہ فائدہ نہ دے سکو تو نقصان نہ دو، اور دوسری بات کہی کہ اگر کسی مسلمان کو خوشی نہ دے سکو تو اس کو رنج بھی نہ دیا کرو۔ اول تو ہمیں چاہئے کہ ہم دوسروں کو خوشیاں تقسیم کریں، خوشیاں بانٹنے والے ہوں اور اگر خوشیاں بانٹنا ہماری قسمت میں نہیں تو کم از کم ہم دوسروں کو رنج تو نہ پہنچایا کریں۔ آج کل حالت یہی ہے کہ خوشی تو ہم نے کیا دینی ہم تو دوسروں کو رنج ہی پہنچا رہے ہوتے ہیں، کسی نہ کسی کو زبان سے کڑوی بات کرتے رہتے ہیں۔ تیسری بات کہ اگر تم اس کی تعریف نہ کر سکو تو پھر اس کی بدتعریفی بھی نہ کیا کرو۔ یہ مسلمان کا حق ہے۔ حق تو یہ بنتا ہے کہ ہم دوسروں کی تعریفیں کرتے رہا کریں اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ یہ میرے محبوب ﷺ کا امتی ہے، یہ میرے مالک کا بندہ ہے۔ ہم اس بات کو سوچ کر ان کی تعریفیں کرتے رہا کریں اور اگر زبان سے تعریف نہیں بھی نکلے تو کم از کم کسی کی غیبت تو نہ کیا کریں۔

دل جلانے کی باتیں:

آج کل عورتیں اکثر یہ کہتی ہیں میں نے ایسی بات کی کہ اب تو فلاں عورت جلتی رہے گی۔ یہ جلانے والا لفظ آج کل گفتگو میں عام ہوتا جا رہا ہے۔ اے بہن! تو اسے نہیں جلا رہی ہوتی بلکہ اس بات کرنے کی وجہ سے تو خود جہنم کی آگ میں اپنے جلنے کا

بندوبست کررہی ہوتی ہے۔قرآن پاک میں آتا ہے کہ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ بربادی ہے ہرعیب جو کے لئے اور عیب گو کے لئے ۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ خامیاں ہیں ۔ عیب کی تلاش کرنے والے کو''عیب جو'' کہتے ہیں اور جب عیب کا پتہ چل جائے تو لوگوں میں باتیں کرنے والے کو''عیب گو'' کہتے ہیں۔عیب جوئی بھی گناہ ہے،عیب گوئی بھی گناہ۔ پروردگار عالم نے اس جگہ دونوں کے بارے میں فرمایا کہ اس کے لئے بربادی ہے جولوگوں کے عیبوں کوتلاش کرتا پھرے،یا لوگوں کے عیبوں کو آگے بتاتا پھرے۔ چونکہ لوگوں کی غلطیوں اور خامیوں کوڈھونڈنے اور آگے پہنچانے سے لوگوں کے دلوں کوتکلیف ہوتی ہے۔لہذا اللہ رب العزت نے فرمایا،ایسا بندہ جوعیب جو اور عیب گو ہوگا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کوحکم دیں گے کہ اس کو جہنم کے اندرآگ کے بنے ہوئے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا جائے تا کہ یہ ہل نہ سکے اور پھر جہنم کی آگ کوحکم ہوگا کہ اس کی شعاعیں اس کی طرف بڑھیں۔اس کی لپٹیں اس کی طرف بڑھیں گی اور وہ اس کے دل کوجلائیں گی۔فرمایا نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ جہنم کی آگ اس بندے کے دل کوجلائے گی جس طرح ویلڈنگ کی آگ ہوتی ہے کہ اس کو اگر لوہے کے اوپر کہیں رکھ دیں تو اس جگہ کوجلا کے سوراخ کردیتی ہے بالکل اسی طرح جہنم کی خاص آگ ہوتی ہے جو اس عام آگ سے بھی زیادہ گرم ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس آگ سے جہنمی کے دل کوجلائیں گے اور کہا جائے گا کہ اے میری بندی! تو دنیا میں اپنے منہ سے ایسی باتیں نکالتی تھی۔کہتی تھی کہ میں نے فلاں عورت کوجلایا ہے،میں نے فلاں کوخوب سڑایا ہے،میں نے ایسی بات کی کہ وہ سڑتی رہے گی۔آج دیکھ اس کا اجر،آج دیکھ اس کا حشر،تیرے دل کے اوپر جہنم کی آگ کا قبضہ ہے۔آج یہ تجھ پر مسلط ہے،یہ تیرے دل کوجلائے گی تو نے

لوگوں کے دلوں کو جلایا، اللہ رب العزت کل جہنم کے اندر تیرے دل کو جلائیں گے۔ اب سودا تو خود ہم دیکھیں کہ کون سا اچھا ہے۔ یا تو دنیا میں دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمیں معاف کر دے، یا پھر دنیا میں لوگوں کو جلاتے پھریں۔ کل قیامت کے دن ہمارا جسم تو جل ہی رہا ہوگا پھر دل بھی جلے گا اور وہاں پر کوئی فریاد سننے والا بھی نہیں ہوگا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اب پچھتائے کیا ہوت:

سوچئے تو سہی جب وہاں ستون کے ساتھ رسیوں اور زنجیروں سے بندھے ہوئے ہوں گے اور دل جل رہا ہوگا پھر یہ عورت چیخے گی، چلائے گی مگر اس کے رونے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ان گناہوں کی معافی زندگی میں مانگنے کی ضرورت تھی، جب زندگی میں نہ مانگی تو قیامت کے دن رونے کا کیا فائدہ۔ جہنمی روتے رہیں گے، پروردگار کو ترس نہیں آئے گا۔

دنیا کی شرمندگی آسان ہے:

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم جیتے جاگتے اپنے جھگڑوں کو سمیٹ لیا کریں۔ دنیا میں معافی مانگنی آسان ہے، دنیا میں دو آنسو بہا لینے آسان ہیں، کسی کے پاؤں پکڑ لینے آسان ہیں، کسی سے معافی مانگنے کے لئے دو باتیں کہہ لینی آسان ہیں، کسی ایک بندے کے سامنے شرمندگی برداشت کر لینا آسان ہے، لیکن اگر ہم نے ان جھگڑوں کو نہ سمٹایا اور اسی طرح ان کو لے کر قبر میں چلے گئے تو آگے پھر معاملہ مشکل ہوگا۔

قیامت کی عدالت میں یہ مقدمے کھولے جائیں گے، وہاں کوئی ایک دیکھنے والا نہیں ہوگا بلکہ ساری انسانیت دیکھے گی۔ انبیاء بھی دیکھیں گے، اولیاء بھی دیکھیں گے، عوام الناس بھی دیکھیں گے، پروردگار بھی دیکھیں گے۔ جب سب کے سامنے کچا چٹھا کھلے گا تو پھر سوچئے کہ اس وقت ہمیں کتنی ندامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ دے ہم اپنی زندگی میں اس قسم کے معاملات کو خود سمیٹ لیں۔

خیر خواہی کا فائدہ:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو آدمی دوسروں کی خیر خواہی کرے گا اللہ رب العزت اس کی خیر خواہی فرمائیں گے۔ مثلاً ایک آدمی دوسروں کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے کاموں کو سنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔ یہ انسان دوسروں کی مدد کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمارہے ہیں۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا وَ اَمَّا مَنۡ یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ جو شخص دوسرے انسانوں کی نفع رسانی کے لئے زندگی گزارتے ہیں ان کو نفع پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں جما دیتے ہیں۔ جو خیر خواہ لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قبولیت دیتے ہیں۔

اللہ والوں سے پیار کا معاملہ:

کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، ان کے دلوں میں اللہ کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں اور پھر مخلوق ان کے اوپر قربان ہوئی جاتی ہے۔ جس طرح کسی شمع کے اوپر پروانے جان فدا کرنے کو تیار ہوتے ہیں اسی طرح اللہ والوں پر سالکین اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت پر قربان، مخلوق خدا ان پر قربان، یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں لوگ

ان سے محبت کرتے ہیں، یہ اللہ کے چاہنے والے بنتے ہیں اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کا چاہنے والا بنا دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں لوگ ان کی خدمت کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ وہ مقام عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ لوگوں کی خیر خواہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پھر ان کی خیر خواہی کروا دیتے ہیں۔ اس لئے کئی ایسے بھی لوگ ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ محبوب العالم بنا دیتا ہے، جہاں جاتے ہیں محبتیں ملتی ہیں، الفتیں ملتی ہیں، جہاں جاتے ہیں ان کو قدرت کی طرف سے لوگوں کے دلوں کا پیار ملتا ہے۔ وجہ کیا ہے؟ ان کے دل میں اللہ کی محبت اس طرح رچ بس جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں اس کا پیار رکھ دیتے ہیں۔

دلیل:

اس کی دلیل حدیث پاک میں ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے اپنے اللہ کا برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے **يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِالنَّوَافِلِ** میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا اتنا قرب پالیتا ہے **حَتّٰى اُحِبُّهٗ** حتی کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو دعع جبریل اللہ تعالیٰ جبریل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں جبریل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ جبریل آسمان پر فرشتوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اے فرشتو! اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں لہذا سارے فرشتے اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر جبریل زمین پر آتے ہیں اور ایک جگہ کھڑے ہو کر زمین میں اعلان کرتے ہیں اے لوگو! اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں **ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْاَرْضِ** یہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اس بندے کے لئے دنیا میں قبولیت رکھ دیتے ہیں۔

وہ جہاں جاتا ہے مقبول بنتا ہے، وہ جہاں جاتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، پیار کرتے ہیں، وہ دشمنوں میں چلا جائے تو وہ دوست بن جائیں، وہ غیروں میں چلا جائے لوگ اپنے بن جائیں، وہ جنگل میں چلا جائے وہاں منگل کا سماں بن جائے، سبحان اللہ جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اللہ رب العزت اس کو زندگی میں بھی یوں محبتیں عطا فرما دیتے ہیں۔

محبت الٰہی میں کمی کا وبال:

آج چونکہ دلوں میں محبت الٰہی کی کمی ہے اس لئے آج کا ایک عام انسان یوں سمجھتا ہے کہ فلاں مجھ سے نفرت کرتا ہے، بہو سمجھتی ہے کہ ساس مجھ سے نفرت کرتی ہے، ساس سمجھتی ہے کہ بہو مجھ سے نفرت کرتی ہے، لڑکی سمجھتی ہے کہ فلاں میری کزن مجھ سے نفرت کرتی ہے، فلاں میری نند مجھ سے نفرت کرتی ہے، فلاں میری خالہ زاد میرے اوپر عمل کرتی پھرتی ہے، یہ سب اسی قسم کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے دل میں محبت الٰہی کی کمی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا نہیں سمجھتے، لوگ میری غیبت کرتے ہوں گے، فلاں نے فلاں کو بگاڑا ہوگا، فلاں میرا برا چاہنے والا ہے، اس کو سب برائی چاہنے والے نظر آتے ہیں۔ کاش! ہم اپنی سوچ کو بدل لیتے، اپنے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کو بھر لیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل میں ہماری محبتوں کو بھر دیتے اور زندگی کتنی اچھی گزرتی۔

؎ فرصت زندگی کم ہے محبتوں کے لئے
لاتے ہیں کہاں سے وقت لوگ نفرتوں کے لئے

نفرت ہو تو کفار سے:

معلوم نہیں کہ لوگ اس مختصری زندگی میں نفرت کے لئے کہاں سے وقت نکال لیتے ہیں۔ فلاں سے نفرت، فلاں سے نفرت۔ نہیں خدا کے بندے اگر نفرت ہو تو کفار سے ہو، نفرت ہو تو اللہ کے دشمنوں سے ہو۔ لیکن جو ایمان والے ہیں، جو کلمہ گو ہیں ان کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی بھی محبت نصیب فرمادے اور اپنی زندگی میں دوسروں کی خیر خواہی کرنے کی رب کریم توفیق نصیب فرمادے اور جو ہم اب تک گناہ کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ موت سے پہلے پہلے ان کی معافی مانگنے کی توفیق نصیب فرمادے۔

دل کی پکار:

آج کی عورتیں اکثر کہتی ہیں کہ جی کیا کریں ہمارے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ میری بہن! اللہ تعالیٰ سنتے تو سب کی ہیں مگر بات یہ ہے کہ اللہ تو دل کی پکار سنتے ہیں۔ تو زبان سے پکارتی پھرتی ہے۔ اس لئے تیری پکار وہاں پہنچتی نہیں۔ اگر تیرا دل کلام کرتا تو رب تو دل کی باتیں سنتے ہیں۔ تیرا دل خاموش، تیرا دل پتھر، تیرا دل سیاہ، پھر تیری زبان سے نکلی ہوئی باتیں وہاں تک کیسے پہنچیں گی۔ یاد رکھیں کہ پروردگار سب کی سنتے ہیں مگر لوگوں کے دل گونگے ہوتے ہیں، ان کے دل باتیں نہیں کرتے، اگر تیرا دل گونگا نہ ہوتا، تیرا دل اللہ سے باتیں کرتا تو تجھے کبھی شکوہ نہ ہوتا کہ پروردگار تو میری سنتے نہیں۔ وہ جن کے دل اپنے اللہ سے باتیں کرتے ہیں، اپنے اللہ کی یاد میں رہتے ہیں، ان کو ان شکووں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، پھر پروردگار قبول کر لیتے ہیں۔ تو رب کا شکوہ کیوں کرتی

ہے، اپنے دل کے گونگے ہونے کا شکوہ کیوں نہیں کرتی؟ یہ پتھر بن گیا، بے جان بن گیا، آج اس کے اندر وہ کیفیت نہیں جو ہونی چاہیے تھی۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ہم اپنے اندر بھی تو جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے دل کی حالت کیا بنی ہوئی ہے۔ یہ ہمارے گناہ ہیں جن کی وجہ سے ظلمتیں ہوتی ہیں، دلوں کے اندر سختی آجاتی ہے۔

اپنی سیرت کو خوبصورت بنائیے:

آج کی عورتیں جتنا وقت روزانہ اپنے ظاہری جسم کو خوبصورت بنانے کے لئے صرف کرتی ہیں کاش! کہ اس سے آدھا وقت اپنے باطن کو خوب سیرت بنانے کے لئے صرف کر دیتیں تو میرے اندازے میں جہنم سے بچ کر جنت کی مستحق بن جاتیں۔ اپنے ظاہر کو خوبصورت بنانے کے لئے ہر وقت سوچتی پھر رہی ہوتی ہیں مگر اپنے باطن کی شکل کیا ہے؟ جس کو پروردگار دیکھتا ہے اس کی طرف غور نہیں ہوتا۔

وہ سراپا جس پر بندوں کی نظریں پڑتی ہیں میری بہن! تو اسے اتنا سنوارتی پھرتی ہے جب کہ تیرے دل پر تیرے رب کی نگاہیں پڑتی ہیں تجھے اس کے سنوارنے کی پروا نہیں۔ جس گھر کے اندر تیرے دنیا کے مہمان آتے ہیں تو نے اس کو نگینے کی طرح چمکا کے رکھا اور تیرے دل میں تیرا پروردگار مہمان بن کے آتا ہے اور تجھے اس گھر کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہاں خواہشات ہوتی ہیں، شہوات ہوتی ہیں، وہاں نجاست کی بدبو ہوتی ہے اور ہمیں پروا نہیں ہوتی کہ ہمارے دل کی کیا حالت بن گئی۔ لہذا اپنے سراپا کو ضرور خوبصورت بنائیے مگر اس سے بھی زیادہ اپنی سیرت کو خوبصورت بنائیے۔ اللہ

کی نظر انسان کی سیرت پر ہوتی ہے۔

میری بہن! میری باتیں ذرا دل کی توجہ سے سن لینا۔ یاد رکھنا کہ قد بغیر اونچی ہیل کے بھی بڑا نظر آ سکتا ہے اگر انسان کی اپنی شخصیت میں بلندی ہو، انسان کی آنکھیں بغیر سرمے کے بھی خوبصورت لگ سکتی ہیں اگر ان آنکھوں میں حیا ہو، انسان کی پلکیں بغیر مسکارے کے بھی دلفریب بن سکتی ہیں اگر وہ پلکیں شرم سے جھکی ہوئی ہوں، انسان کی پیشانی بغیر بندیا کے بھی خوبصورت لگتی ہے اگر اس پر سجدوں کے نشان ہوں۔ تو کیوں نہ تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے، رب کے محبوب ﷺ کی سنتوں پر عمل کر لے، اللہ رب العزت تجھے لوگوں میں محبوبیت عطا فرما دیں گے، لوگ تیرے سامنے بچھتے پھریں گے، تجھے دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت ملے گی۔ رب کریم ہمیں عزتوں بھری زندگی نصیب فرما دے۔ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما کر ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمین ۔

علم، عمل اور اخلاص

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخر اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ او کما قال علیہ الصلوۃ و السلام .سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

ہر انسان دنیا میں عزت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔اس عزت کی تلاش میں اسے دن رات محنت کرنا پڑے تو بھی نہیں گھبراتا، اپنے آرام کو قربان کرنا پڑے تو بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

عزت ملنے کے دو ذرائع:

اس کے دل کی ایک تڑپ اور تمنا ہوتی ہے کہ مجھے عزت کی زندگی نصیب ہو۔ دنیا میں عزت دو طرح سے ملتی ہے۔ایک مال کے ذریعے اور دوسری نیک اعمال کے ذریعے۔مگر دونوں عزتوں میں فرق ہے۔مال جس طرح خود عارضی چیز ہے، ڈھلتی چھاؤں ہے، اس سے ملنے والی عزت بھی ناپائیدار ہوتی ہے۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

نیک اعمال چونکہ باقی رہنے والے ہوتے ہیں، باقیات الصالحات میں سے

ہوتے ہیں۔ تو یہ طے شدہ بات ہے کہ علم کو مال پر کئی وجوہات کی بنا پر فضیلت حاصل ہے۔ علم سے انسان عمل کرتا ہے اور اعمال کی وجہ سے اسے دنیا و آخرت میں عزتیں ملتی ہیں۔ اس لئے جو عزت انسان کو نیکی کی بناء پر ملتی ہے وہ دائمی عزت ہوا کرتی ہے۔ فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت اللہ رب العزت کے لئے، اس کے رسول ﷺ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے۔

علم کی فضیلت مال پر:

1- علم انبیائے کرام کی میراث ہے اور مال قارون اور فرعون کی میراث ہے۔

2- علم کے حاصل ہونے سے انسان کے دوست بڑھتے ہیں اور مال کے حاصل ہونے سے انسان کے حاسد بڑھتے ہیں۔

3- علم کو چوری کا خطرہ نہیں ہوتا اور مال کو کبھی امن نصیب نہیں ہوتا۔

4- علم تو سینے کا نور ہے انسان جہاں جائے گا ساتھ ہوگا جب کہ مال تو تجوری میں ہوتا ہے ہر وقت اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

5- علم جتنا بھی پرانا ہوا اتنا راسخ ہوتا ہے اس کا مرتبہ اور مقام بڑھتا چلا جاتا ہے اور مال جتنا پرانا ہو جائے یہ اپنی قیمت گھٹا بیٹھتا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے روپے کی جو قیمت تھی آج آپ کو روپے کی آدھی بھی قیمت نہیں ملے گی۔

6- علم کی محبت سے انسان کریم ہوا کرتا ہے جب کہ مال کی محبت سے انسان بخیل ہوا کرتا ہے۔

7- علم کو جتنا خرچ کیا جائے اتنا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور مال کو جتنا خرچ کیا جائے وہ اتنا گھٹتا چلا جاتا ہے۔

8- علم کی محبت دل میں ہو تو انسان کے دل میں نور آتا ہے جب کہ مال کی محبت دل

میں ہو تو انسان کے دل میں اندھیرا آتا ہے۔

9- علم انسان کی حفاظت کرتا ہے جب کہ مال کی حفاظت انسان کو کرنا پڑتی ہے۔

10- علم سے انسان مال تو کما سکتا ہے مگر مال سے انسان علم کو نہیں خرید سکتا۔

11- مال کی کثرت کی وجہ سے فرعون نے کہا تھا انا ربکم الاعلی یعنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، مال نے اس میں تکبر پیدا کر دیا تھا جب کہ علم کی کثرت کی وجہ سے اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ نے فرمایا ما عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبادتک وَ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ تو علم نے عاجزی اور تواضع پیدا کر دی۔

مال کی بے ثباتی:

عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ مال ہو گا تو سب کام سنور جائیں گے۔ مثل مشہور ہے کہ مال ہو تو انسان شیرنی کا دودھ بھی خرید سکتا ہے۔ یہ محض دھوکا ہے۔ مال سے بہت سارے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں مگر ہر کام ٹھیک نہیں ہوتا۔ آپ خود سوچئے کہ

1- مال سے انسان عینک تو خرید سکتا ہے، بینائی تو نہیں خرید سکتا۔

2- مال سے انسان کتاب تو خرید سکتا ہے، علم تو نہیں خرید سکتا۔

3- مال سے انسان نرم بستر تو خرید سکتا ہے، میٹھی نیند تو نہیں خرید سکتا۔

4- مال سے انسان اچھے کپڑے تو خرید سکتا ہے، حسن و جمال تو نہیں خرید سکتا۔

5- مال سے انسان گھر میں نوکر تو لا سکتا ہے، نیک بیٹا تو نہیں لا سکتا۔

6- مال سے انسان دوائیں تو خرید سکتا ہے، اچھی صحت تو نہیں خرید سکتا۔

7- مال سے انسان خضاب تو خرید سکتا ہے، شباب تو نہیں خرید سکتا۔

8- مال سے انسان لوگوں کی خوشامد تو خرید سکتا ہے، کسی کے دل کی محبت تو نہیں خرید سکتا۔

9- مال سے ہر کام دنیا میں بھی نہیں ہوتے اور روز محشر تو مال بالکل ہی کام نہیں آئے گا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے فرمایا یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۔روز محشر نہ مال کام آئے گا اور نہ ہی بیٹے مگر جو شخص سنورا ہوا دل لایا وہ دل اس کے کام آئے گا۔

علم اور جہالت کا تقابل قرآن کی روشنی میں:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ آپ فرما دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں سات چیزوں کو کہا گیا کہ وہ سات چیزوں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ جیسے اس آیت میں علم کے بارے میں فرمایا گیا کہ علم والا اور بے علم برابر نہیں ہوسکتے۔

دوسری جگہ فرمایا قُلْ لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ کہ پاکیزہ چیز اور ناپاک چیز برابر نہیں ہوسکتی۔فرمایا لَا یَسْتَوِیْ اَصْحَابُ النَّارِ وَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ جنت والے اور آگ والے برابر نہیں ہوسکتے۔ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ بینا اور نابینا برابر نہیں ہوسکتے۔ وَ لَا الظُّلُمٰتِ وَلَا النُّوْرُ ظلمت اور روشنی برابر نہیں ہوسکتی۔ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحُرُوْرُ دھوپ اور چھاؤں برابر نہیں ہوسکتی۔ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوسکتے۔

امام غزالیؒ فرماتے تھے ان آیات میں سات چیزوں سے مراد علم ہے اور ان کے مقابل کی سات چیزوں سے مراد جہالت ہے۔لہذا علم، طیب، جنت، بصارت، نور، دل اور حیات سارے کے سارے الفاظ اللہ رب العزت نے علم کے لئے استعمال

فرمائے اور دوسرے الفاظ اللہ رب العزت نے جہالت کے لئے استعمال فرمائے۔

علم کی فضیلت قرآن مجید سے

اس دنیا میں حقیقی عزت ملی انبیائے کرام کو اور وہ دائمی عزت تھی۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو اللہ رب العزت کے پسندیدہ اور چنے ہوئے لوگ تھے۔ جن کی زندگی انسانیت کے لئے نمونہ تھی۔ دنیا دار الاسباب ہے، سبب کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو انبیائے کرام کو دنیا کی عزتیں ملنے کا جو سبب بھی بنا وہ علم بنا۔ آیئے قرآن پاک سے ہم چند مثالیں دیکھیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مثال:

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے مسجود الملائکہ بنایا، ملائکہ کو حکم دیا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، مگر اس سجدہ کرنے کا سبب ان کا علم بنا۔ فرمایا وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا اور ہم نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کر دیا۔ تو جو چیز سبب بن رہی ہے وہ ایسا علم تھا جو فرشتوں کو نہیں معلوم تھا لہٰذا فرمایا تم سجدہ کرو۔ تو جب اشیاء کے علم ہونے کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام مسجود الملائکہ بنے تو یہاں عارفین نے ایک نکتہ لکھا، اے انسان! جب اشیاء کے ناموں کا علم ہو تو انسان مسجود الملائکہ بن جاتا ہے تو جس انسان کو اللہ رب العزت کے ناموں کا علم اور اس کی معرفت ہو گی پھر اس کے مقامات کتنے بلند کر دیے جائیں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال:

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے دنیا میں بڑی سلطنت عطا فرمائی۔

اس کا سبب کیا بنا؟ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے ان کو لوہے کی زرہ بنانے کا علم عطا کر دیا تھا۔ وَ عَلَّمْنٰهُ اور ہم نے عطا کر دیا تھا۔ نسبت اپنی طرف فرمائی، اور ہم نے ان کو لوہے کی زرہ بنانے کا علم عطا کر دیا تھا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو بڑی سلطنت عطا کر دی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی بھی شاہی ملی اور دین کی شاہی بھی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ان جیسی دنیا کی شاہی نہ پہلے کبھی کسی کو ملی تھی نہ پھر ملے گی۔ ایسی شاہی ملی کہ انسانوں کے بھی بادشاہ، جنوں کے بھی، پرندوں کے بھی، حیوانوں کے بھی، درندوں کے بھی، خشکی کی مخلوق کے بھی اور تری کی مخلوق کے بھی بادشاہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر ان کو شاہی عطا فرمائی تھی۔ اللہ رب العزت نے ان کو ملکہ سبا پر غلبہ عطا کیا۔ اب ان کی فتح اور غلبے کا واقعہ قرآن مجید میں بیان کیا تو اس کی وجہ کیا بتائی گئی؟ انہوں نے فرمایا یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ اے انسانو! مجھے اللہ رب العزت نے پرندوں کی بولی کو سمجھنے کا علم عطا کر دیا۔ دنیا کے اندر ایسی شاہی ملنے کا اور غلبہ نصیب ہونے کا سبب ان کا علم بنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال:

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے غلامی کی حالت سے نکال کر تخت کے اوپر بٹھایا۔ فرش پر تھے عرش پر بٹھا دیے گئے۔ ایک وہ وقت بھی تھا کہ جب مصر کے بازار میں بک رہے تھے، ان کے بھاؤ اور دام لگ رہے تھے اور لوگ ان کو خریدنے کے لئے آ رہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے لوگ قیمتیں لگا رہے

تھے، لیکن یہ علم کے حصول سے پہلے کا وقت تھا۔ فرمایا فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا دیکھئے اب علم عطا ہو رہا ہے اور پھر علم کے بعد اللہ رب العزت نے ان کو شاہی عطا فرمائی، ان کو دنیا کا تخت ملا، خزانے کی چابیاں ملیں۔ فرمایا اِجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ مجھے خزانوں کا والی بنادو۔ اب یہ جو چابیاں ان کے حوالے ہو رہی ہیں اس کا سبب ”خواب کی تعبیر“ کا علم بنا۔ بادشاہ وقت نے خواب دیکھا، کوئی تعبیر دینے والا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور کہا گیا کہ آپ تعبیر بتائیے۔ قرآن پاک میں ہے وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ اور اللہ رب العزت نے مجھے خواب کی تعبیر کا علم عطا کیا۔ آپ نے خواب کی تعبیر دی۔ بادشاہ وقت نے سوچا کہ یہی ہستی ہمیں اس فقر و فاقہ اور تنگدستی سے بچا سکتی ہے۔ لہٰذا اس نے خزانوں کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے دنیا کی شاہی نصیب ہونے کا سبب علم بنا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں اپنی والدہ سے تہمت کو دور کیا اپنے علم کی وجہ سے قرآن گواہی دیتا ہے وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ دیکھئے ان کو بھی علم عطا کیا گیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی مثال:

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اولیاء میں سے بڑا مقام رکھنے والے ہیں۔ انہیں ایک نبی علیہ السلام کا استاد بننے کا شرف نصیب ہوا اور نبیؑ بھی کتنی شان والے کہ، کلیم اللہ۔ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ان کو استاد بننے کا جو مقام نصیب ہوا اس کی وجہ ان کا علم بنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ ہم نے اسے اپنے پاس سے علم عطا کر دیا۔تو علم سبب بن رہا ہے ایک ولی کے لئے کہ وہ اللہ رب العزت کے پیغمبر کا بھی اس وقت استاد بنا۔

حضور اکرم ﷺ کی مثال:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ رب العزت نے کونین کی شاہی عطا فرمائی تھی۔ سید الاولین والآخرین بنایا اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم میں ممتاز فرمایا وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا اور آپ کو وہ علم دیا جو آپ کے پاس نہ تھا اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا۔

ان تمام ہستیوں کے لئے دنیا میں عزتیں، شرافتیں اور غلبہ ملنے کا سبب جو چیز بن رہی ہے وہ ان کا علم ہے۔تو معلوم ہوا کہ علم سے جو عزتیں ملتیں ہیں وہ دائمی ہوا کرتی ہیں اور مال کے ذریعے سے جو عزتیں ملتی ہیں وہ عارضی ہوتی ہیں۔صبح کے وقت تخت پر ہوتے ہیں اور شام کے وقت تختے پر ہوا کرتے ہیں، رات کو وزیر ہیں صبح کو اسیر ہیں، رات کو صدر ہیں صبح کو ملک بدر ہیں، رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں۔مال سے ملنے والی ایسی عارضی عزت کا کیا فائدہ۔

عقلمند انسان:

عقلمند انسان وہ ہے جو اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ کرے۔جو اپنے دل کو علم کے نور سے منور کرے تاکہ وہ دنیا کے اندر عزتوں والی زندگی اور کامیابیوں والی زندگی اختیار کر سکے۔

انمول باتیں:

حضرت سفیان ثوریؒ ایک بڑے فقیہ گزرے ہیں۔فرمایا کرتے تھے کہ اگر

نیک نیت ہو تو طالب علم سے افضل کوئی نہیں ہوتا۔ سچی بات یہی ہے کہ جس گھر میں کوئی اہل علم نہ ہو تو وہ گھر جانوروں کا ڈربہ ہوا کرتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ تو جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر انسان راستے سے واقف ہو تو وہ اپنے لنگڑے گدھے کو بھی منزل پہ پہنچا لیتا ہے اور جس کو راستے کا پتہ نہ ہو اس کا موٹا تازہ گدھا بھی راستے میں کھڑا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر علم ہو تو انسان اپنی زندگی میں منزل مقصود پر پہنچ جایا کرتا ہے۔ علم کی اہمیت اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔

عمل کی ضرورت:

ایک نکتہ سمجھئے کہ جس طرح چراغ جلے بغیر روشنی نہیں دیتا اسی طرح علم بھی عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔ عمل کے بغیر علم معلومات کہلاتا ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے بے عمل پیروں کو کتوں سے تشبیہ دی گئی اور بے عمل علما کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ بلعم باعور کے بارے میں فرمایا گیا فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ اس کی مثال کتے کی سی ہے۔ اور بے عمل علما کے بارے میں فرمایا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا یہ تو گدھے ہیں جن کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے۔ اس لئے علم کا فائدہ بھی تبھی نصیب ہوتا ہے جب انسان اس کو عمل کی شکل میں ڈھال لیتا ہے۔ اسی لئے ضرب المثل ہے کہ علم عمل کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، کھل جائے تو موجود رہتا ہے ورنہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے۔

اخلاص کی ضرورت:

علم کے بعد ایک قدم اور ہے جس کو اخلاص کہتے ہیں۔ یہ تین چیزیں جب اکٹھی

ہو جاتی ہیں (علم، عمل اور اخلاص) تو پھر یہ ایک قوت بن جاتی ہیں، ایک طاقت بن جاتی ہیں۔ جس انسان کے اندر علم بھی ہوگا عمل بھی ہوگا، اخلاص بھی ہوگا تو اب یہ الفاظ اور حروف نہیں بلکہ اب یہ ایک طاقت ہے ایک قوت ہے۔ اور اس قوت کی وجہ سے اسے اللہ رب العزت دنیا اور آخرت میں عزتیں دیتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

آصف بن برخیا کے علم، عمل اور اخلاص کی برکت:

دیکھئے، دنیا کے اندر بھی انسان ایسے کام کر دکھاتا ہے جو جن بھی نہیں کر پاتے۔ پڑھئے قرآن پاک کہ جب ملکہ بلقیس کا تخت منگوانا تھا تو حضرت سلیمانؑ نے اپنی پارلیمنٹ کے ممبروں کو کہا تھا۔ یا یھا الملاء اے میرے امراء! مشیرو! وزیرو! **اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ** تم میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کا تخت مجھ تک لے آئے اس سے پہلے کہ بلقیس مجھ تک آ پہنچے، **قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ** جنوں میں سے ایک عفریت نے کہا، (عفریت کہتے ہیں بڑے جن کو، جنوں میں سے بھی پہلوان جن کو)۔ **اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ** میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو بڑی دیر ہے کہ مجلس کے ختم ہونے سے پہلے لاؤ گے، مجھے اس سے پہلے چاہئے۔ اب وہاں پر جن بھی بے بس ہو گئے۔ اللہ کا ایک بندہ آصف بن برخیا اس وقت کھڑا ہوتا ہے۔ کہتا ہے **اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ** میں اسے لا سکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی پلک جھپکیں۔ بھلا یہ کون تھا؟ قرآن میں اس کے بارے میں فرمایا **قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ** کہا اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ جہاں عفریت بھی کوئی کام

کرنے سے بے بس ہو جاتے ہیں وہاں ایک اہل علم کھڑا ہوتا ہے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ اور جب انہوں نے پلک جھپک کر دیکھا فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ فرمایا یہ تو میرے رب کا فضل ہے۔ اس لئے علم، عمل اور اخلاص جب تین چیزیں اکٹھی ہو جائیں تو پھر یہ قوت اور طاقت بن جایا کرتی ہیں۔ پھر یہ ایمانی قوت اور طاقت انسان کو دنیا اور آخرت میں عزتیں دیا کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم، عمل اور اخلاص کی برکات:

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس علم، عمل اور اخلاص سے ملنے والی قوت اور طاقت موجود تھی اور اسی قوت اور طاقت کی وجہ سے اللہ رب العزت نے دنیا کے فرمانرواؤں اور بادشاہوں کے تاج ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیئے۔ فقیرانہ زندگی تھی۔ لیکن وقت کے بڑی بڑی سپر پاور والے بادشاہ قیصر اور کسریٰ بھی تھرایا کرتے تھے۔ نام سن کر کانپتے تھے، لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے پاس علم، عمل اور اخلاص کی قوت موجود تھی۔

ہوا پر حکم:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا یا ساریة الجبل اے ساریہ! پہاڑ کی طرف سے دھیان رکھنا۔ ہوا ان کے پیغام کو زبان سے لے کر اس کے امیر لشکر تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ ان کا ہوا پہ حکم چل رہا ہے۔

زمین پر حکم:

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں زلزلہ آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر

ایڑی ماری، فرمایا، اے زمین تو کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمرؓ نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ زمین کا زلزلہ اسی وقت رک جاتا ہے۔

آگ پر حکم:

ایک مرتبہ مدینہ کے باہر ایک آگ نکلتی ہے اور مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ سیدنا عمرؓ ایک صحابی کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس آگ کو پیچھے اس کے اپنے مخرج کی طرف دھکیل دیجئے۔ وہ اپنی چادر کو کوڑے کی مانند بنا کر اس آگ کی طرف مارنا شروع کرتے ہیں۔ آگ ہٹتے ہٹتے جہاں سے نکلی تھی وہاں پر واپس چلی جاتی ہے۔ سبحان اللہ، آگ پر حکم چل رہا ہے، ہوا پر حکم چل رہا ہے، زمین پر حکم چل رہا ہے۔ دریاؤں کے پانی پر حکم چل رہا ہے۔

پانی پر حکم:

حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ مصر کے امیر لشکر نے لکھا، اے امیر المومنین! دریائے نیل کے پانی کے جاری ہونے کے لئے ہر سال ایک جوان لڑکی کی قربانی دی جاتی ہے۔ تو آپ نے جوابی خط لکھا کہ اسے دریا میں ڈال دو۔ اس خط میں لکھا تھا اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو مت چل۔ لیکن اگر تو اللہ رب العزت کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین عمر ابن الخطاب تجھے حکم دیتا ہے کہ تو چلنا شروع کر۔ دریائے نیل کا پانی آج بھی چل رہا ہے اور عمر ابن الخطابؓ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے۔

بیت المقدس کیسے فتح ہوا؟

بیت المقدس کی فتحیابی کا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں نے وہاں پر چڑھائی کی۔ وہاں

کے لوگوں نے کہ کہا کہ آپ اپنے خلیفہ کو ہماری طرف بھیجئے ۔ ہمارے پاس ان کی نشانیاں ہیں، ہم دیکھیں گے کہ اگر وہ نشانیاں موجود ہوئیں تو بغیر کسی لڑائی کے ہم چابیاں ان کی جھولی میں ڈال دیں گے ۔ حضرت عمرؓ کی ظاہری زندگی یہ تھی کہ اپنے کرتے پر بھی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے ہیں ۔ عدل وانصاف اتنا کہ اگر غلام ساتھ ہے تو کچھ فاصلہ خود سواری پر بیٹھتے اور وہ پیدل چلتا اور کچھ فاصلہ آپ پیدل چلتے ہیں اور اس کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور جب آخری وقت آیا تو وہ منزل آپ کے پیدل چلنے کی تھی اور غلام کے سواری پر بیٹھنے کی تھی ۔ مسلمانوں کا امیر المومنین اس حال میں دشمن کے سامنے پیش ہوتا ہے کہ اس نے اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی ہے، غلام اوپر بیٹھا ہوا ہے، کپڑے میں پیوند لگے ہیں مگر ان کے چہرے پہ وہ جاہ وجلال تھا، وہ ہیبت تھی، اللہ نے رعب کے ذریعے ان کی ایسی مدد کی کہ جب کفار نے دیکھا تو ان کے پتے پانی ہوگئے ۔ کہنے لگے کہ یہ وہی شخصیت ہے جس کی نشانیاں کتابوں میں ہیں ۔ بیت المقدس کی چابیاں ان کی جھولی میں ڈال دی جاتی ہیں ۔ یہ عزتیں کیسے مل رہی ہیں؟ صرف قوت ایمانی کے سبب جو انسان کو علم، عمل اور اخلاص کی وجہ سے نصیب ہوتی ہیں ۔

چراغ علم جلاؤ:

تو آج اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ طالبات جو آج سندات لے کر فارغ ہوئیں اور جن کو اللہ رب العزت نے یہ خوشی کا موقع فراہم کیا کہ علم کی نسبت نصیب ہوئی وہ اس علم پر عمل کر کے خود بھی نیک بنیں اور جہاں رہیں وہاں بھی علم کی روشنی کو پھیلائیں ۔

چراغ علم جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

آج ضرورت ہے اس بات کی جہاں جہاں جو بچی جائے وہ علم کے چراغ کو جلائے تاکہ امت کے اندر جو جہالت کا اندھیرا آ چکا یہ روشنی میں تبدیل ہو جائے اور یہ روشنی مینارۂ نور بن جائے اور لوگوں کی زندگیوں کو منور کرنے لگ جائے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جو دین کی محنت کی اور دین ہم تک پہنچایا اس دین کی حفاظت کرنے والی جماعت میں آپ بھی شامل ہو جائیں۔ جب آپ علم پر عمل کریں گی اور اس عمل کی روشنی کو پھیلائیں گی تو آپ اس دین کی حفاظت کرنے والوں کے گروہ میں اور جماعت میں شامل ہو جائیں گی۔

نبی اکرم ﷺ کی بہترین دعا:

اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فرمایا نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا وَ اَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا اللہ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے کہ جس نے میری بات کو سنا، اس پر عمل کیا پھر اس کو محفوظ کیا اور لوگوں تک اس کو ایسے پہنچایا جیسے اس کو سنا۔ اے بیٹی! اگر اللہ کے محبوب ﷺ فرماتے ہیں، اللہ اس کے چہرے کو تروتازہ رکھے، کتنی پیاری دعا دی، معلوم ہوا کہ جو بچی دین کا کام کرے گی اللہ تعالیٰ اس کی شکل وصورت پر بھی ایسا نور دیں گے جو اس کے چہرے کی زیبائش ہوگا، چہرے پر جاذبیت ہوگا۔ چونکہ محبوب ﷺ نے فرمایا اللہ اس کے چہرے کو تروتازہ رکھے۔ اس لئے اللہ اس کو پریشانیوں سے غموں سے خود بچائیں گے تاکہ اس کے چہرے پر کبھی شکن نہ آئے، کسی پریشانی کی وجہ سے کسی خوف کی وجہ سے اس کے چہرے پر اثرات نہ ہوں۔ اس لئے دین کے کام کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق کی تنگی سے بچائیں گے اور دنیا کی

ذلت ورسوائی سے بچائیں گے اور اس کے چہرے کو تروتازہ رکھیں گے۔اللہ رب العزت ہمیں زندگی کے اوقات کی قدر و قیمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

لمحہء فکریہ:

آج بھی جو انسان چاہے کہ مجھے یہ عزتیں نصیب ہوں تو راستہ وہی ہے کہ علم حاصل کرے اس کو عملی جامہ پہنائے اور عمل فقط اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کرے۔اپنی شخصیت کے اندر عمل کو پیدا کر لیجئے پھر دیکھئے اللہ رب العزت دنیا میں کیسی عزتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ہم گناہوں کی زندگی گزار کر عزتوں کے طلبگار بنتے پھرتے ہیں۔یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم نفس وخواہشات والی زندگی گزاریں اور پھر سوچیں کہ عزتوں بھری زندگی ملے گی۔اس لئے عزت والی زندگی اس انسان کو ملتی ہے جس کی زندگی کی بنیاد سچ پر ہوتی ہے۔یاد رکھئے! ایک گناہ کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنا پڑے گا اور ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولنا پڑیں گے۔بعض اوقات جھوٹ پر ہی زندگی کی بنیاد ہوتی۔اس لئے طالبات اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھیں کہ انہوں نے علم کی جو نسبت پائی ، کیا فقط لوگوں کو دکھانے کے لئے ہے۔اگر ساری دنیا ہمیں نیک کہتی رہی مگر اللہ رب العزت کے ہاں نیکوں میں شمار نہ ہوا تو یہ دنیا کی تعریفیں کس کام کی اور اگر ساری دنیا ہمیں برا کہتی رہی لیکن اللہ رب العزت کے ہاں ہم نیک لوگوں میں گنے گئے تو ہمیں دنیا کی یہ بدتعریفی کیا نقصان پہنچا سکے گی۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم و قار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

اگر اللہ رب العزت کے دفتر میں ہمارا نام کذاب لکھا گیا کہ یہ جھوٹا ہے ، بات بات میں جھوٹ بولنا ، بات بدل کے کرنا ، الفاظ بدل کے بولنا ، بات پچھتی انداز سی

اور میں پیش کرنا، ہرایک کے سامنے اسی طرح کی باتیں۔ جب جھوٹ ہماری زندگی کی بنیاد ہوگا تو بھلا انسان کوسکون کیسے مل سکتا ہے۔ یادرکھئے گناہ انسان کوکسی نہ کسی صورت پریشان ضرور رکھتا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہ ملے گا جو گناہوں والی زندگی گزارے اوراس کادل آپ کو مطمئن نظر آئے، اس کادل ہمیشہ پریشان ہوگا۔ حتیٰ کہ کامیابی سے گناہ کرنے والے جنہوں نے اپنے قریبی عزیزوں کی آنکھوں پہ پٹیاں باندھیں، ان کی آنکھوں میں دھول جھونک دی، کسی کو پتہ نہ چلنے دیا، اس طرح کامیابی سے گناہ کرتے رہنے والے کے دل کو جھانک کر دیکھیں ان کے دلوں میں بھی آپ بے سکونی پائیں گے۔ وہ مجرم ہوتے ہیں اللہ رب العزت کے بھی اور اپنے ضمیر کے بھی۔ ان کا ضمیر انہیں ہر دن میں ملامت کررہا ہوتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کرتے ہیں تو اپنے آپ کو مجرم کھڑا پاتے ہیں۔ جیسے ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہیں اور انہیں ضمیر پکار کر کہہ رہا ہے کہ تم اپنی اوقات کو تو پہچانو، دنیا تمہیں کیا سمجھتی ہے اور تم اپنے من میں جھانک کر دیکھو تمہاری اوقات کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ تم اللہ کو کیا چہرہ دکھاؤ گے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ صبح بستر سے اٹھتے ہیں منہ دھوئے بغیر لوگوں کے سامنے نہیں جاتے کہ میلا منہ لے کر کیسے جائیں گے۔ ارے! جس چہرے کو دنیا نے دیکھا اس کو دھوئے بغیر تم سامنے نہیں جاتے، جس چہرے کو پروردگار نے دیکھنا ہے جب اس پر گناہوں کی میل لگ گئی تو پھر پروردگار کو وہ چہرہ کیسے دکھائیں گے۔

گناہوں کی معافی کس طرح مانگیں:

ہم اب تک زندگی میں جو گناہ کر چکے ہمیں چاہئے کہ آج کی اس محفل میں اللہ رب العزت سے پکی معافی مانگیں، دل میں ارادہ کریں، رب کریم! جو ہو چکا وہ تو گزر چکا، ہم اس پر نادم ہیں، شرمندہ ہیں، رب کریم! جو وقت زندگی کا آئندہ باقی

ہے اس میں نیکوکاری کی زندگی نصیب فرما دے۔ اے اللہ! آپ نے ہمیں دنیا میں علم کی نسبت دے دی، اللہ! اس نسبت کو نبھانے کی توفیق عطا فرما۔ ایسا نہ ہو کہ ہم علم کی بدنامی کا سبب بنیں، علم کے نام پر بٹہ لگنے کا ذریعہ بن جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی کوتاہی کر بیٹھیں، کوئی ایسا گناہ کر بیٹھیں، کوئی ایسی غلطی کر بیٹھیں کہ لوگ یوں کہیں کہ دیکھو علم پڑھنے والوں کی زندگی ایسی ہوتی ہے۔ ارے! علم والے تو بڑی شان والے گزرے۔ ان کی زندگیاں تو بالکل پاکیزہ زندگیاں تھیں جن پر پھولوں کی پاکیزگی بھی قربان کر دی جائے، ان کے دامن اتنے صاف ہوتے تھے۔ آج ہمیں اللہ تعالیٰ نے اگر آج کے دور میں علم کی یہ نسبت عطا کی تو ہمیں بھی اپنے دامن کو گناہوں سے بچا کر زندگی گزارنی ہے، پاکدامنی کی زندگی، پرہیزگاری کی زندگی، نیکوکاری کی زندگی، جب اس طرح احتیاط کی زندگی گزاریں گے تو اللہ رب العزت کی رحمتیں برسیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی فرمائیں گے۔

آپ اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگیں۔ اصرار کے ساتھ، تکرار کے ساتھ، بار بار التجا کر کے معافی مانگیں۔ ایک چھوٹا بچہ ماں سے کچھ مانگتا ہے، ماں انکار کر دیتی ہے، بچہ باز نہیں آتا وہ پھر مانگتا ہے، ماں جھڑک بھی دیتی ہے، وہ پھر پیچھے نہیں ہٹتا، بچہ چھوٹا سہی مگر اس راز کو جانتا ہے کہ بار بار مانگنے سے میرا کام بنے گا اور بالآخر امی مجھے چیز دے دی گی۔ کبھی تو ماں اس کو تھپڑ بھی لگا دیتی ہے وہ رو بھی پڑتا ہے مگر ماں کی طرف لپکتا ہے۔ جب ایک چھوٹا بچہ ماں کے سامنے اتنی استقامت کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی طرف بڑھتا ہے کہ ماں کو بھی پیار آتا ہے بچے کو اٹھا کے وہ سینے سے لگا لیا کرتی ہے۔ ہم بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے در کو پکڑ لیں۔ معافی مانگیں اور بار بار مانگیں، اپنی ندامت کا اظہار کریں، اپنے دل کے اندر اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہوئے گنہگار سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگیں۔ رب

کریم! ہم پر مہربانی فرما کہ ہمیں تو نے علم کی نسبت عطا فرمائی، اللہ! اس نسبت کی لاج رکھ لینا۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس آسرا یہی ہے

اللہ رب العزت نے جس طرح ظاہر میں علم کے ساتھ یہ نسبت دی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی طلباء علماء کے قدموں میں جگہ عطا فرمادے۔ یہی ہمارے لئے مغفرت کا سبب بن جائے گی۔

اپنی ''میں'' کو مٹا لیجئے:

کبھی کبھی انسان کی ''میں،، اس کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہے، اس ''میں'' کو مٹا دیجئے۔ نفس کو اللہ کے لئے پامال کر دیجئے اور مٹ کر اللہ کے دین کا کام کیجئے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ جو اللہ کے لئے تواضع کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عزتیں عطا فرماتے ہیں۔

رب کریم کا دروازہ:

ہم سچے دل سے معافی مانگیں، بار بار پروردگار کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ جو انسان بار بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے بالآخر اس کے لئے وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ مگر دل کے اندر پکا یقین ہو کہ ہمیں اگر جنتیں ملنی ہیں تو اسی دروازے سے، مغفرت ملنی ہے تو اسی دروازے سے، ہمیں بخشش ملنی ہے تو اسی دروازے سے، ہمیں عزتیں ملنی ہیں تو اسی دروازے سے۔ اللہ رب العزت کے محبوب نے ہمیں یہ در دکھایا اور ساتھ یہ بھی

بتا دیا کہ اس در کے سوا کوئی در نہیں ہے۔

اللہ کو راضی کر لیں:

اللہ رب العزت کو اس وقت تک منانا ہے جب تک کہ وہ راضی نہ ہو جائے۔ اس دروازے کو پکڑے رہیے، دن رات دعائیں کیجئے، تہجد پڑھ کر، نفل پڑھ کر اپنی تنہائیوں میں بیٹھ کر اللہ کے سامنے سر جھکا کر، سجدے میں سر ڈال کر معافیاں مانگئے، اس رب کو منانے کی کوشش کر لیجئے۔ اے اللہ! تو راضی سارا جگ راضی۔ اگر پروردگار راضی ہو گئے تو انسان کو دنیا میں بھی عزتیں ملیں گی۔ اس کے دروازے کے اوپر استقامت کے ساتھ جمے رہئے حتی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے خیر کے فیصلے فرما دے۔

ایک اعرابی کی عجیب دعا:

مجھے ایک اعرابی کی بات یاد آئی۔ دیہات کے رہنے والے تھے۔ صحابی تھے، آ گئے مسجد نبوی ﷺ میں، دعا مانگتے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ فَاِنَّکَ لَا تَغْفِرْ فَاغْفِرْ** اے اللہ! مجھے معاف کر دے، اے اللہ! مجھے معاف کر دے اور اگر تو نے میری مغفرت نہیں بھی کرنی تو پھر بھی مغفرت فرما دے۔ بار بار یہی دعا کر رہے تھے۔ سوچئے کہ جب اتنی عاجزی کے ساتھ اتنی انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گا کہ، اے اللہ، میری بخشش فرما دے اگر بخشش نہیں بھی کرنی تو پروردگار! پھر بھی بخشش فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں کیوں نہیں آئے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہیں۔ قرآن ہمیں پکار رہا ہے۔ **قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ** میرے بندوں کو کہہ دو جو گناہوں میں ڈوبے پھرتے ہیں کہ تم میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ **اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ**

الذُّنُوبَ جَمِیعًا ۔سبحان اللہ،

اللہ رب العزت اپنی رحمتیں فرمائے ، ہماری زندگی کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور جو وقت باقی ہے اللہ تعالیٰ اس کو علم عمل اور اخلاص کے ساتھ گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

و اخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

نصائح دلپذیر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ و قال الله تعالىٰ فی مقام اخر اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَ زِيْنَةٌ وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

انسانی زندگی میں تین دنوں کی اہمیت:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ انسانوں کے حساب کا دن قریب آ گیا وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ اپنی غفلت میں روگردانی کرتے پھر رہے ہیں۔ انسانی زندگی کے تین دن بڑے اہم ہوتے ہیں۔ ایک وہ دن جب انسان اس دنیا میں آتا ہے، اس دن اس کے بارے میں چند باتیں طے کر دی جاتی ہیں۔ اسے دنیا میں کتنا رہنا ہے، کتنا رزق پانا، وہ شقی ہوگا یا سعید۔ اللہ رب العزت اپنے ازلی علم کی وجہ سے اس کو پہلے ہی لکھوا دیتے ہیں۔ اللہ کرے کہ وہ دن زندگی کا اچھا دن ہو کہ ہر آنے والا بچہ اچھے نصیب لے کر دنیا میں آئے۔ دوسرا دن وہ ہے جب انسان اس دنیا سے قبر میں جائے گا، روئے زمین سے زیر زمین چلا جائے گا۔ وہ دن انسان کی زندگی کا بڑا اہم

دن ہے۔ تیسرا وہ دن ہے جب انسان اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوگا یعنی قیامت کا دن۔ اللہ تعالیٰ اس دن کو ہماری زندگی کے دنوں میں سے بہترین دن بنا دے۔اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے یہ دعا مانگی۔

وَالسَّلامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا

سب سے بڑا دھوکا:

زندگی ایک مہلت ہے جو ہمیں آخرت کی تیاری کے لئے دی گئی ہے۔ ہم آخرت کی تیاری کرنے کی بجائے دنیا کے غم اور خوشی میں الجھ جاتے ہیں اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ ہمیں ایسا وقت ملے جب ہمارے اوپر کوئی غم اور کوئی پریشانی نہ ہو۔ ہر کام مرضی کے مطابق چل رہا ہو پھر ہم سکون اور تسلی کے ساتھ عبادت کریں گے۔اسی کو قرآن مجید کی زبان میں دھوکا کہا گیا ہے۔اور یہ دھوکا فقط جاہل کو ہی نہیں عالم کو بھی لگتا ہے۔سوچتے رہتے ہیں کہ نیک بنیں گے اور اچھے کام کریں گے، اچھے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وقت ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہوتا ہے۔ہم موت کو بھول جاتے ہیں لیکن موت ہمیں نہیں بھولتی۔ ہماری زندگی کا ہر آنے والا دن ہمیں اپنی موت کے قریب سے قریب تر کر رہا ہوتا ہے۔ جو کر گزرنے والے ہوتے ہیں وہ زندگی کے اسی وقت میں کر لیا کرتے ہیں۔

الجھے سلجھے اسی کا کل میں گرفتار رہو

غم ہو یا خوشی ہر حال میں آخرت کی تیاری کرتے رہیں۔خوشی کے لمحات ہوں تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں اور غم کے لمحات ہوں تو صبر کریں۔شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔

مواسم عمر:

انسان کی زندگی کی مختلف منازل ہوتی ہیں مختلف موسم ہوتے ہیں جنہیں مواسم العمر کہتے ہیں۔ جب انسان بچہ ہوتا ہے تو اسے کھیلنے کا شوق ہوتا ہے، اس کا سارا کا سارا وقت کھیل کود میں گزرتا ہے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی کیفیات مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ نجم الدین نسفیؒ نے لکھا ہے کہ ہر آٹھ سال کے بعد بندے کی کیفیت بدلتی رہتی ہے۔ پہلے آٹھ سال لَعِب پھر لَهْو پھر زِينَتْ، اس کے بعد وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ اور پھر وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ یہ پانچ مواسم عمر ہوئے۔ آٹھ آٹھ سال اگر یہ ہوں تو چالیس سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور واقعی چالیس سال کے بعد پھر انسان کو ہوش آتی ہے۔ کہ میں دنیا میں آیا کس لئے تھا۔

کامیاب انسان:

جو لوگ ذکر و سلوک کی زندگی گزارتے ہیں ان کو ہر جگہ یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں نبی علیہ السلام کی فرمان لازم پکڑو۔ جس نے اپنی زندگی ان دو چیزوں کے تحت گزاری وہ انسان کامیاب انسان ہوگا۔

جنت دو قدم:

جس آدمی کا پہلا قدم اس کے نفس پہ جائے گا اس بندے کا دوسرا قدم جنت میں پہنچے گا۔ اللہ رب العزت نے مخلوق کو ثواب کے لئے پیدا کیا ہے عذاب کے لئے نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے نیک اعمال کریں اور مجھ سے میری نعمتوں کو پائیں۔ لیکن ہمارا طرز زندگی بدل جاتا ہے بعض اسی دنیا میں سب کچھ مانگتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ آخرت میں مانگتے ہیں۔ منکم من یرید الدنیا و منکم

من یرید الآخرۃ

برے لوگوں کی نشانی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وہ شخص نہ بتاؤں جو سب سے زیادہ برا ہو۔ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتایئے۔ ارشاد فرمایا، کہ جو اکیلا کھائے اور اپنے غلام کو مارے۔ اکیلا کھانے سے مراد یہ کہ مل جل کے رہنے کی عادت نہ ہو اور اپنے ماتحتوں پر سختی کرنے والا ہو۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں ایک شخص بتاؤں جو اس سے بھی برا ہو۔ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ بھی بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا، کہ جو آدمی لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں ایسا آدمی اس سے بھی برا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں ایک شخص بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ برا ہو۔ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ فرمایا کہ، ایسا بندہ کہ نہ اس سے نیکی کی امید ہو اور نہ اس کے شر سے بندے کو امن ہو۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں ایک اور ایسا بندہ بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ برا ہو۔ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! کون ہے؟ فرمایا کہ جو کسی کی لغزش سے درگزر نہ کرے اور کسی بھی بندے کی معذرت کو قبول نہ کرے۔ یہ معاملہ تو پروردگار نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اگر انسانوں کے بس میں بات ہوتی تو یہ تو جیتے جاگتے بندے کو جہنم میں پھینک دیتے۔

محبت ہو تو ایسی:

مخلوق میں سے ماں وہ ہستی ہے جو اپنے بدکار اور گنہگار بچے سے بھی محبت کرتی ہے۔ اولاد نیک بنے پھر بھی محبت ہے اور اولاد نیک نہ بنے تو اس کو پھر بھی محبت ہے۔ وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہے اور اپنے نیک اور بد ہر طرح کے بچے سے وہ محبت

کرتی ہے۔ اور ایک اللہ رب العزت کی ذات ہے کہ جس بندے نے بھی کلمہ پڑھ لیا اللہ رب العزت اس بندے سے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ رحمان بھی ہے رحیم بھی ، حنان بھی ہے منان بھی ، جواد بھی ہے اور کریم بھی ۔ انسان نیکی میں بڑھنے والا ہو یا بہت زیادہ گنہگار ہو پھر بھی اس سے نفرت نہیں فرماتے ، پھر بھی اس کو اپنے در سے مایوس نہیں کرتے۔ اس لئے برائی سے نفرت ہونی چاہئے بروں سے نفرت نہیں ہونی چاہئے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

سب سے برا شخص:

ایک حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی آئیں گے جو رنگ برنگ کے کھانے کھائیں گے، طرح طرح کی چیزیں پئیں گے، قسم قسم کے کپڑے پہنیں گے اور خوب باتیں بنائیں گے۔ وہ میری امت کے سب سے برے لوگ ہوں گے۔

آج جس انسان کو خوشی کا وقت مل گیا وہ دوسرے آدمیوں کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہے۔ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ آزمائش میرے اوپر بھی آسکتی ہے، دن بدلتے دیر نہیں لگا کرتی۔

اتنی سخت وعیدیں......!!!

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کی مصیبت پر خوش ہوا اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک وہ خود اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہو جاتا۔ ایک دوسری حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر کسی انسان نے کوئی گناہ کیا لیکن اللہ

رب العزت کے حضور سچی توبہ کرلی اب توبہ کرنے کے بعد بھی اگر کوئی آدمی اس کو اس گناہ کا طعنہ دیتا ہے تو اللہ رب العزت اس کو اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک خود اس گناہ میں ملوث نہیں فرما دیتے۔ کسی کو پریشانی اور مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوئے تو ذرا دھیان سے، اور کسی بندے کی غلطی اور عیب کا پتہ چلے تو اس کو طعنہ نہ دے، ممکن ہے وہ اپنے دل میں سچی توبہ کر چکا ہو۔

تہجد کی نماز سے محرومی کی وجہ:

سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک گناہ کیا، جس کی وجہ سے پانچ ماہ کے لئے مجھے تہجد کی نماز سے محروم کر دیا گیا۔ کسی نے پوچھا، حضرت! کونسا گناہ کیا تھا؟ فرمایا، کہ ایک آدمی بیٹھا دعا مانگتے ہوئے رو رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں سمجھا کہ یہ ریاکار ہے۔ میرے اس بدگمانی کے گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پانچ مہینے کے لئے تہجد کی نماز سے محروم کر دیا۔ جن کا کام ہی صبح وشام بدگمانی ہو، جن کا کام ہی صبح وشام بدزبانی ہو تو ایسی حالت میں پھر اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

اپنی فکر کیجئے:

محترم جماعت! اس رات کو یاد کیجئے جس کی صبح کو قیامت کا دن ہوگا۔ جب ہمیں اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ کُلُّ امْرِءٍ بِمَا کَسَبَ رَهِيْن ہر بندہ اپنے اعمال کے بدلے میں رہن میں رکھا ہوا ہے۔ اپنے اپنے عملوں کا ہر بندے کو حساب دینا ہوگا۔ ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے ”آپنی پوی تے پرائی بھل ونجی“ اور آج ہمیں اپنی فکر نہیں ہوتی دوسروں کے پیچھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں، آنکھیں کھلی رہتی ہیں، گردن تنی رہتی ہے، نگاہیں دوسروں کے چہروں پر پڑتی ہیں، اور اپنے من میں جھانک کر نہیں دیکھتے کہ ہمارے اپنے اندر کیا کچھ موجود ہے۔

ذکر الٰہی کی اہمیت:

ذکر کی کثرت سے انسان کے فکر کی گندگی دور ہوتی ہے۔ یہ بات دل میں بٹھا لیجئے کہ فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوتی ہے۔ جو لوگ شیطانی وساوس، ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہوں وہ اس بات کو پلے باندھ لیں کہ ہماری ان تمام پریشانیوں کا حل اللہ تعالیٰ کی یاد میں موجود ہے۔ **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔

ایک علمی نکتہ:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب کوئی پرندہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شکاری اس کو اپنا نشانہ بنالیتا ہے، اس کو شکار کر لیتا ہے۔ اب یہاں طلباء کے لئے ایک نکتہ ہے اگر پرندہ غافل ہوا، اس کو اللہ رب العزت نے شکاری کے ہاتھ میں پہنچا دیا تو اگر کوئی بندہ اللہ سے غافل ہوگا اللہ رب العزت اس کو جہنم کے فرشتوں کے ہاتھ پہنچا دیں گے۔ تو مقصد یہی ہے کہ ہم یہاں چند دن گزار کر اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو بسائیں۔ روزمرہ کی بات چیت میں ہم ایسے الفاظ استعمال کیا کریں کہ جن سے ہمارے دل میں اللہ رب العزت کی یاد رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معارف

بسم اللہ کو تسمیہ کہتے ہیں۔ یہ ہر چھوٹے بڑے کو یاد ہے لیکن ہمیں اپنے ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت نہیں ہوتی۔

انسانی ستر کا پردہ:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے کپڑے بدلنا چاہے، پہلے اتار کر دوسرے پہننا چاہے تو اگر وہ بسم اللہ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اوپر اور اس کے درمیان ایک آڑ بنا دیتے ہیں۔ جنات ہوں یا فرشتے ہوں وہ اس انسان کے بدن کو بے لباس نہیں دیکھ سکتے۔ اب یہاں ایک نکتہ ملا کہ اگر بسم اللہ کا پڑھنا جنات اور فرشتوں کے درمیان آڑ بن جاتا ہے تو اگر ہم زندگی کے ہر کام میں بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالیں گے تو یہ جہنم کے فرشتوں اور ہمارے درمیان آڑ بن جائے گا۔

جہنم سے بچنے کا مطلب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۱۹ حروف ہیں، اور جہنم کے فرشتے بھی ۱۹ ہیں۔ ان کو داروغہ کہا جاتا ہے۔ ۱۹ حروف بسم اللہ کے اور ۱۹ فرشتے جہنم کے نگران، ہر ہر حرف ہر ہر فرشتے سے بچنے کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے بسم اللہ کو اکثر پڑھنے کی عادت ڈالئے۔

گناہوں کا کفارہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ چار الفاظ ہیں اور چار ہی طرح کے گناہ ہوتے ہیں۔ یا تو انسان ظاہر میں کرتا ہے، یا چھپ کر کرتا ہے، یا دن میں کرتا ہے اور یا رات میں کرتا ہے۔ ہر ہر لفظ مختلف گناہوں کے لئے کفارہ بنے گا۔

تین قسموں کے گناہوں سے نجات:

بسم اللہ کے اندر اللہ رب العزت نے اپنے تین نام استعمال فرمائے۔ ایک نام اللہ، دوسرا رحمان اور تیسرا رحیم۔ اور تین ہی گناہوں کے درجات یا اقسام ہیں۔

پہلی قسم کفر و شرک سے بچنا اور ایمان قبول کرنا، دوسری قسم کبائر کو چھوڑ کر اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کی زندگی اختیار کرنا اور تیسری قسم کہ وساوس سے نجات پا کر یکسوئی کے ساتھ اللہ رب العزت کی عبادت کرنا۔ لہذا جو بندہ اپنے ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرے گا اللہ تعالیٰ تینوں گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کی دلیل:

جب کوئی آدمی کسی کو خط لکھے تو خط کی ابتداء سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس آدمی کی طبیعت کیسی تھی، کیا یہ راضی تھا یا ناراض تھا۔ تو خط کے ابتدائی الفاظ اس بندے کی رضا یا اس کی ناراضگی کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی ابتداء میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہے اب یہ بسم اللہ کی آیت ہی ہمیں بتا رہی ہے کہ اللہ رب العزت ہم سے راضی ہیں۔ وہ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ۔ وہ اس میں اپنے قہار اور جبار ہونے کا لفظ بھی استعمال کر سکتے تھے مگر پروردگار عالم نے اپنے ان صفاتی ناموں کو شامل نہیں کیا۔ اگر کیا تو کن ناموں کو کیا؟ وہ دو نام جو رحمت کی دلیل ہیں یعنی الرحمان اور الرحیم۔ تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی ابتداء ہمیں بتا رہی ہے کہ اللہ رب العزت کا ارادہ ہمارے بارے میں خیر کا ہے۔ وہ بندے کو عذاب نہیں دینا چاہتے وہ بندے کو ثواب دینا چاہتے ہیں۔ عذاب تو ہم اپنے ہاتھوں سے خریدتے ہیں، اس کو دعوت دیتے ہیں اپنی طرف۔ اس لئے اپنے ہر کام کی ابتداء میں بسم اللہ کہنے کی عادت ڈالئے اللہ تعالیٰ ہر کام کے اندر برکت عطا فرمائیں گے۔

نعمتوں کی قدردانی:

الحمدللہ مختصر سے الفاظ ہیں۔ اپنی گفتگو میں اس کو کہنے کی عادت ڈالئے۔

اللہ رب العزت کی نعمتوں پر جس نے الحمد للہ کہہ دیا اس نے گویا نعمت کا شکر ادا کر دیا۔
ایک اصولی بات یاد رکھئے کہ نعمتوں کی قدر دانی کے لئے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کیا کریں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا، میاں بیوی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں تو آپس میں جھگڑے، خاوند فوت ہوا اب وہی عورت بیٹھی رو رہی ہے اور اپنے خاوند کی صفتیں بیان کر رہی ہے۔ جو خاوند ہر وقت بیوی سے نالاں رہتا تھا اس کی بیوی فوت ہوئی اب اس کو بیوی کی خوبیاں سمجھ میں آ رہی ہیں۔ بھائی کے ساتھ زندگی میں تو دشمنی کا معاملہ تھا، اب بھائی فوت ہوا تو اس کے احسان یاد آ رہے ہیں۔ تو یاد رکھئے نعمتوں کی قدر دانی کے لئے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کیا کریں۔ اس سے پہلے پہلے ان کی قدر کر لیا کریں۔

الحمد للہ کہنے پر انعامات:

جو انسان اپنی زندگی میں الحمد للہ کثرت سے کہتا ہے علما نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دو انعام عطا فرماتے ہیں۔ پہلا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے سختی میں سے آسانی نکال دیا کرتے ہیں، محتاج ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تونگری عطا فرماتے ہیں، دنیا سے نجات فرما دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے اکثر کاموں کو شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھے اور پھر آخر پر الحمد للہ کہنے کی عادت ڈالیے۔ الحمد للہ کے اندر آٹھ حروف ہیں اور علما نے لکھا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ گویا ہر حرف جنت کے ہر دروازے کے لئے کنجی کی مانند ہوگا۔ تو جس بندے کو الحمد للہ کثرت سے کہنے کی عادت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازوں کو کھول دیں گے۔

کلمہ طیبہ میں چھ نکات:

لا الہ الا اللہ وہ کلمہ ہے جس کو پڑھ کر انسان کفر و شرک سے توبہ تائب ہوتا ہے

اور اللہ رب العزت کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہوتا ہے۔ اکثر اپنی زبان پر اس کا ذکر رکھیں۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں **لا الـه الا الـلـه** تو ایک مستقل سبق ہے جس کو تہلیل لسانی کہتے ہیں۔ اس میں **لا الـه الا الـلـه** کی کثرت کی جاتی ہے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے **لا اله الا الله** کا سبق دیا جاتا ہے۔ یہ الفاظ عجیب حکمتوں بھرے اور برکات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

پہلا نکتہ:

لا الـه الا الـلـه کے حروف کو اگر آپ گنیں تو یہ ۱۲ حروف بنتے ہیں۔ اور **محمد رسول الله** کے حروف کو گنیں تو وہ بھی ۱۲ حروف بنیں گے۔ تو **لا اله الا الله** کا جو ذکر کثرت سے کرے گا اس کے ۱۲ حروف بندے کے لیے ۱۲ مہینوں کے گناہوں کی بخشش کی ذریعہ بنیں گے۔

دوسرا نکتہ:

دن رات کے اندر ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں اور **لا الـه الا الـلـه محمدٌ رسولُ الـلـه** کے بھی ۲۴ حروف ہیں۔ تو اللہ رب العزت ہر ہر گھنٹے کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

تیسرا نکتہ:

اس کلمہ کے اندر ۷ الفاظ ہیں۔ **لا الـه الا الـلـه محمدٌ رسولُ الله** یہ سات الفاظ بنتے ہیں اور انسان سات اعضاء سے ہی گناہ کرتا ہے۔ آنکھ سے، کان سے، زبان سے، ہاتھ سے، پاؤں سے، شرم گاہ سے اور پیٹ میں کھا کے۔ جو انسان ان سات الفاظ کا ذکر کثرت سے کریں گے تو ساتوں اعضاء کے گناہوں کو اللہ رب

العزت معاف فرما دیں گے۔ اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں لھا سبعة ابواب تو معلوم ہوا کہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ایک ایک لفظ جہنم کے ہر ہر دروازے سے بچاؤ کا سبب بن جائے گا۔

چوتھا نکتہ:

اس کلمہ کے اندر عجیب حکمتیں ہیں کہ آپ کو کوئی بھی لفظ نقطے والا نہیں ملے گا۔ یہ دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں ہمیں واحدانیت کا پیغام دے رہے ہیں کہ میرے دربار میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں۔

پانچواں نکتہ:

حروف ہی ایسے استعمال کیے کہ جو نقطوں سے پاک تھے۔ تو اس لئے کلمہ ہمیں توحید کی دعوت دیتا ہے۔

چھٹا نکتہ:

ایک نکتہ جو طلبا کے لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام وہ حروف استعمال کیے جو جوف دھن سے نکلتے ہیں۔ حروف مختلف طرح کے ہوتے ہیں، کچھ حروف حلقی کہلاتے ہیں وہ حلق سے نکلتے ہیں، کچھ شفوی کہلاتے ہیں کہ ہونٹوں سے نکلتے ہیں، کچھ جوف دھن سے نکلتے ہیں یعنی منہ کا جو درمیان کا حصہ ہے اس میں سے نکلتے ہیں۔ پروردگار عالم نے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا جو پہلا حصہ تھا **لا الہ الا اللہ** اس میں تمام حروف وہی رکھے جو حروف جوف دھن سے نکلتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ جس طرح یہ حروف تمہارے منہ کے اندر سے نکل رہے ہیں اسی طرح یہ کلمہ بھی تمہارے دل کے اندر سے نکلے گا تب اللہ رب العزت کے یہاں قبول ہوگا۔ تو ہم ان

اذکار کو کثرت کے ساتھ کریں۔ جو مسنون دعائیں نبی اکرم ﷺ سے صبح اور شام منقول ہیں اور شجرہ کے اندر دی گئیں ان کو اپنا معمول بنالیں۔

مسنون دعاؤں کے دو بڑے فائدے:

دو باتیں ذہن میں رکھئے جو آدمی مسنون دعاؤں کو اپنے اپنے وقت پر پڑھنے کی عادت بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے وقوف قلبی کا رکھنا آسان فرمادیں گے۔ بعض حضرات کو نسبت کا نور اسی طرح سے ملا کہ وہ مسنون دعاؤں کو اپنے وقت پر پابندی سے پڑھا کرتے تھے۔ ان کا اور کوئی مجاہدہ نہیں تھا صرف مسنون دعاؤں کے اہتمام سے اللہ تعالیٰ نے دل میں اتنا نور عطا فرمایا کہ وہ لوگ صاحب نسبت بن گئے۔ دوسری بات کہ جو آدمی مسنون دعاؤں کو پڑھنے کی عادت بنائے گا اس آدمی کو پھر کسی دم، تعویذ اور اس قسم کے عمل کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ پروردگار خود اس کا محافظ بن جائے گا اور ہر طرح کی پریشانیوں سے اس کو محفوظ فرمائے گا۔ اس لئے دعا مانگنی چاہئے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْمُعَافَاتِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اے اللہ! میں دنیا اور آخرت میں تجھ سے عافیت کا طلبگار ہوں۔

عافیت کا مطلب:

عافیت کہتے ہیں کہ انسان کو پرسکون زندگی ملے۔ ہمارے مشائخ نے عافیت کی تین نشانیاں بتائی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بندے کی زندگی ایسی ہو کہ اس کو حاکم کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ دوسری بات اس کو طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اور تیسری بات کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے کسی بھائی کا محتاج نہ ہو۔ تو جو آدمی حاکم، طبیب اور بھائی کی مدد سے بے نیاز ہو گیا گویا اللہ رب العزت نے اس کو عافیت کی زندگی عطا فرمادی۔ بعض نے کہا کہ جس آدمی کو اللہ

نے گھر عطا کر دیا، روزی عطا کر دی اور اللہ تعالیٰ نے گھر میں اس کو نیک موافقت رکھنے والی بیوی عطا کر دی اس آدمی کو زندگی کی عافیت نصیب ہو گئی۔

روزہ اور باطنی ترقی:

وقتاً فوقتاً روزے کا رکھنا انسان کے لئے باطنی ترقی کا سبب بنتا ہے۔ جن سالکین کا سبق لطیفہ روح کا ہو وہ جتنا اپنے پیٹ کو خالی رکھتے ہیں اتنا ان کی باطنی ترقی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ کھانا پینا کثافت سے تعلق رکھتا ہے اور لطیفہ روح کا تعلق لطافت کے ساتھ ہے۔ بھوکا رہنے سے انسان کے اندر لطافت پیدا ہوتی ہے اور آج کل اکثر احوال و کیفیات جو وارد نہیں ہوتے اس کی چند وجوہات ہیں۔ ایک تو معمولات نہیں کرتے اور دوسرا ہمیشہ پیٹ بھری حالت میں رہتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو دن میں دو مرتبہ کھائے اس کو تو بھوک کا پتہ ہی نہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔ اور ہم تو ماشاء اللہ دن میں تین مرتبہ کھانے والے ہیں۔ تو پیٹ کو بھوکا رکھنا یہ بھی ذکر کی نورانیت ملنے کا سبب ہوتا ہے۔ بلکہ نوجوان تو روزہ رکھیں تب ان کے خیالات میں یکسوئی رہے گی۔

انبیائے کرام علیہم السلام اور نفلی روزے:

حضرت ابن عباس ؓ کی روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سارا مہینہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان ہر مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے، درمیان میں تین دن روزہ رکھتے اور آخر میں تین دن روزہ رکھتے۔ بی بی مریم اللہ رب العزت کی نیک بندی تھیں۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ دو دن روزہ رکھتی تھیں اور تیسرے دن افطار کیا کرتی تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی عادت تھی کہ وہ ایک دن روزہ رکھا کرتے تھے اور ایک دن افطار کیا کرتے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنت

مبارکہ تھی کہ آپ ہر مہینے میں ایام بیض (13,14,15) تاریخ کے روزے رکھا کرتے تھے۔ یہ روشن دن کہلاتے ہیں کہ چاند کی بھی پوری روشنی کے دن ہوتے ہیں اور ان دنوں میں روزہ رکھنے والے کے دل کو بھی اللہ تعالیٰ روشن فرما دیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ایام بیض کے روزے:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو اپنی بھول کے غم کی وجہ سے ان کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔ اب اللہ رب العزت نے ان کو مہینے کے تین دن روزہ رکھنے کے بارے میں فرمایا تو ان تین دنوں کے روزے رکھنے کی وجہ سے ان کے چہرے کی سیاہی ان کے چہرے کے نور میں تبدیل ہو گئی۔ لہذا جو انسان ایام بیض کے روزے رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو تر و تازہ رکھیں گے۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

ہمیں ہر کام شریعت و سنت کے مطابق کرنا چاہئے خواہ وہ کام چھوٹا ہو یا بڑا۔ صحابہ کرامؓ اتنے محتاط تھے کہ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ فجر کی نماز پڑھتے اور پڑھنے کے بعد جلدی اپنے گھر چلے جاتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فجر کی محفل میں نہیں بیٹھتے تھے۔ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ پتہ نہیں کس حال میں ہے کہ جلدی چلا جاتا ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم جلدی کیوں چلے جاتے ہو؟ تو وہ کہنے لگے اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ہمسائے کے گھر میں ایک درخت ہے جس پر پھل لگے ہوئے ہیں۔ مگر اس کی کچھ شاخیں میرے گھر پر آتی ہیں اور جب رات ہوتی ہے تو شاخوں سے پھل میرے گھر میں گر جاتے ہیں۔ میں فجر کی نماز پڑھ کے جلدی جاتا ہوں تاکہ ان پھلوں کو اٹھا کر اس آدمی کے گھر میں واپس ڈال دوں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے بچے جاگ جائیں اور بلا

اجازت دوسرے کے پھل کھانے کے گناہ میں ملوث ہو جائیں۔ اتنی چھوٹی سی بات میں شریعت کا خیال رکھتے تھے۔

خیر خواہی کی اہمیت:

ہر کام میں ہم دوسری کی خیر خواہی کریں۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ دین سراسر خیر خواہی ہے۔ یاد رکھنا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بدخواہ بن گیا تو پھر دین نہ بچا۔ دین کی دھجیاں اڑ گئیں۔ یاد رکھیں کہ مومن ہمیشہ خیر خواہ ہوتا ہے۔

خیر خواہی کی ایک عمدہ مثال:

ایک مرتبہ دو حضرات نے آپس میں کوئی شراکت سے کام کیا۔ ایک بوڑھے تھے اور دوسرے نوجوان تھے۔ جب وہ اپنی چیزوں کو تقسیم کرتے تو ان میں سے دونوں دیکھتے کہ ہر بندے کا حصہ جتنا ملا ہوتا وہ تھوڑے دنوں بعد اس سے زیادہ ہوتا۔ وہ بڑے حیران ہوتے کہ حصہ تو مجھے تھوڑا ملا یہ زیادہ کیسے ہو گیا؟ وقت گزرنے کے ساتھ پتہ چلا کہ جو نوجوان تھے وہ حصہ ملنے کے بعد اپنے حصے میں سے اپنے دوسرے بھائی کے حصے میں کچھ شامل کر دیتے کہ اس کے اہل وعیال زیادہ ہیں، عمر زیادہ ہے، اس کو زیادہ مال پیسے کی ضرورت ہے۔ جب کہ بوڑھا آدمی اپنے مال میں سے کچھ لے کر اس نوجوان کے مال میں شامل کر دیتے اور ان کی نیت یہ ہوتی کہ اس کی عمر تھوڑی ہے، اس نے زیادہ عرصہ دنیا میں زندگی گزارنی ہے، میں تو بوڑھا ہو مر کھپ جاؤں گا لہذا میرا بھائی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ جوان بوڑھے کے مال میں پیسے شامل کر دیتا اور بوڑھا جوان کے مال میں پیسے شامل کر دیتا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے اکرام کا یہ معاملہ تھا۔ کیسی خیر خواہی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں بھری ہوئی تھی۔

اصحاب کہف کا کتا جنت میں:

آج کے دور میں جس انسان کو نیک صحبت نصیب ہوگئی وہ انسان خوش نصیب ہے۔ اس سے انسان فتنوں سے بچا رہتا ہے، نفس و شیطان کے مکر و فریب سے بچا رہتا ہے۔ اچھی صحبت کا انسان پر اثر ہوتا ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں اصحاب کہف کے کتے کا بھی تذکرہ ہے اور احادیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اس سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ کتا ہے لیکن اولیاء اللہ کے ساتھ رہا، اللہ تعالیٰ کو اولیاء کا ساتھ دینا اتنا پسند آیا کہ اس کے لئے بھی جنت کا وعدہ فرما دیا۔ ہم اگر اپنی زندگی میں نیکوں کا ساتھ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی خیر کا فیصلہ فرما دیں گے۔

محبت الٰہی میں ایک احتیاط:

جس انسان کے دل میں اللہ رب العزت کی شدید محبت ہے وہ انسان خوش نصیب ہے۔ خاص طور پر جو حضرات سلسلے میں داخل ہیں اور اللہ رب العزت کی محبت کے طلبگار ہیں وہ ہر وقت اس چیز کو اپنے ذہن میں دیکھتے ہیں کہ ایسا تو نہیں کہ دل میں کسی غیر کی محبت آ رہی ہے، اس کی طرف میلان بڑھ رہا ہے، یا توجہ ہو رہی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت سے محروم فرما دیں گے۔ اس کی کئی مثالیں قرآن و حدیث میں ملتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبت الٰہی میں مقام:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے ہاں بیٹا ہونے کی بڑی چاہت تھی جس کے لئے اکثر دعائیں مانگتے تھے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرما دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو انہوں نے ایک دفعہ محبت بھری نظر سے دیکھا۔ اب مقربین کا یوں

محبت بھری نظر سے کسی کو دیکھنا اللہ رب العزت کو اچھا نہیں لگتا کیونکہ محبت کا رشتہ ہوتا ہی بڑا نازک ہے۔ چنانچہ محبت کی نظر بیٹے پر ڈالنا اللہ تعالیٰ کو اچھا نہ لگا۔ لہٰذا حکم دیا کہ اے میرے ابراہیم خلیل اللہ! آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیجئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کرنے کی تیاری کر لی۔ جب دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہیں تو ثابت ہو گیا کہ بیٹے کی محبت غالب نہیں بلکہ محبت میری ہی غالب ہے۔ چنانچہ باپ ذبح کرنا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو محفوظ فرما لیا کیونکہ ذبح کروانا مقصود نہیں تھا، مقصد تو یہ تھا کہ ہم دیکھیں کہ بیٹے کی محبت زیادہ ہے یا ہماری محبت زیادہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا محبت الٰہی میں مقام:

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پروردگار عالم نے ان کے بیٹے کو کنویں میں ڈلوایا۔ باپ بیٹا جدا ہو گئے اور والد کی بینائی کو بھی سلب فرما لیا۔ بیٹا بھی جدا اور بینائی بھی گئی۔ ایک وقت وہ آیا کہ اپنے بیٹوں کو یوسف علیہ السلام کا پتہ کرنے کے لئے بھیجتے تھے لیکن بیٹے کی خبر نہیں دی گئی۔ ایک مرتبہ وہ تلاش کرنے گئے تو انہوں نے آ کر کہا کہ آپ کا بیٹا اب آپ کو نہیں مل سکتا۔ یہ سن کر انہوں نے کہا فصبر جمیل کہ میں تو اب صبر کر لیتا ہوں۔ جب یعقوب علیہ السلام نے صبر کرنے کے الفاظ ادا کر لئے تو اب پتہ چل گیا کہ بیٹے کی محبت دل سے نکل گئی ہے پھر اللہ رب العزت نے بینائی بھی عطا فرما دی، بیٹا بھی عطا فرما دیا اور ملاقات بھی کروا دی۔

ایک اصولی بات:

اصول یاد رکھیں کہ محبت کے اس راستے میں انسان کے لئے غیر کی طرف تھوڑا سا

میلان بھی بہت زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔عوام الناس کی ان چیزوں سے کوئی پکڑ نہیں ہوتی۔اس لئے کہ ان سے توقع ہی نہیں کی جاتی لیکن جو محبت کے میدان میں قدم بڑھانے والے ہوں اور پروردگار سے اس کی محبت کے طلبگار ہوں اب اگر ان کے دل غیر کی طرف متوجہ ہوں گے تو محبوب بڑا غیور ہے۔اس لئے حدیث پاک میں فرمایا کہ میں سب سے زیادہ غیور ہوں، مجھ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔تو جب انسان پسند کی اور چاہت کی نظر کسی غیر پر ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عبادت کی لذت سے محروم فرما دیتے ہیں۔تو اس راستے میں اس کا بڑا خیال رکھیں کہ دل کے کسی کونے میں آپ ماسوا کے لئے کوئی جگہ خالی مت چھوڑیئے۔اس دل کو اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز فرمالیجئے۔اصل میں ہمارے سامنے اللہ رب العزت کے حسن و جمال کے جلوے نہیں کھلے جس کی وجہ سے مخلوق کی طرف دھیان چلا جاتا ہے ورنہ جو لوگ اللہ رب العزت کی محبت کا مزہ پالیتے ہیں پھر ان کے سامنے دنیا کی یہ شکلیں اور صورتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔پھر وہ ان میں نہیں الجھتے ،ان کا معاملہ اس سے بلند تر ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیدار الٰہی:

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے محبت تھی۔چاہتے تھے کہ دیدار ملے اور کہہ بھی دیا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اے اللہ! میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔فرمایا لَنْ تَرَانِیْ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔اب فرمایا کہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اللہ رب العزت نے پہاڑ پر ستر ہزار پردوں میں سے تجلی ڈالی۔ستر ہزار پردوں میں سے اتنا نور تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر گئے۔اب بتایئے کہ جب کسی چیز پر اللہ رب العزت تجلی ڈالے بندہ اس چیز کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتا تو

اس دنیا میں اللہ رب العزت کا دیدار کیسے کرسکتا ہے؟ ہم اس کے حسن و جمال کے جلوے اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دیدار کا وعدہ فرمادیا ہے۔

ایک علمی نکتہ:

ایک نکتہ یاد رکھئے کہ جب اللہ رب العزت کے محبوب معراج سے واپس آرہے تھے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی، واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام انتظار میں تھے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کب واپس آئیں گے اور میں ان سے ملاقات کروں گا، بات کروں گا۔ یہاں علماء نے ایک نکتہ لکھا ہے کہ واپسی پر باقی انبیاء میں سے تو کسی سے ملاقات نہیں ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ تو آخر کیا وجہ تھی؟ فرماتے ہیں اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کے دیدار کے طلبگار تھے، دنیا میں ان کو دیدار نہ مل سکا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار کے لئے بلایا تو وہ واپسی پر راستے میں منتظر بیٹھے کہ میں اللہ تعالیٰ کا دیدار خود تو نہیں کرسکا، جو دیدار کر کے آرہے ہیں کاش کہ میں ان کا دیدار حاصل کرلوں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار ان کو دیدار نصیب ہوا۔ وہ بتاتے رہے کہ نمازیں اور گھٹا دیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اللہ رب العزت کے حضور حاضر ہوتے، پھر واپس آتے۔ تو انہوں نے اللہ کا دیدار کرنے والوں کا بار بار دیدار کیا۔

توحید کا سبق:

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے کہ مجھے تو ایک عورت نے توحید سکھادی۔ کسی نے پوچھا کہ، حضرت! وہ کیسے؟ فرمانے لگے کہ میرے پاس ایک عورت آئی جو

پردے میں تھی، کہنے لگی کہ میرا خاوند دوسری شادی کرنا چاہتا ہے آپ یہ فتویٰ لکھ کر دیں کہ اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اللہ کی بندی! اگر وہ اپنی ضرورت کے تحت دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شریعت نے چار تک کی اجازت دی ہے۔ میں کیسے لکھ کے دے سکتا ہوں؟ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو اس عورت نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگی کہ حضرت! شریعت کا حکم راستے میں رکاوٹ ہے ورنہ اگر اجازت ہوتی اور میں آپ کے سامنے چہرہ کھول دیتی اور آپ میرے حسن و جمال کو دیکھتے تو آپ اس بات کو لکھنے پر مجبور ہو جاتے کہ جس کی بیوی اتنی خوبصورت ہو اس کو اب دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ تو یہ بات کہہ کر چلی گئی مگر میرے دل میں یہ بات آئی کہ اے اللہ! آپ نے ایک عورت کو عارضی حسن و جمال عطا کیا اس کو اپنے حسن پر اتنا ناز ہے کہ وہ کہتی ہے کہ جس کی بیوی میں ہوں اب اس کو محبت کی نظر دوسری کی طرف ڈالنے کی اجازت نہیں۔ تو پروردگار! تیرے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہے......!!! آپ کہاں پسند کریں گے کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی بندہ محبت کی نظر کسی غیر کی طرف اٹھا سکے۔

مجنوں کے جذبات:

کسی شاعر نے مجنوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔

وَلَوْ اَنَّ لَیْلٰی اَبْرَزَتْ حُسْنَ وَ جْهِهَا

لَهَا مُبْهَا اَلُوَامُ مِثْلَ خَیَامِیْ

وَلٰکِنَّ هَا اَخْفَتْ مَحَاسِنَ وَجْهِهَا

فَوَلُّوْا جَمِیْعًا عَنْ حُضُوْرِ مَقَامِیْ

(اگر لیلیٰ اپنے حسن و جمال کو کھول دیتی اور اس کے جمال کو سب دیکھ لیتے

تو وہ بھی میری طرح دیوانے بن جاتے۔ مگر اس لیلیٰ نے اپنے جمال کو پوشیدہ کرلیا اس لئے لوگوں کو ابھی اس کے ساتھ وہ تعلق نہیں جو ہونا چاہئے تھا۔)

تو ہمارے سامنے جب اللہ رب العزت کی ذات کے جمال اور کمال کی تفصیل کھلے گے پھر اللہ رب العزت سے بے پناہ محبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل کو اپنی یاد کے لئے وقف کرلیا ہے۔

پرندوں کے انڈے اور معرفت کے موتی:

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ کچھ پرندے ایسے ہیں جو انڈے دے دیتے ہیں اور پھر دور چلے جاتے ہیں اور اپنی توجہ انڈوں کی طرف رکھتے ہیں اور ان کی توجہ کی وجہ سے انڈوں میں سے بچے نکل آتے ہیں، مرغی کی طرح ان کو انڈوں پر بیٹھ کر گرمی پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ کچھوے کے بارے میں حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ یہ انڈے تو دیتا ہے مگر انڈوں کو مرغی کی طرح سیتا نہیں بلکہ انڈوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس کے دیکھنے کی تاثیر کی وجہ سے انڈوں میں سے بچے نکل آتے ہیں۔ اب اگر کچھوے نے انڈوں کو دیکھا اور اس کی وجہ سے اس میں سے بچے نکل آئے اگر اللہ رب العزت کسی بندے کے دل کو محبت کی نظر سے دیکھیں گے تو کیا اس میں سے علوم و معارف کے موتی نہیں نکلیں گے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے تو پروردگار ہم سے محبت کریں گے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار:

دیکھئے بیت اللہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ جمائے مگر اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے

پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دیا تھا۔ بالکل اسی طرح انسان کا دل بھی اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے آپ لا الــــہ الا الــلــہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر تیروں کی بوچھاڑ کیجیے، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے محفوظ فرمالیں گے۔ اس لئے قرآن پاک میں فرمایا اِنَّ الَّـذِیْـنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْـصِـرُوْنَ کہ جولوگ متقی اور پرہیزگار ہیں جب ان پر شیطان کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو وہ ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ذکر کی وجہ سے انہیں شیطان سے محفوظ فرما لیتے ہیں۔

دل کی کنجی:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ میں نے انسان کے نفس کو اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ اب نفس کی قیمت تو جنت لگادی لیکن دل کی قیمت اللہ تعالیٰ نے اپنا مشاہدہ رکھا۔ لہٰذا جو انسان اپنا دل اپنے رب کے حوالے کردے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَہ۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے جو کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور دیکھ کر مسکرائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں گے۔ یہ کیسے خوش نصیب لوگ ہوں گے کہ جو قیامت کے دن اچھے حال کے اندر کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو بنایا تو اس کی کنجی رضوان (جنت کے نگران فرشتہ) کو دے دی، جہنم کو بنایا تو اس کی کنجی اللہ تعالیٰ نے مالک (جہنم کے نگران فرشتہ) کو دے دی، اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو اپنا گھر بنایا اور اس کی

کنجی بنی شیبہ کے حوالے فرمادی کہ ان کے پاس رہے گی کسی اور کے پاس نہیں جاسکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کا دل بنایا مگر اس کی کنجی اپنے دست قدرت میں رکھی۔ وہی دلوں کو پھیرنے والے ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں الٹ پھیر دیتے ہیں۔ گویا ہمارے دل کا تالا اگر کھل سکتا ہے تو اللہ رب العزت کی رحمت کے ساتھ کھل سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگا کریں، اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کریں اور فریاد کیا کریں کہ رب کریم! جب ہمارے دلوں کا معاملہ آپ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے تو دل کے تالے کو کھول دیجئے تا کہ ہم بھی آپ کی محبت بھری زندگی کو اختیار کرسکیں۔

محبت الٰہی کا غلبہ:

کچھ ایسے بھی لوگ دنیا میں گزرے جن کو اللہ رب العزت نے اپنی ایسی محبت عطا کی تھی کہ وہ دنیا کے اندر کسی غیر کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ ایسی ان کو اللہ تعالیٰ نے محبت عطا کی تھی۔ چنانچہ ہمارے اکابرین علمائے دیوبند میں سے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کو اللہ رب العزت نے ذکر میں اتنا غلبہ عطا کر دیا تھا کہ ان کا داماد ان کی خدمت میں دو سال تک رہا اور ان کو اپنے داماد کا نام یاد نہ ہوا۔ جب ان کے سامنے ان کا داماد آتا تو وہ پوچھتے، ارے میاں! تم کون ہو؟ وہ کہتا، حضرت! میں اللہ بندہ ہوں۔ اس کا نام اللہ بندہ تھا۔ حضرت فرماتے، بھائی! سب ہی اللہ کے بندے ہیں۔ تم کون ہو؟ وہ کہتا، حضرت! میں آپ کا داماد اللہ بندہ ہوں۔ پھر وہ فرماتے اچھا اچھا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر سامنے سے گزرتا پوچھتے، ارے میاں! تم کون ہو؟ عرض کرتے، حضرت! میں اللہ بندہ ہوں، حضرت پھر فرماتے، ارے میاں! سب ہی اللہ کے بندے ہیں، تم کون ہو؟ عرض کرتے، حضرت! میں آپ کا داماد اللہ

بندہ ہوں۔ دو سال وہ بندہ حضرت کی خدمت میں رہا مگر دو سال میں اس کا نام یاد نہ ہوا۔ ایک نام نے دل پر ایسا غلبہ کر لیا تھا کہ اب کسی دوسرے نام کی گنجائش نہ رہی تھی۔

حضرت معروف کرخیؒ پر محبت الٰہی کا غلبہ:

کتابوں میں لکھا ہے کہ سری سقطیؒ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا اور انہیں قیامت کا منظر دکھایا گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ قیامت کا دن ہے، لوگ اللہ رب العزت کے حضور کھڑے ہیں اور ان میں ایک آدمی ہے جو اللہ کی محبت میں مست ہے اور دیوانہ ہے اور دیوانوں کی طرح اللہ رب العزت کی یاد میں لگا ہوا ہے۔ پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا، اے اہل موقف ! اے یہاں کھڑے ہونے والے لوگو! تم اس بندے کو حیران ہو کر دیکھ رہے ہو، یہ میرا بندہ معروف کرخی ہے۔ اس پر میری محبت کا جذبہ طاری ہے۔ اس کو اس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک کہ میرا دیدار نہیں کر لے گا۔ لہذا اللہ رب العزت ان کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے تب ان کے جسم میں سکون پیدا ہوگا۔

برکتوں والا نام:

ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے لئے لازم کر لیں پھر دیکھئے اس کے اثرات زندگی میں کیا ہوتے ہیں؟ یاد رکھئے ہمارا مشائخ کی صحبت میں آنے کا مقصد اللہ رب العزت کا ذکر سیکھنا اور پابندی کے ساتھ کرنا ہے۔ اللہ کا نام بڑی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ برکت والا نام ہے تیرے رب کا۔ لہذا جو آپ تین دن یہاں گزاریں گے یا علماء جو بقیہ ایام گزاریں گے۔ اس دوران سیاست کی یا دنیاداری کی کوئی بات آپ کی زبان پر نہ ہو۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ مت کیجئے بلکہ

ان دنوں کو آپ امانت سمجھئے، اپنے وقت کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگا لیجئے، ہر وقت دل میں اللہ کا دھیان ہو اور مراقبہ کیجئے، اپنے اوقات میں زیادہ سے زیادہ توجہ الی اللہ رکھنے کی کوشش کیجئے تاکہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ ہمارے دل کی گرہ کو کھول دیں اور واپس جانے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی اپنی محبت عطا فرما دیں۔

''الف'' اور ''با'' کے معارف:

ایک علمی بات ابھی ذہن میں آئی طلباء کے لئے فائدے مند ہے۔ دیکھئے ''الف'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ کھڑی کھڑی ہوتی ہے اور ''با'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ لیٹی لیٹی ہوتی ہے۔ تو ''الف'' کھڑی کھڑی تھی اور ''با'' لیٹی لیٹی تھی لیکن یہاں سے کسی عارف نے دو نکتے نکالے۔ اس نے کہا کہ ''الف'' جو کھڑی کھڑی ہوتی ہے وہ خالی ہوتی ہے، اس پر نقطہ نہیں ہوتا ''الف'' خالی ہوتی ہے تو اس میں نکتہ نکالا کہ جس بندے کی زندگی کے اندر تکبر ہوگا وہ علوم و معارف سے خالی رہ جائے گا۔ ''با'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لیٹی لیٹی ہوتی ہے اور لکھا بھی ایسا ہی جاتا ہے لیکن ایک عجیب بات ہے کہ جب ''با'' کو بسم اللہ کے شروع میں لکھتے ہیں تو آپ نے دیکھا کہ ''با'' کو ذرا اونچا کر کے لکھتے ہیں، بسم اللہ کی شروع کی ''با'' کے لکھنے کا انداز بدل جاتا ہے، وہ لیٹی لیٹی نہیں ہوتی بلکہ اسم کے ساتھ ''با'' لگی تو اللہ تعالیٰ نے ''با'' کے حرف کی شان بڑھا دی اور اس کو بلندی عطا فرما دی۔ اے مومن! اگر تیرے دل کو اللہ کے نام کے ساتھ نسبت ہوگی پھر اللہ رب العزت تجھے کیوں نہیں بلندی عطا فرمائیں گے۔ لیٹا ہوا حرف اگر اللہ کے نام کے ساتھ لگ جاتا ہے اللہ اس کو بلندی دے دیتے ہیں تو ہم بھی عاجز مسکین بندے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بلندی عطا فرمائیں گے۔ دعا ہے کہ آپ کا جتنا وقت

بھی یہاں سے اللہ تعالٰی آپ کو ذکر اذکار میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ایک دوسرے کے ساتھ کم سے کم بات کیجئے ،کوشش کیجئے کہ آپ کا وقت ذکر واذکار میں گزرے۔

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمین .

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- دارالعلوم جھنگ، پاکستان 0471-622832,625707
- مدرسہ تعلیم الاسلام، سنت پورہ فیصل آباد 041-618003
- معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دارالہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دارالمطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- عبدالوہاب، پنجاب کالونی، نزد رضوان مسجد کراچی 021-5877306
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد